

# اسلام اور مستشرقین

جلد ہفتم

مرتبہ

ڈاکٹر محمد عارف عمری

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یو۔ پی۔ (الہند)



# اسلام اور سائنس

جلد ہفتم

اسلامی علوم و اشخاص کے بارے میں مستشرقین کی غلطیوں کی نشانی پر مشتمل معارف کے مقالات، ترجمے، تلخیص و تبصرے ان کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر اجازت اور ان کی بین الاقوامی کانفرنسوں کی روداد



ترجمہ

ڈاکٹر محمد عارف عمری

دارالعلوم ہند، شبلی اکاڈمی، اعظم گڑھ، یو۔ پی۔ (الہود)

جملہ حقوق محفوظ  
حجرت دارالمصنفین سلسلہ نمبر: ۱۹۳

135387

اسلام اور مستشرقین (جلد ہفتم)	:	نام کتاب
ڈاکٹر محمد عارف عمری	:	مرتب
۳۲۴	:	صفحات
۲۰۰۶ء	:	طبع اول
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یو۔ پی)	:	ناشر
معارف پریس شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (یو۔ پی)	:	مطبع
	:	قیمت

باہتمام



عبدالمنان ہلالی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الكريم

محمد الامين وعلى آله واصحابه اجمعين

مسلمانوں نے ابتدا ہی سے علم و فن کی تحصیل پر پوری توجہ دی اور اپنے دور عروج میں نہ صرف مذہبی بلکہ ہر طرح کے علوم طبیعیات، سائنس، طب، ریاضی، جغرافیہ اور ہیئت وغیرہ میں ایسا شاندار اور قابل فخر علمی ذخیرہ یادگار چھوڑا جس کی مثال کسی اور قوم کے یہاں نہیں ملتی۔ لیکن جب ان کے تنزل کا دور شروع ہوا اور ان کی حکومتیں داخلی انتشار اور عدم استحکام کا شکار ہوئیں تو ان کی علمی ترقی رک گئی پھر جب یورپ کا سیاسی غلبہ و تسلط ہوا تو علم و فن اور حکمت و دانش کی باگ ڈور بھی اسی کے ہاتھوں میں چلی گئی، جہاں جہاں اہل یورپ کا قبضہ ہوا وہاں وہاں کے جو علمی ذخائر ان کے ہاتھ لگے انھیں یورپ لے گئے، اس طرح مسلمانوں کی بہت سی بیش قیمت اور نادر و نایاب کتابیں وہاں پہنچ گئیں، جس کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا

تاہم یورپ کے علما اور مستشرقین کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے اسلامی دنیا کے قیمتی

سرمایے کو شائع کر کے از سر نو زندہ کیا اور باوجود اس کے کہ انھیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں تھا

انھوں نے مسلمانوں کے علوم و فنون کی نادر و نایاب کتابوں کی فراہمی، ترتیب و تدوین اور تصحیح

و تخریج میں بڑی عرق ریزی اور محنت کی، مارگولیتھ نے مسند امام احمد بن حنبل کی چھ ضخیم جلدوں

کا ایک ایک حرف پڑھا جس کی توفیق اکثر مسلمانوں کو بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ یہ مستشرقین کا بڑا

احسان ہے اور اس کے لئے وہ شکر یہ کے مستحق ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ علمی خزانے ان کے نہیں تھے، اس لئے اولاً تو ان کو ان سے اس درجہ کی واقفیت نہیں تھی، جس درجہ کی واقفیت مسلمانوں کو ہے ثانیاً ان کو اسلامی علوم سے وہ بھلائی و محبت بھی نہیں ہو سکتی تھی جو مسلمانوں کو ان سے ہے، اس بنا پر مستشرقین سے کچھ نادانستہ بھی غلطیاں ہوئیں، لیکن ان کی اثر غلطیاں دیدہ و دانستہ اور ان کے عناد و تعصب کا نتیجہ ہیں انہوں نے حق شناسی اور غیر جانب داری سے کام نہیں کیا، تحقیق کا مقصد حق و صحیح کو آشکارا کرنا ہے، مگر انہوں نے حقائق کے انکشاف کے بجائے کتمان حق، تلبیس، تدلیس، فریب دہی اور حق و باطل کو گڈ بٹھ کیا ہے۔ ان کی تحقیقات اور بحث و استنباط کے نتائج کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تصنیفات کو پڑھنے اور ان کے علوم کو سیکھنے کا کام ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے علوم و فنون، تاریخ و تمدن، قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اعتراضات کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کو گم راہ ہی اور شک و شبہ میں ڈالا اور ان کے علوم و معارف سے بے گانہ کر دیا جائے اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کے یہ اعتراضات نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں ہی میں نہیں بعض علمائے اسلام میں بھی سرایت کر گئے ہیں۔

مستشرقین مسلمانوں کے جو علمی خزانے منظر عام پر لائے ان میں اور اپنی اسلام سے متعلق تصانیف میں بھی انہوں نے صحیح واقعات کو توڑ مروڑ کر نیا اور غلط رنگ دے کر ان کا اصلی اور حقیقی رنگ غائب کر دیا، جس حقیقت کو چاہا افسانہ اور جس افسانے کو چاہا اپنی رنگ آمیزی سے حقیقت بنا دیا اور سچائی اور اصلیت کو اپنی ملمع کاری سے جھوٹ اور فریب ثابت کر دیا، وہی مار گولیتھ جس نے مسند احمد کی چھ جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھتا ہے تو بہ قول مولانا شبلی ”دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو نہیں ہو سکتا، صرف اپنی طباعی کے

زور سے بد منظر بنا دیتا ہے۔ (مقدمہ سیرۃ النبیؐ حصہ اول ص ۹۶ مطبوعہ معارف پریس ۱۹۸۱ء)۔ انیسویں صدی میں عیسائی مشنریاں اور مستشرقین دونوں ہی اسلام کے لئے خطہ ہتے ہوئے تھے، عیسائی مشنریوں کے اعتراضات کا جواب دینا آسان تھا اور یہ کام اس زمانے کے متعدد قدیم طرز کے علمائے بہ خوبی انجام دیا، مگر دوسرے گروہ کا جواب دینا آسان نہیں تھا کیونکہ مستشرقین بہت پڑھے لکھے تھے، ان کا جواب وہی لوگ دے سکتے تھے جو قدیم تعلیم سے بہرہ ور اور اپنے مذہب سے پوری طرح باخبر ہونے کے ساتھ جدید علوم و افکار اور نئے خیالات و نظریات سے بھی واقف ہوں، اس زمانے کے علمائے مولانا شبلیؒ میں یہ دونوں خوبیاں بہ درجہ اتم پائی جاتی تھیں چنانچہ اس وقت مستشرقین کے جو اعتراضات بہت عام تھے ان کا جواب مولانا نے بہت مدلل و محققانہ اور اتنے دلنشین اور دلکش انداز میں دیا کہ مستشرقین کے اعتراضات کے تار و پود بکھر گئے۔

مولانا شبلیؒ کی یہ وراثت دارالمصنفین کے حصے میں بھی آئی، مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی مستشرقین کے زہر کا تریاق مہیا کرنے میں منہمک رہے اور معارف کے صفحات بھی ان کے لئے وقف کر دیئے، جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کی جدوجہد سے ۱۹۸۲ء میں ”اسلام اور مستشرقین“ کے عنوان سے دارالمصنفین میں ایک سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس ہوئی، پھر ان کو خیال ہوا کہ اس میں پڑھے لکھے سارے مقالات اور دارالمصنفین کی کتابوں اور معارف سے بھی اس سے متعلقہ مواد و مضامین کو اکٹھا کر کے شائع کر دیا جائے، اس سلسلے کے نتیجے میں ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے تھے، جو بہت مقبول ہوئے۔

اب اسی سلسلہ زریں کا یہ ساتواں حصہ مولوی محمد عارف عمری صاحب کی محنت و جانفشانی سے ترتیب پایا ہے، یہ بھی واقع مضامین پر مشتمل ہے، اسے شائع کر کے ہمیں خوشی ہو رہی ہے امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ناچیز

ضیاء الدین اصلاحی

یکم صفر المعظفر ۱۴۲۷ھ

## فہرست مضامین

### اسلام اور مستشرقین (جلد ہفتم)

صفحہ	مضمون
۹-۱	مستشرق نولد کی اور قرآن مولانا محمد اویس ندوی نگرانی
۱۰-۱۷	جمع و تدوین قرآن اور مستشرقین محمد عارف اعظمی عمری
۱۸-۲۹	مستشرقین کے نزدیک نبوت اور وحی کے دلائل مولانا ضیاء الدین اصلاحی
۳۰-۴۰	ہجرت کے بارے میں مستشرقین کا موقف مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی
۴۱-۶۱	سیرت نبوی کے متعلق مستشرقین کی بعض غلطیوں کی تصحیح مولانا ضیاء الدین اصلاحی
۶۲-۱۰۹	امام اشعری اور مستشرقین مولانا مرزا محمد یوسف
۱۱۰-۱۴۳	ابوالاعلام معری کے متعلق مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم
۱۲۳-۱۵۹	مستشرقین یورپ کی غلطیاں مولانا عبدالسلام ندوی
۱۶۰-۱۶۹	اسلامی علوم و فنون اور مستشرقین یورپ مسلمانوں کا ذخیرہ علوم و فنون اور مستشرقین مولانا ابوالکلام آزاد
۱۷۰-۱۸۰	مستشرقین کے متعلق دو متضاد رائیں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی
۱۸۱-۱۹۰	مستشرقین کی خدمات اور ان کے حدود سید وحید الدین
۱۹۱-۱۹۸	بحث و تحقیق میں مستشرقین کی بے راہ روی اور تضاد بیانی مولانا ضیاء الدین اصلاحی
۱۹۹-۲۳۱	مستشرقین کے اعتراضات کی نشر و اشاعت کس طرح ہوتی ہے، ان کی نوعیت، اثرات اور خاص محور



صفحہ	مضمون
۲۳۲-۲۳۳	مشہور مستشرقین اور ان کی تصنیفات جائزہ اور تعارف مولانا سلمان شمش ندوی
۲۳۵-۲۳۹	بالیڈ میں استشرق مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی
۲۵۰-۲۶۶	مستشرقین کی بین الاقوامی موتمر کا اٹھارہواں اجلاس منعقدہ لائڈن ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ
۲۶۷-۲۷۰	مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس منعقدہ بمبئی سید صباح الدین عبدالرحمن
۲۷۱-۲۷۶	استانبول کی موتمر مستشرقین عالم ڈاکٹر محمد سعید اللہ
۲۷۷-۲۸۳	کیمبرج کی موتمر مستشرقین عالم ،،
۲۸۴-۲۸۹	موتمر مستشرقین عالم کا اجلاس میونخ ،،
۲۹۰-۲۹۷	موتمر مستشرقین عالم کا پچیسواں اجلاس ماسکو ،،
۲۹۸-۳۰۶	مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس سید صباح الدین عبدالرحمن ۵ پچیسواں جلسہ
۳۰۷-۳۱۷	موتمر مستشرقین عالم امریکہ میں ڈاکٹر سعید اللہ



# مستشرق نولڈیکی اور قرآن

مولانا محمد اویس ندوی نگرانی مرحوم، سابق ریٹائرڈ دارالمصنفین

”مستشرقین یورپ“ جن کے فضل و کمال کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا، اور جن کی تلاش و تحقیق کا رعب و مانعوں پر چھایا ہوا ہے، وہ اسلام کی عداوت میں کبھی ایسی عامیاناہ اور جاہلانہ روش اختیار کرتے ہیں جس پر سطحی معلومات والا انسان بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ مشہور جرمن محقق و مستشرق نولڈیکی جس کے علمی افلاس کا یہ عالم ہے کہ وہ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) تصنیف محمدی بتاتا ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا<sup>(۱)</sup> میں قرآن مجید پر ریویو کرتے ہوئے حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے متعلق لکھتا ہے، کہ عرب سے تو انھیں واقفیت تھی لیکن بیرون عرب کا جہاں ذکر کرتے ہیں، وہاں ان کی بے خبری (لفظ کا اصلی ترجمہ جہالت ہے) کی پردہ دری ہو جاتی ہے چنانچہ مصر کی زرخیزی کو جہاں کہ بارش تقریباً نہیں دیکھی جاتی ہے وہ دریائے نیل کے سیلاب کے بجائے بارش پر منحصر رکھتے ہیں، واقعہ کی اصل صورت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں تھے، تو مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا، کہ سات موٹی گائیں ہیں، اور سات دبلی گائیں گائیں موٹی گائیں، اور سات شاداب بالیں ہیں، اور سات خشک، خشک بالوں نے سبز بالوں کو کھالیا شاہ مصر کے خواب کی حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

آپ نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر غلہ  
بونا، پھر جو فصل کاٹو اس کو بالوں میں رتنے  
دینا، ہاں اگر تھوڑا سا جو تمہارے کام میں

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًا فَمَا  
حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا  
مِمَّا تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ

ذَلِكَ سَبْعَ شِدَادٍ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ  
لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ ﴿٣٩﴾ ثُمَّ  
يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ  
النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصُرُونَ

(یوسف: ۴۷-۴۹)

آئے، پھر اس کے بعد سات برس اور  
ایسے سخت آئیں گے، جس کو تم نے ان  
برسوں کے واسطے جمع کیا ہے، مگر تھوڑا سا  
جو تم رکھ تھوڑو گے، پھر اس کے بعد ایک  
برس ایسا آئے گا، جس میں لوگوں کے  
لئے خوب بارش ہوگی (یا فریادری ہوگی)  
اور اس میں شیرہ بھی نچوڑیں گے۔

اس تعبیر میں ایک لفظ (یغاث) ہے جس کا مفہوم یہ لیا گیا ہے، کہ بارش ہوگی جرمن  
مستشرق کے نزدیک عصر کے سلسلہ میں بارش کا ذکر نعوذ باللہ صاحب قرآن کی بے خبری کی دلیل  
ہے۔

بسوخت منقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بے خبر انسان کو خدائے عظیم ہائیر کے کلام پر تنقید کی جرأت؟ ذیل کی سطروں میں اس تنقید  
کی اصل حقیقت آشکارا کی گئی ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ (یغاث) کے معنی صرف پانی برسٹے کے نہیں ہیں  
مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے، کہ یہ غیث (بمعنی بارش) سے مشتق نہیں ہے، بلکہ اس کا مادہ  
غوث ہے جس کے معنی فریادری کے ہیں، یعنی اس قحط کے بعد ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی  
فریادری ہوگی اور قحط دور ہوگا اس قحط کے خاتمہ کا سبب بارش ہوگی، یا نیل کا سیلاب؟ اس کا یہاں  
کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

روح المعانی<sup>(۱)</sup> میں ہے:

یعنی ان کو پانی پہنچے گا، جیسا کہ ابن  
عباس، مجاہد اور جمہور نے کہا ہے، اس  
وقت اس کا مادہ غیث ہوگا، اور کہا گیا ہے  
کہ اس کا مادہ غوث ہے، یعنی فریادری  
اور مصیبت کا دور کرنا، کہا جاتا ہے:

ای یصیبهم غیث ای مطر کما  
قال ابن عباس ومجاهد  
والجمہور فہو من غاث الثلاثی  
الیائی وقیل ہو من الغوث ای  
الفرج یقال اغاثنا اللہ تعالیٰ اذا

اغاثنا امدنا برفع المكاره حين  
اظلتنا فهو رباعى واوى.  
بيضاوى<sup>(۱)</sup> میں ہے:

اغاثنا الله جب کہ خدا ہماری مصیبتوں  
کو دور کرے۔

يمطرون فيه من الغيث او  
يغاثون من القحط من الغوث.

بارش ہوگی جب کہ مادہ غیث ہو، اور اگر مادہ  
غوث ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قحط ان  
سے دور کیا جائے گا۔ ان کی فریادری ہوگی۔

ثعالبی کی جواہر الحسان<sup>(۲)</sup> فی تفسیر القرآن میں ہے:

جائز ان بكون من الغيث وهو  
قول ابن عباس وجمهور  
المفسرين اى يسطرون وحائز ان  
يكون من اغاثتهم الله اذا فرج  
عنه ومنه الغوث وهو النرج

جائز ہے کہ غیث سے ہو جیسا کہ ابن  
عباس اور جمہور مفسرین کا قول ہے، یعنی  
بارش ہوگی اور جائز ہے کہ غوث سے ہو،  
جس کے معنی فریادری کے ہیں یعنی ان  
کی مشکل دور کی جائے گی۔

(۲) اور اگر عام مفسرین کے مسلک کے مطابق بارش ہی کے معنی لئے جائیں، تو بھی

فائل مستشرق کا یہ دعویٰ کہ مصر میں بالکل بارش نہیں ہوتی ہے، غلط ہے، بارش کم سہی لیکن اس کا  
مطابق انکار خلاف واقعہ ہے۔

یعقوبی کتاب البلدان میں کہتا ہے کہ مصر میں سواحل پر کسی قدر بارش ہوتی ہے۔<sup>(۳)</sup>

الخصارة امصر یہ<sup>(۴)</sup> میں ہے کہ یہ کہنا برکت صحیح نہیں ہے کہ وادی نیل بارش سے محروم ہے۔  
ای مارسڈن وئی آسفورڈ اسمتھ کے جغرافیہ عالم میں ہے<sup>(۵)</sup>۔

بارش یہاں بہت ہی کم یعنی قاہرہ میں ایک انچ سالانہ اور اسکندریہ میں جو سمندر سے  
متصل واقع ہے، ۱۸ انچ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

(۳) مصر کے وہ مقامات جہاں فرائض مصرہ قیام تھا، ان کا بارانی ہونا تو بہر حال ثابت

ہے، چنانچہ مصر کے سواحل اور قاہرہ جو ساحل دریائے نیل پر چودہ میل مربع رقبہ میں آباد ہے، وہاں  
بارش کا ہونا معلوم ہو چکا ہے، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرائض مصر کا قیام قاہرہ سے قریب ہی

(۱) بیضاوی ج ۱ ص ۳۹۹ (۲) جواہر الحسان ج ۲ ص ۲۳۱ (۳) کتاب البلدان، صفحہ ۳۳۰ (۴) الخصارة امصر یہ، صفحہ ۸

(۵) جغرافیہ عالم ج ۲ ص ۱۶۳، حیدرآباد

منف اور عین شمس میں رہا کرتا تھا، ابوالفداء کی توہم البلدان میں ہے کہ عین شمس کو مدینہ فرعون کہا جاتا ہے اور یہ قاہرہ سے نصف مرحلہ پر واقع ہے۔ (۱)

یا قوت نے مجمع البلدان میں منف کو فرعون کا شہر بتلایا ہے اور یہاں کے آثار قدیمہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان تھا یہیں فرعون کا قیام بھی رہا کرتا تھا، اور یہیں فرعون کا عین شمس تھا اور اس وقت فسطاط کا جو محل وقوع ہے وہ عین شمس اور منف کے درمیان ہے۔ (۲)

اصل یہ ہے کہ عین شمس ایک بیکل تھا، لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے، پھر یہاں آبادی قائم ہو گئی اور رفتہ رفتہ اس آبادی نے شہر کی حیثیت اختیار کر لی، ورنہ یہ منف سے الگ نہیں ہے۔ (۳)

خطط مقریزی میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور پورے خاندان کو جس میں ۷۳ مرد اور عورتیں شامل تھیں، فرما اور عین شمس کے درمیان ٹھہرایا تھا اور یہاں کی زمین بہت شاداب ہے۔ (۴)

اب بھی عین شمس قاہرہ کے مضافات میں موجود ہے، مسلمان اس کو عون اور یورپی لوگ ہیلوپوس کے نام سے یاد کرتے ہیں، اب یہاں بڑے بڑے مکانات اور شاندار ہوٹل ہیں، قاضی ولی محمد صاحب اپنے سفرنامہ مصر ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

”کہتے ہیں کہ اس جگہ کو حضرت موسیٰ کی اقامت گاہ کا شرف

حاصل ہوا تھا اور فرعون کا محل بھی یہیں کہیں تھا، اور یہیں عزیز مصر کے بنگلہ

میں زینخارہ تھی، اس جگہ بیکل شمس تھا، جہاں آفتاب پرستی ہوتی تھی۔“ (۵)

ان تفصیلات سے معلوم یہ ہوا کہ فراعنہ مصر قاہرہ کے قریب ہی آباد تھے، اور وہاں بارش ہوتی تھی، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر خواب میں اگر بارش کا ذکر تسلیم کیا جائے، تو یہ کوئی خلاف واقعہ بات نہیں ہے۔

(۴) محقق مستشرق نے مصر کی زرخیزی کو دریائے نیل پر منحصر رکھا ہے، لیکن اس پر غور نہیں

کیا کہ خود دریائے نیل کا پانی بھی بارش ہی کے پانی کا نتیجہ ہے۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ مصر اور اس کے دباؤں کا کام نیل سے چلتا ہے، اور نیل کے پانی

(۱) تقویم البلدان ص ۱۱۸ (۲) مجمع البلدان ج ۲ ص ۱۸۱ (۳) مقریزی ج ۱ ص ۳۱۸ (۴) ایضاً ج ۱ ص ۳۹۷

(۵) سفرنامہ مصر قاضی ولی محمد ص ۱۱۳

میں بارش کے اس پانی سے زیادہ ہوتی ہے، جو گرمی میں برستا ہے۔

الحصارة المصر یہ میں ہے:

”اب یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ نیل کا فیضان اس بارش کا

نتیجہ ہے جو مارچ میں وسط افریقہ میں ہوتی ہے جہاں کہ دریائے نیل کا منبع

ہے، اور وہاں سے مصر کی طرف یہ پانی سرسبزی اور شادابی لے کر آتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

عہد حاضر کے مشہور عالم علامہ سید رشید رضا مرحوم جن کی پوری زندگی تقریباً مصر ہی میں

گذری وہ اپنی تفسیر<sup>(۲)</sup> میں فرماتے ہیں کہ مصر کو بارش کے پانی سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا ہے، کہا جاتا

ہے کہ مصر کی زندگی بارش سے نہیں بلکہ نیل کے پانی سے ہے حالانکہ خود نیل کا پانی بارش ہی کا ممنون

ہے، نیل کا فیضان اور اس کی کمی درحقیقت ان مقامات کی بارش پر منحصر ہے، جہاں سے نیل میں پانی

آتا ہے، اس ضمن میں علامہ مرحوم نے قرآن پاک کی یہ آیت نقل فرمائی ہے:

کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ تعالیٰ نے

الم تر ان الله انزل من السماء

آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو زمین

ماء فسلكه ينابيع في الارض

کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے۔

(زمر: ۲۱)

اس کے بعد فرمایا کہ چھوٹے دریا جو نیل کے ینابع ہیں وہ بارش ہی کے پانی سے ہیں۔

یہاں فرعون کا وہ مقولہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، جس کو قرآن پاک نے نقل فرمایا ہے:

اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میری

قال يقوم اليس لي ملك مصر

نہیں ہے، اور یہ نہریں میری پائیں میں

وهذه الانهار تجري من تحتي

بہہ رہی ہیں۔

(زخرف: ۵۱)

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک دوسری آیت بھی قابل توجہ ہے، قرآن مجید میں اللہ

تبارک و تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ ہم ان مقامات پر پانی نہیں

ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی ہے، یا اگر ہوتی ہے تو اس قدر کم کہ اس سے پورا نفع نہیں لے سکتے۔

فرمایا:

کیا تمہوں نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم

اولم يروا اننا نسوق السماء الى

خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے

الارض الجزر فنخرج به زرعها

(۱) الحصارۃ المصر، ص ۸، (۲) جلد ۲، ص ۶۵

ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں، جس سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا دیکھتے نہیں ہیں۔

تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ (سجدہ-۲۷)

مفسر ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ”ارض جزز“ کے یہ معنی نقل کئے ہیں:

جززہ وہ ہے، جہاں نا کافی بارش ہوتی ہو سو اس کے کہ جو پانی سیلاب سے پہنچ جائے۔

قال العوز التي لا تمطر الا مطرا لا يغني عنها شيئا الا ما ياتها من السيول. (۱)

حافظ سیوطی حسن المحاضرہ (۲) میں کہتے ہیں کہ ایک جماعت کے نزدیک ارض جزز سے مراد مصر کی سر زمین ہے، حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۳) میں فرماتے ہیں کہ مفسرین عموماً ”ارض جزز“ کے لئے مثال میں مصر کا نام پیش کر دیتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے مراد محض ”مصر“ ہے، بلکہ ارض جزز میں مصر بھی ہے، مصر کا ”ارض جزز“ میں ہونا قطعی ہے، وہاں کی زمین کی حالت یہ ہے کہ اگر بارش حسب ضرورت ہو تو مکانات منہدم ہو جائیں، اس لئے اللہ تعالیٰ وہاں بارش کے بجائے اس پانی کو لے جاتے ہیں، جو بلا وجہ میں برستا ہے۔

اسی مفہوم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ عرشیہ (۴) اور منہاج السنہ (۵) میں

بیان کیا ہے۔ منہاج السنہ میں ابن تیمیہ کے الفاظ یہ ہیں:

ارض جزز میں اتنا پانی نہیں برستا ہے جو اس کے لئے کافی ہو جیسے مصر کی زمین کہ اگر معمولی بارش ہو تو وہ اس کو کافی نہیں، اس لئے کہ مصر کی زمین کیچڑ والی ہے اور اگر زیادہ پانی برے (مثلاً جتنی بارش کہ مارچ میں ہوتی ہے) تو مکانات برباد ہو جائیں، پس خدا کی حکمت اور رحمت ہے کہ ایک دور تمام پر پانی برساتا ہے

فالارض الجزز لا تمطر ما يكفيها كارض مصر لو امطرت المطر المعتاد لم يكفيها فانها ارض ابليل وان امطرت مطرا كثيرا مثل مطر شهبس (ازار) خسرت المساكن فكان من حكمة الباري ورحمته ان امطر ارضا بعيدة ثم ساق ذلك الماء الى ارض مصر فهذه

(۱) تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۶۶ (۲) ج ۳ ص ۳۶۳ (۳) ص ۱۳ (۴) ج ۳ ص ۱۱۱ طبعہ بولاق



الآية يستدل بها على علم الخالق  
وقدرته ومشيته وحكمته.

پھر اس پانی کو مصر لے جاتا ہے، اس  
آیت سے خدا کے علم، اس کی قدرت،  
اس کی مشیت اور اس کی حکمت پر استدلال  
کیا جاسکتا ہے۔

کس قدر دلچسپ بات ہے کہ جو چیز نولد کی کے نزدیک نعوذ باللہ صاحب قرآن کی بے  
خبری پر دلالت کرتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی سے خدا کے علم، اس کی قدرت، اس کی مشیت  
اور اس کی حکمت پر استدلال کرتے ہیں، یہ امر بھی خاص طور سے لائق توجہ ہے کہ یہ قحط مصر ہی میں  
نہ تھا بلکہ اس کے اثرات دور دور تک تھے، برادران یوسف علیہ السلام کا غلہ کے لئے مصر آنا خود  
قرآن میں مذکور ہے، تورات میں بھی ان کا کنعان سے مصر تک غلہ کے آنا مصر میں موجود ہے<sup>(۱)</sup>،  
نہ صرف کنعان بلکہ اور بہت سے ملکوں کے لوگ غلہ کے لئے مصر آتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

عرب کے جنوبی علاقہ یمن تک اس کے اثرات تاریخ سے ثابت ہیں، چنانچہ ریونڈرفار سٹر  
کے انگریزی "تاریخی جغرافیہ عرب" میں<sup>(۳)</sup> ابن ہشام کے حوالہ سے درج ہے کہ ملک یمن میں  
سیلاب کے اثر سے ایک قبر کھل گئی، جس میں ایک عورت کی لاش نظر آئی، اس کے گلے میں موتیوں  
کے سات گلوبند، ہاتھوں اور پیروں میں بازو بند، کڑے اور سات سات چھڑے بھی تھے، ہر ہر انگلی  
میں گنینہ کی بیش قیمت انگوٹھی تھی، سر ہانے زرد مال سے لبریز ایک صندوقچہ تھا، قبر میں ایک کتبہ بھی ملا  
جس میں پہلے فقرہ کے بعد پانچ اشعار درج ہیں، اس کی نقل حسب ذیل ہے:

تیرے نام سے اے خدا اے خدا کے  
حمیر میں تلجہ بنت ذی شقر ہوں، میں  
نے اپنے شاہی داروغہ کو یوسف کے  
پاس بھیجا، پھر جسے، واپسی میں دریہ کوئی آ  
میں انے اپنی خواہش کو بھیجا، چاندی کی  
ایک مقدار دے کر کہ اس کے عوض میں  
آئے کی ایک مقدار لائے، پھر جب وہ  
نہ مل سکا تو پھر میں نے سونادے کر بھیجا۔

(۱) باسمک اللہم الہ حمیر  
اناجہ بنت ذی شقر بعثت مایرنا  
الی یوسف فابطأعلینا فبعثت  
لاذتی  
(۲) بسمد من ورق لتاتینی بسمد من  
طحین فلم تجده فبعثت بسمد من  
ذهب

جب اس سے بھی نہ مل سکا تو پھر میں نے موتی بیچے اور جب اس سے بھی نہ مل سکا تو میں نے ان موتیوں کو پساواڑا الا وہ کسی کام نہ آسکے، سواب میں یہاں دفن ہوتی ہوں، جو کوئی میری خبر پائے اسے چاہئے کہ میرے اوپر ترس کھائے۔

اور اگر کوئی عورت میرے زیوروں پر طمع کرے اور انہیں پہننا چاہے تو اس کو میری ہی جیسی موت نصیب ہو۔

(۳) فلم تجده فبعثت بمد من بحری فلم تجده فامرت به فطحن فلم انتفع به فاقتفلت فمن سمع فلیر حمنی۔

(۴) وایة امرأة لبست حلیا من حلیتی فلامات الامتیعی۔

اس کتبہ سے معلوم ہوا کہ یمن تک اس قحط کے اثرات یقینی تھے، تورات تو صراحتاً اس کی

عائلیگیری کی قائل ہے:

” (۵۳) اور سات برس لرزانی کے جو زمین مصر میں تھے، آخر ہوئے، اور لرزانی کے سات برس جیسا کہ یوسف نے کہا تھا، آنے شروع ہوئے۔ (۵۴) اور سب زمین میں لرزانی ہوئی، پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روئی تھی۔ (۵۵) پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روئی کے لئے فرعون کے آگے چلائی، فرعون نے سب مصریوں کو کہا کہ یوسف کئے جاؤ، وہ جو تمہیں کہے سو کرو۔ (۵۶) اور تمام روئے زمین پر کال تھا اور یوسف نے ذخیرے کے کھتے کھول کے مصریوں کے ہاتھ بیچے اور مصر کی زمین کا کال بہت بڑھا۔ (۵۷) اور سارے ملک مصر میں یوسف کئے مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔“ (۱)

ان حوالہ جات سے بیرون مصر قحط کے اثرات کا جب ثبوت موجود ہے تو مسئلہ اور واضح

ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر مصر کو بارش سے محروم تسلیم بھی کر لیا جائے، تو سارا عالم تو بارش سے محروم نہ تھا،

اور قرآن پاک میں (یغاث) کے ساتھ (الناس) لوگ کا لفظ ہے، صرف اہل مصر کی تخصیص نہیں ہے۔

(۷) اس موقع پر انٹرس آیت پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہئے اور قرآن پر تنقید کے بجائے، اس

کے اعجاز و بلاغت اور اس کی صداقت کا اعتراف کرنا چاہئے۔

(۱) پیدائش باب ۴۱

تورات کی ان قولہ بار آیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب سارا عالم میں لوگ تھکے  
سے پریشان تھے، اس وقت مصر میں خوشحالی تھی، آیت یہ ہے:

اور سب زمین میں گرانی ہوئی، یہ تو مصر کی ساری زمین میں

روئی تھی۔

یہ خوشحالی اور تحقیقت مصر سے ایک عالم السلام کی تعبیر خواب کے فیصل میں تھی، جس میں

آپ کے ارشاد فرمایا تھا:

تم سات سال متواتر غلہ بونا پھر جو فصل

تسور غنوں سبع سنین دابنا نسا

کا تو اس کو بالوں میں رتہ دین، مگر تھوڑا سا

مصدقہ قدر وہ غیر سنبلا الا قليلا

کو ہار سے کھانے میں آئے۔

وہا نا کھیاں یہ سفر حجاز

مصر سے واپس آ کر اس وقت میں تھوڑے سے باغیچے اہل علم کو بھی تھوڑے تھوڑے پیدا ہوئے  
اور ان کے پاس کچھ پوکھڑے اور سببہ ہوتے، ان کے ذریعے ان کا کھانا ہوتا تھا۔

اب فاطمی غلام مرید تھے، ان کی پوری آیت میں (بغلات فریادری ہوں، یا پورائی ہوں،  
اور بعض روز) (تھوڑے پوکھڑے کے سبب) سببہ میں، وہ سب حاضر تھے، اس وقت غنوں  
تھوڑے روز ان کے پاس تھوڑے کھانے (تم کھاؤ) (تھوڑے جمع کرو) اور ان  
کی حسب سببہ تعلق صرف اہل علم سے ہے اور اس لئے وہ نسبتاً فقیر میں رہے، اور ان کے بعد  
جو بیٹے ہیں ان (بغلات) اور (بعضیوں کو) غنوں کے بیٹے ہیں۔

یہ ان کا سببہ ہے، اس سببہ میں ہے، اس معلوم ہوتا ہے کہ ہاشمی یا فریادری کا تعلق چھوٹے  
دوسرے غنوں سے تھی، اس لئے وہ ان کے سببہ کے بیٹے استعمال کے لئے تھے، تا کہ مفہوم میں نمود پیدا  
ہو اور ان کی جیسے جیسے چیزیں پیدا ہو کہ مصر کی زمین تو بارانی نہیں ہے اس لئے وہاں بارش نہیں  
ہوتی ہے، اور ان کے بیٹے کے جمع کرنے کا تعلق ہونا ہے اہل علم سے ان کے لئے وہاں  
غنا سببہ کے سبب استعمال کے لئے۔ واللہ اعلم بالصواب

الغلات علم معانی و زبان کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی شخص کی کئی کئی چیزیں اور  
طرز دنیا سب کا تعبیر و بیان ملنا، انہی کئی کئی چیزوں کا سببہ استعمال ہوتا ہے، یا ایک غائب یا متعلم کے بیٹے  
استعمال ہونے سے، جن باتوں کا استعمال قرآن و شان انہی کئی کئی باتوں کے لئے ہے، علم باغیچہ ایک اہم شعبہ ہے  
اور قرآن پاک کے لغات میں یہ باتوں کے علم و علم و لغت سے دلچسپی رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

# جمع وتدوین قرآن اور مستشرقین

تلخیص و تبصرہ  
محمد عارف اعظمی، رفیق ادارہ مصنفین

حال ہی میں مستشرقین کی مرتب کردہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد پنجم کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا ہے۔ یہ انگریزی اور فرنگی دونوں زبانوں میں ہے، اس ضخیم کتاب میں ”قرآن“ کے عنوان کے تحت مستشرق و اش کا ایک مفصل مضمون شامل ہے، جس میں انھوں نے وہ سب اعتراضات کیجا کردئے ہیں جو تقریباً دو صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔

عہد نبویؐ میں جمع و ترتیب کی کیفیت

جمع وتدوین قرآن کو مستشرقین نے خاص طور پر اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے جس کا اصلی اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے متن کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیں، اس سلسلہ میں ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ پورا قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون نہیں ہوا، پھر وہ اس بے بنیاد اعتراض کا جواب بھی اپنے ہی منہ وضات و قیاسات کی روشنی میں ڈھونڈتے ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک کاتبین وحی کی کمی سے ایسا ہوا اور بعض مستشرقین نے تو اس کی یہ مضحکہ خیز توجیہ کی ہے کہ ”چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب قیامت کا حد درجہ شدید احساس تھا اور آپؐ جانتے تھے کہ یہ تمام علوم قیامت آنے کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں گے اس لئے آپ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کی ضرورت پر سرے سے زور ہی نہیں دیا۔“

دراصل مستشرقین کی یہ دونوں باتیں لغو اور حقیقت کے برعکس ہیں، ان کا یہ کہنا کہ کاتبان وحی کی قلت تعداد اس میں مانع ہوئی ان کے مطالعہ اور غور و فکر کی کمی کا نتیجہ ہے، مختلف روایتوں کے مطابق کاتبین وحی کی تعداد چوالیس تھی۔ چالیس کا اعتراف تو خود مستشرق بلا شیر نے کیا ہے، نزول قرآن کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین کے ذریعہ نازل شدہ قرآن مجید کا املا کراتے

تھے اور خود آپ ان آیتوں کے محل و مقام کو بھی متعین فرمادیتے تھے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت کے اس ارشاد سے بخوبی واضح ہوتا ہے:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف ٹکڑوں سے قرآن مجید کو مرتب کرتے تھے۔

كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نؤلف القرآن من الرقاع.

اسی طرح مستشرق کا زانوف کا یہ خیال ہے کہ قرب قیامت کے شدت احساس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو مدون کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، مسلمان و انشوروں سے اپنے خود مستشرقین کے طبقہ میں رد کیا جا چکا ہے، چنانچہ بلاشیر نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا ہے:

”کازانوف کی اس رائے کا نہ تو علمی حلقوں میں کوئی وزن ہے اور

نہ ہی اس کا علم سے کوئی تعلق ہے۔“

تاہم بلاشیر نے اس کی تردید میں اپنے خود ساختہ خیالات کی تردید کی ہے جو اسلامی

نقطہ نظر سے غلط ہے، وہ لکھتے ہیں:

”یوم آخرت کا انداز اور دھمکی صرف کی دور تک محدود تھی مدنی عہد

میں جو اسلامی شریعت کی ترقی کا دور تھا یہ چیز مختلف ہے۔“

کازانوف کے اس غیر علمی خیال کی سب سے عمدہ تردید فرانس کے ایک مسلمان مصنف

ناصر الدین دینیہ نے اپنی کتاب ”الشرق فی نظر الغرب“ میں کی ہے۔

علمائے اسلام نے عہد نبوی میں قرآن مجید کے مدون نہ ہونے کے اسباب و وجوہ پر مفصّل

بحث و گفتگو کی ہے، ان کے خیال میں اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید وقتاً فوقتاً تینیس

برس کی مدت میں نازل ہوتا رہا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تردد لاحق رہتا تھا کہ معلوم نہیں

کب کون آیت نازل ہو اور کون سی منسوخ ہو جائے یا کسی آیت کا حکم تو برقرار رہے مگر اس کی

تلاوت منسوخ کر دی جائے تاہم یہ امر واقعہ تھا کہ پورا قرآن مجید عہد نبوی ہی میں لکھا جا چکا تھا و وہ

ایک مصحف میں بین الدفتیں جمع نہ تھا، بلکہ وہ متفرق کاغذ کے پرزوں اور دوسری چیزوں پر لکھا ہوا تھا

علاوہ ازیں وہ صحابہ کرام کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، جن کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ عربوں کے حفظ و

نضبط کی غیر معمولی قوت پر بہت لکھا جا چکا ہے۔

**جمع و تدوین کا زمانہ**

مستشرقین کی جانب سے ایک سوال یہ بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید

کا جامع اولیٰ یوں ہے، اس بارہ میں اس موضوع کے لیے متعدد روایتوں کا بھی ہمارا خیال ہے چنانچہ اس بارہ میں پیدیا  
کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

ایک بارہ میں ہم نے اس کی طرف سے اس بارہ میں اس کے  
دریافت کی تو انہیں بتایا گیا کہ وہ قطاں صاحب کے ہاں ہی ہو کر تدوین کیا گیا  
شہید ہونے سے اس پر حضرت عمرؓ کو سخت افسوس ہوا اور انہوں نے اس کے بعد  
جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اس امر کے بموجب سب سے پہلے  
قرآن مجید ایک صحیف میں جمع کیا گیا لیکن اس میں دوسری روایتوں کے مطابق  
حضرت ابو بکرؓ نے یہ کام شروع کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے ان کو اس سے باز  
رکنے کی کوشش کی تھی اور ان دنوں روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ  
ہی نے جمع فرمایا تھا اور حضرت عمرؓ نے اس کی تدوین کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ناقابل اعتبار اور متضاد روایتوں کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً میں  
استعمال کرنے میں مستشرقین کو بڑی اہمیت اور چاہدگی حاصل ہے۔ یہیں بھی انہوں نے قرآن  
قرآن کی جمع و ترتیب میں غلط فہمیاں پیدا کر کے ان کے بارے میں اسماعیل و شہباز  
میں بتا کر دیئے اور ان کی تاریخی حقیقت کو مروج کرنے کے لئے روایتوں کے درمیان میں پھار  
لی ہے۔

مقالہ نگار نے حضرت عمرؓ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے اس کو حافظ ابن حجر (ف: ۵۸۲ھ)  
نے منقطع قرار دیا ہے اور جن روایتوں سے اس بارہ میں حضرت عمرؓ کی اولیت کا ثبوت ملتا ہے  
ان کے متعلق بھی حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اس کام کا  
مشورہ دیا تھا۔

اسی طرح مقالہ نگار کا یہ بیان کہ حضرت ابو بکرؓ نے جمع قرآن کی ابتدا کی مگر اس کی تدوین  
حضرت عمرؓ کے ہاتھوں ہوئی، دراصل مستشرق بلاشیر کا ایک خود ساختہ خیال ہے جس کی تردید شیخ  
بخاری کی ایک مشہور روایت سے بھی ہوئی ہے۔ جس کے آخری حصہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ  
قول نقل ہوا ہے:

حسبى وحديثى آخر سورة التوبة بالآخر مجھ کو سورہ توبہ کے آخر کی آیت

مع ابی خزیمۃ الانصاری لم احدھا  
مع احد غیرہ (لقد جاءکم رسول  
من انفسکم عربیو علیہ ما عنتم)  
(لقد جاءکم رسول  
حضرت ابو خزیمہ انصاری نے پاس میں جو  
اور اسی نے پاس نہ تھی۔

حضرت زید بن ثابت کے اس ارشاد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جمع قرآن کا موجد  
سیدتی ان میں پہلے نہیں پہنچ چکا تھا۔

عام صحابہ کو نظر انداز کرنے کا الزام

بلاشبہ کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع و  
قرآن قرآن کے مشورہ میں عام مسلمانوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ تمام حضرات ابوبکر اور  
حضرت عمر کی ذاتی دلچسپی اور جذبہ جہد کا نتیجہ تھا جس کو عام مسلمانوں میں بھی رائج کر دیا گیا، اور کہتے ہیں  
”طبعاً مسلم معاشرہ کو وحی الہی کے ایک مدون نسخہ کی حاجت تھی اور

نماز پر یہ نسخہ ایسا ہی ہو سکتا تھا جو عام مسلمانوں کی رائے سے مدون  
کیا گیا ہوتا کہ اس کو عوامی مقبولیت حاصل ہو، حضرت ابوبکر نے سمجھے اس  
معیار پر پورے نہیں اترتے، کیونکہ ان کی حیثیت حضرت ابوبکر کی ذاتی ولایت  
نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کسی کے ذہن میں یہ بات  
نہ تھی کہ وہ بحیثیت خلیفہ عام مسلمانوں پر اس کو لازم قرار دیں۔“

جمع قرآن کا بنیادی محرک بلاشبہ غزوہ یمامہ میں سرحد نماز کا پہلی بیس وقت شہادت کا  
واقفہ تھا جس کے بعد ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اس کو عام مسلمانوں میں رائج کر دیا۔  
لیا اس وان دونوں بزرگوں کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے یا اس میں عام مسلمانوں کی  
مصلحت منظم تھی، باغرض اگر ایسا ہی ہوتا تو ان دونوں بزرگوں کے لئے عام مسلمانوں کے اقوال  
کے بغیر خود ہی یہ کام انجام دینا کس طرح ممکن ہوتا، سب سے بڑا تعاون تو حضرت زید بن ثابت کا  
تعاون کو جب اس کام کی زحمت دی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ:

فواللہ لو کلفونی نقل جبال  
ما کان أثقل علی مما أمرنی بہ من  
جمع القرآن  
بخدا اگر وہ لوگ مجھ سے پہر کہہ دیتے تھے  
انہا نے کے لئے کچھ تو یہ ہم میرے  
لے قرآن کریم کو جمع کرنے کے مقابلاً  
میں زیادہ ہلکا ہوتا۔

بلاشبہ نے اس بارے میں اس امر سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ

حضرت ابو بکرؓ سے پہلے ہی بعض صحابہ کرام نے بھی انفرادی طور پر اس کام کو انجام دیا تھا، مثلاً حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابو درداء بن السکین وغیرہ۔

ایک تاریخی غلطی کا اعادہ | دراصل اکامل ابن اثیر اور کتاب النثر ابن جزری میں حضرت

عثمان کے عہد مبارک میں قرآن مجید کے مستند نسخہ کی نقلیں تیار کرنے کا سن ۳۰ھ لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ کام ۲۵ھ میں ہوا، جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰ پر اس کی عمل و ضاحت کر دی ہے مگر جو مستشرقین قرآن مجید کے تاریخی پہلو پر بحث کرتے ہیں وہ اپنی مقصد برآری کے لئے قصداً اس غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بلاشیر نے بھی اس تاریخی غلطی کا اعادہ کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ابن ابی داؤد کے بیان کے مطابق حضرت ابی ابن کعب بھی اس وقت موجود تھے، جبکہ دوسرے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۰ھ سے کم از کم دو سال پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کی مخلصانہ جدوجہد پر اثر پذیری کا بہتان | اکثر مستشرقین

نے اس باب میں حضرت زید بن ثابتؓ کی شخصیت کو بھی متہم کیا ہے ان کے خیال میں وہ مختلف عوامل سے متاثر تھے جن کے اثرات کی کارفرمائی لامحالہ اس کام پر بھی اثر انداز ہوئی لیکن یہ ساری باتیں بے بنیاد ہیں۔ حضرت زیدؓ اسی وقت سے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتابت وحی پر مامور کیا تھا اپنی وفات (۲۵ھ) تک ممتاز سیرت و شخصیت کے مالک رہے۔ سوسائٹی میں ان کے اونچے درجہ و مرتبہ نیز ان کی حفظ و یادداشت کی قوت و صلاحیت کا اعتراف مستشرقین کو بھی ہے، صحابہ کرامؓ کی اپنی جماعت میں وہ ان اوصاف و خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر تھے، اکثر صحابہؓ نے ان کی عظمت شان غیر معمولی فضل و کمال اور کتاب وحی کی عظیم الشان خدمت اہم مدینے کا ذکر بھی کیا ہے، امیر المؤمنین حضرت ابو بکرؓ کو اس بارہ میں ان پر کتنا اعتماد تھا اس کا اندازہ ان کے اس ارشاد کرامی سے کیا جاسکتا ہے:

انک رجل شاب عاقل  
لا نھسک وقد کنت تکتب  
بیشک تم نوجوان اور بوش مند شخص ہو، تم پر  
کوئی اتہام بھی نہیں ہے اور تم وحی بھی  
لکھا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی چار صفات گنائی



ہیں جو تمام اس کام کے لئے مخصوص تھیں۔ (۱) نوجوان ہونا تاکہ وہ اس اہم کام کو تندہی اور محنت سے انجام دے سکیں۔ (۲) ہوش مند ہونا اس بنا پر کہ وہ اس کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ (۳) متمم و مجروح نہ ہونا کہ ان کا نفس کسی برائی اور غلط رجحان کی طرف مائل ہو۔ (۴) کاتب وقتی ہونا کہ یہ مہارت اور شرف ان کو پہلے سے حاصل ہے یہ چاروں اوصاف فرد افراد تو اور لوگوں میں بھی مل سکتے ہیں مگر حضرت زید کے اندر ان سب کا جمع ہونا ان کی نمایاں خصوصیت ہے۔

مزید برآں حضرت زید بن ثابت اس وقت بھی موجود تھے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں حضرت جبریل علیہ السلام نے وہ مرتبہ آپ سے قرآن مجید سنا اور خود آپ کو سنایا، علاوہ ازیں وہ تمام صحابہ میں قرآن مجید کے حفظ و ضبط اور اس کی مختلف قرات سے واقفیت میں مشہور و ممتاز تھے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انھوں نے یہ کام تنہا نہیں انجام دیا۔ ابن ابی داؤد کی روایت ہے:

حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے فرمایا کہ تم دونوں مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص دو گواہوں کے ساتھ قرآن کا کوئی حصہ پیش کرے اسے لکھو۔

ان ابابکر قال لعمر و لزید اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشاہدین علی شیء من کتاب اللہ فاکتباہ۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے لیکن اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اسی طرح ابن ابی داؤد ہی کی ایک دوسری روایت ہے کہ "تدین قرآن کے وقت حضرت عمر نے اعلان کیا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا کوئی حصہ سنا یا لکھا ہو وہ اسے پیش کرے۔ صحابہ کا معمول تھا کہ وہ قرآن مجید کو اوراق، پتھر، تختیوں اور تھوڑی سا اور کھوپڑیوں پر لکھتے اور کسی سے بھی قرآن کا کوئی حصہ بغیر دو گواہوں کی شہادت کے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں اس کا ذکر ہے کہ اس اہم کام میں حضرت عمر نے حضرت زید بن ثابت کی معاونت کی تھی، مگر اس بارہ میں خود حضرت زید کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ وہ محض حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے تھے، چنانچہ سورہ توبہ کے آخر کی آیت کے سلسلہ میں ان کا بیان ہے کہ وہ انھیں

حضرت ابو خزیمہ انصاری کے علاوہ اور کسی کے یہاں نہیں ملی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت صرف انہیں کے پاس لکھی ہوئی موجود تھی ورنہ یہ زبانی تو انہیں خود بھی اور دوسرے بہت سے صحابہ کو بھی یاد تھی اور حفظ کے باوجود اس کے مطابق لکھے ہوئے کی تلاش سے ان کی انتہائی احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

**مصحف عثمانی اور حضرت عبداللہ بن مسعود** | مقالہ نگار کا یہ بھی بیان ہے کہ ”حضرت

عثمان نے قرآن مجید کے دوسرے تمام نسخوں و جلاہ یا اور صرف سرکاری نسخوں کو برقرار رکھا اور یہی نسخہ تمام مشرکوں میں نافذ کر دیا گیا، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے ہمناؤں نے اس کی پرزور مزاحمت کی لہذا اس مخالفت کے اسباب و علل پر طویل گفتگو کرتے ہوئے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین کے ایک بڑے طبقہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ مصحف کا ذکر مباحث قرآنی سے کیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر مصحف عثمانی کی مسلمہ نعت و صداقت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے، مقالہ نگار نے بھی یہی کیا ہے اور اس نے اس بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی جانب منسوب اس تقریر کو بھی نقل کیا ہے:

یسا معشر المسلمین: اعزل عن  
نسخ المصحف ویتولاه رجل  
والله لقد اسلمت وانه لفی صلب  
رجل کافر

اے مسلمانو! میں مصحف کی نقل و نیکو  
سے معزول کر دیا گیا اور ایک ایسے شخص کو  
اس پر مامور کیا گیا جو اس وقت ایک کافر کے  
صوب میں تھا جبکہ میں مسلمان ہو چکا تھا۔

یہ شخص یہ تمہیں کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کا کلام ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ حق و تدوین قرآن مجید کے مخالف تھے، بلکہ ان کی تشدید مخلص جمع قرآن کے ذمہ دار اور پیشوا تھے، چونکہ وہ حضرت زید بن ثابت کے مقابلہ میں معمر اور قدیم الاسلام تھے اور پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فن قرأت کے ائمہ میں شمار کیا تھا، چنانچہ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

حاصلوا القرآن عن اربعة؛ عبد اللہ  
وسالم مولی ابی حذیفہ ومعاذ بن  
جبل و ابی بن کعب

قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو:  
حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سالم  
غلام حضرت ابو حذیفہ، حضرت معاذ بن  
جبل اور حضرت ابی بن کعب۔

اس بنا پر حضرت عبداللہ بن مسعود اپنے آپ کو اس کے لئے زیادہ موزوں سمجھتے رہے ہوں گے مگر جب ان کو اس حقیقت کا آجیسی طرح علم ہو گیا اور اپنے موقف کی غلطی کا بخوبی احساس ہو گیا تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا اور برعناء و رغبت امت اسلامی کی وحدت و اجتماعیت کو برقرار رکھا۔

**خاتمہ** | یہ مستشرقین کے بعض اعتراضات اور غلط بیانیوں کی ایک جھلک ہے جن کو وہ اپنی تمام کتابوں میں بار بار دہرا کر قرآنی متن کو مشکوک اور نامعتبر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے، ارشاد باری ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ  
لِحَافِظُوْنَ (الحجر: ۹)

بیشک ہم ہی نے اس نصیحت کو اتارا ہے  
اور ہم ہی اس کے نگہبان و محافظ ہیں۔

اسو سنا کہ بات یہ ہے کہ اسلامی کتب خانوں میں ایسی مستند اور محققانہ کتابوں کی کمی ہے جن میں متن قرآن کی تاریخ مرتب اور مرحلہ وار درج کی گئی ہو، صرف ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف اس سلسلہ میں واحد ماخذ ہے جس کو مستشرق جنرلی نے شائع کیا ہے، مگر اس کو بھی دوبارہ ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کتاب کے عمیق مطالعہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے تاریخی مباحثہ تشنہ ہیں اور اس میں ایک موضوع سے متعلق مختلف متضاد روایتیں یکجا کر دی گئی ہیں، اگر یہ اہم کام مسلمانوں کی جانب سے انجام پا جائے تو متضاد روایتوں کا سہارا لے کر کتاب اللہ پر طعن و تشنیع کی جو کوشش مستشرقین کر رہے ہیں اس کا سدباب ہو جائے گا۔

# مستشرقین کے نزدیک نبوت اور وحی کے دلائل

تلخیص و تبصرہ

مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دارالمصنفین

مستشرقین نے نبوت اور وحی کے جو دلائل بیان کئے ہیں ان میں پہلی دلیل کا تعلق ایمان

بالتہ کے عقیدہ سے ہے۔

اسلام میں ایمان بالتہ کی اولین بنیاد توحید کا عقیدہ ہے، یہ اپنی خصوصیات اور تفصیلات کے ساتھ اس قدر ستھری اور نکھری ہوئی صورت میں پیش کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایسی صورت میں نہیں تھا، یہاں تک کہ ان کُفلاء کے یہاں بھی امتداد زمانہ سے توحید کا عقیدہ خالص نہیں رہ گیا تھا جو ملت ابراہیمی کے تابع سمجھے جاتے تھے، وہ اگرچہ خدائے واحد کو زمان و مکان اور جسم و جہت سے منزہ سمجھتے تھے، لیکن اس کی حاکمیت، تشریح اور تجرید کے بارہ میں ان کا ذہن صاف نہیں تھا۔

اسی طرح تورات میں اللہ کا جو تصور پیش کیا گیا ہے، وہ عام اور ہمہ گیر نہیں ہو سکا، بلکہ یہ صرف بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا۔

موجودہ اناجیل کی توحید میں تثلیث کا تصور ہے، ان میں تین اقانیم کا اعتبار کیا گیا ہے جو الگ الگ بھی خدا سمجھے جاتے ہیں اور ان کا مجموعہ بھی خدا کہلاتا ہے، اسی لئے حضرت مسیح کی ذات کے متعلق عیسائیوں کے مختلف فرقے ہو گئے ہیں۔

بعثت نبوی سے قبل توحید سے متعلق اسی قسم کے تصورات لوگوں میں رائج تھے، لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام نے ان سے الگ توحید کا ایسا نیا تصور پیش کیا جس کو نہ آپ نے تورات و انجیل میں پڑھا تھا اور نہ کسی حنفی (ملت ابراہیمی کے تابع) سے سیکھا تھا، چونکہ یہ تصور اور عقیدہ عین بشری میلانات اور انسانی فطرت کے مطابق تھا، اس لئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور نبوت کی ایک

دلیل ہے۔

اسی حقیقت کو مشہور مستشرق کونٹ ہنری ڈی کاسٹری نے اپنی کتاب ”اسلام، شخصیات اور تصورات“ میں بھی بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ اس بات کو باور کرنا محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے جس فکر و تصور کے داعی تھے، اسے آپ نے تورات اور انجیل کے مطالعہ سے حاصل کیا تھا کیونکہ اگر آپ نے یہ کتابیں پڑھی ہوتیں تو آپ نے تثلیث کی تردید ضرور کی ہوتی، کیونکہ یہ آپ کی فطرت اور وجدان کے سراسر خلاف چیز تھی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عقیدہ کا ظہور خود آپ کی زندگی کا نہایت مہتمم بالشان واقعہ ہے جو بذات خود آپ کے سچے اور صادق و امین نبی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے، (یورپ اور اسلام ص ۴۲) نیز یہی اسلام کے برحق ہونے کی غالباً سب سے واضح دلیل بھی ہے، کیونکہ اسلام میں توحید کا جو عقیدہ ہے، اس سے یہ دوسرے مذاہب سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے۔

اسلام میں معبود صرف ایک ہی ہے، اسی کی ہم عبادت اور پیروی کرتے ہیں، ہمارے نزدیک سب سے اہم اور مقدم یہی عقیدہ ہے، کوئی ہستی بھی اتنی مقدس اور پاکیزہ نہیں ہے کہ ہم اس کو خدا کا شریک اور ساجھی بنا لیں، یہ کیسی عجیب و غریب بات ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، ایسی پستی اور بے وقوفی پر اتر آئے اور ایسے اوہام و خرافات کو اپنا عقیدہ بنا لے جو اس کی نگاہوں سے اس کے اس مقدس باپ (خدا کے قبہ) کو او جھل کر دیں، جو اپنے بندوں اور مخلوقات سے ہر وقت متصل اور جڑا ہوا رہتا ہے، خواہ یہ بندے اس کے نافرمان اور باغی ہوں یا طیع و فرمانبردار۔

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلوغ معجزہ ہے | عربی زبان و ادب کے ماہر

مستشرقین اسلوب اور مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید اور احادیث نبوی کے درمیان موازنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کا اسلوب بیان بھی مختلف ہے، اور معانی و محتویات کے اعتبار سے دونوں کے مضامین بھی جدا جدا ہیں۔

قرآن مجید کا اسلوب لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں سے ایسا معجزانہ ہے جو اس کے کام ربانی ہونے کا پتہ دیتا ہے، اور حدیث کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک فائق و برتر انسان کی قوت بلاغت کا نمونہ ہے، اسی طرح قرآن کے مضامین و مطالب زیادہ تر عام اور کلی نوعیت کے ہوتے ہیں، جب کہ حدیث کے مندرجات و مشمولات قرآن کے بنیادی احکام کی تفصیل، توضیح اور تشریح پر مبنی ہوتے ہیں، گو کہیں کہیں اس میں بعض نئے احکام و قوانین بھی پائے جاتے ہیں،

قرآن مجید نے برابر چیلنج کیا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا کہ لوگ لفظ و معنا اس کے جیسی کوئی کتاب پیش کریں، اس سے لازماً یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایسی وحی ہے جس کا سرچشمہ کوئی بالائے ترہستی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ڈاکٹر لورڈ ایشیا وگلیر نے بھی ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا معجزہ اس کی بلاغت ہے اور اس کی وہ خبریں ہیں جو اس کی سورتوں اور آیتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”اسلام کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے، جو تو اترو تسلسل کے ساتھ نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس کے واقعات پورے یقین اور کامل وثوق کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس برحق کتاب کی نقل و محاکات کی کوئی کنجائش نہیں، اس کی تمام آیتیں بلاغت کے یکساں معیار پر ہوتی ہیں اور وہ ایک موضوع چھوڑ کر دوسرے موضوع کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، مگر اس کا زور بیان برقرار رہتا ہے، ہم کو اس کے اندر گہرائی کے ساتھ شیرینی بھی ملتی ہے، حالانکہ عموماً یہ دونوں خوبیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں، ایسی معجزانہ کتاب گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اختراع قرار دینا بعید از عقل ہے، کیونکہ آپ ایک عرب اہل تھے۔“ (اسلام اور عربی ثقافت ص ۳۰۵)

مستشرق ایٹن ڈیوینہ لکھتا ہے کہ:

”قرآن کا اعجاز اس انداز کا ہے جس کو اختیار کرنا بڑی سے بڑی علمی و ادبی اکیڈمی کے امکان سے باہر ہے اور یہ اس کے اعجاز ہی کا نتیجہ ہے کہ گو عربی زبان ساری دنیا میں پھیل چکی ہے لیکن اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صحابی دوبارہ تشریف لائیں تو انہیں عربی زبان بولنے والوں کی باتیں سمجھنے اور مختلف قبیلوں سے باتیں کرنے میں کوئی دقت اور دشواری نہ پیش آئے گی، اس کے برخلاف اگر پندرہویں صدی کے فرانسیسی راہیلے کا کوئی معاصر آج کے فرانسیسی لوگوں کی بڑی تعداد سے مخاطب کرتے تو اسے بڑی دشواری پیش آئے گی، حالانکہ پندرہویں صدی قرآن کی صدی کے مقابلہ میں ہم سے زیادہ قریب ہے۔“

گو قرآن کی زبان کے اصول و ضوابط صدیوں پہلے مرتب و مدون

کئے جا چکے ہیں، مگر اس میں اتنی پُک اور وسعت ہے کہ موجودہ ایجادات اور نئی نئی اختراعات کی تعبیر سے نہ تو عربی زبان قاصر ہے اور نہ اس کی وجہ سے اس کی روانی اور سلاست میں کوئی فرق آسکتا ہے۔“ (اسلام اور عربی

ثقافت ص ۳۰۵)

**قرآن کے وحی الہی ہونے کی تاریخ بھی تائید کرتی ہے | جس طرح بعض مستشرقین**

کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا اور گذشتہ آسمانی کتابوں سے کوئی حوشہ چینی نہ کرنا ثابت ہے، اسی طرح وہ اسے بھی تسلیم کرتے ہیں اور تاریخ بھی اس پر شاہد ہے کہ قریش میں سے اکثر لوگ قرآن کی اثر انگیزی اور دلاویزی کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، انھیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے اس کے نبی پر اتاری گئی ہے، اس لئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے، گذشتہ طویل تاریخ اس کی بھی شہادت دیتی ہے کہ قرآن مجید کا نص نہایت صحیح ہے، اور ہر قسم کے مادی انقلابات اور گونا گوں فکری رجحانات کے رونما ہونے کے باوجود ہر قسم کے تغیر و تحریف سے محفوظ ہے، آج مسلمان جس قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، وہ بعینہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تھا، کیا یہ بات خود ایک معجزہ نہیں ہے کہ تاریخ کے گونا گوں واقعات و حوادث کے باوجود مسلمان قرآن کی تلاوت میں اس کے اسی طریقہ کو مشروع سمجھتے ہیں جس پر یہ آنحضرت پر وحی کے ذریعہ اتارا گیا تھا، یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے کہ موجودہ دنیا کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی کا اس پر ایمان ہے اور اس تعداد میں برابر اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

قرآن مجید کے اس اعجاز کی طرف بہت سے مستشرقین بھی مائل ہوئے اور انھوں نے اس کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی ہے، کاؤنٹ ہنری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عقل حیران ہے کہ اس طرح کی آیتیں بھلا ایک امی شخص کس طرح بیان کر سکتا ہے، سارے مشرق کو اسے افہام ہے کہ لفظ و معنی ایسی آیتیں پیش کرنے سے انسانی فکر قاصر ہے، یہی وجہ ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے قرآن کی جب آیتیں سنیں تو وہ مبہوت ہو گیا، قرآن کی عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور خدا پر ایمان لائے، اور جعفر بن ابی طالب نے جب نجاشی کے سامنے قرآن کی ایک سورہ کی تلاوت کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، کوزان ڈی بیرسو پھال نے اس طرح کی تمام روایتوں کو نقل کیا ہے۔ (یورپ اور اسلام ص ۴۲)

ڈاکٹر اور او یزیا قرآن کے الہامی اور امتداد زمانہ کے باوجود اب تک ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”ہمارے نزدیک قرآن کے وحی الہی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نازل کئے جانے کے بعد سے اب تک ہر قسم کی تحریف و تغیر سے محفوظ ہے، اور اللہ کے حکم سے وہ آئندہ بھی ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ (اسلام اور عربی ثقافت ص ۳۰۷)

**قرآن کے قوانین کی جامعیت** | قرآن مجید کا مکمل و جامع قانون و دستور ہونا بھی نبوت

محمدی کی تائید کا ایک ثبوت ہے، کیونکہ خواہ کوئی شخص حیرت انگیز قانونی ذہن و دماغ اور غیر معمولی قانونی مہارت ہی کیوں نہ رکھتا ہو، اس درجہ مکمل شریعت اور جامع قوانین پیش نہیں کر سکتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک امی تھے، آپ نے نہ تو شرائع و قوانین کی کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی انسانی حقوق و معاملات کی کسی کتاب سے آپ کو واقفیت تھی، ایسی صورت میں آپ کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک ایسا قرآن پیش کر دیں جو انسان کی، نبوی و اخروی زندگی کے لئے مکمل لائحہ عمل اور جامع دستور ہو۔

آپ کی بعثت سے پہلے دنیا میں متعدد آسمانی و انسانی قوانین رائج تھے، قانون حمورابی سے لے کر قانون روما تک موجود تھے، گذشتہ انبیاء کی شریعتیں بھی تھیں، جن میں حق، عدل، نظام حکومت، حقوق اور فرائض کے کلی و جزئی پہلوؤں کی وضاحت کی گئی تھی، اور ان کے علاوہ بہت سے قوانین و شرائع محو اور معدوم ہو جانے کے قریب ہو گئے تھے، ان کے مقابلہ میں اسلام کے نظام قضاء، دستور حکومت اور اس کی اقتصادی، مالیاتی اور فوجی تنظیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی قانون و شریعت کسی شخص کے ذہن و فکر کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر خدا کے سارے احکام موجود ہیں، جن کا الہام رسول اللہ پر ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت و صداقت کی یہ بھی دلیل ہے کہ آدمی کے احترام، عدل، مساوات، رواداری، مسلم و غیر مسلم کے تعلقات اور امن و جنگ کے زمانہ کے احکام کے متعلق اسلامی حکومت کے منظم ضوابط چودہ سو برس سے دنیا میں رائج چلے آ رہے ہیں، اور آئندہ بھی یہ جاری رہیں گے۔

135387

تمدنی اور تہذیبی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم، مکارم اخلاق، احترام عقل، اثبات حق اور عام انسانی معاملات کی جانب توجہ کرنے کی جو دعوت دی ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کے احکام اور تمدنی افکار آپ کو خدا کی جانب سے عطا کئے گئے تھے۔



دیانا نیورٹی کے لاکالج کے پرنسپل ڈاکٹر شیرل نے ۱۹۲۷ء میں قانون دانوں کی ایک کانفرنس میں کہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امی ہونے کے باوجود کئی صدی پیشتر دنیا کو ایک ایسا مکمل قانون اور جامع دستور عطا کیا تھا جس کی بلندی پر اگر ہم یورپ والے دو ہزار برس بعد پہنچ جائیں تو خوش قسمت ہوں گے۔ (اسلام اور عربی ثقافت ص ۳۹۶)

ایک ولندیزی مستشرق ڈاکٹر کرشان اسنوک ہر جرنج نے ہالینڈ کی حکومت کے کونسلر کی حیثیت سے سترہ برس مشرقی ہند میں گزارے، تقریباً ربع صدی تک اس نے اسلامی ملکوں کی سیاحت بھی کی، اس عرصہ میں اس کو اسلامی قوانین کے مطالعہ کا موقع بھی ملا، اس نے ان ملکوں کی دینی تحریکوں کا جائزہ بھی لیا، وہ رقمطراز ہے کہ "عیسائی مشنریوں کو امید ہے کہ تمام مذاہب ان کے اندر ضم ہو جائیں گے لیکن اسلام کے بارہ میں ان کا یہ خواب تھ مندو تعبیر نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ ایک طاقتور، متحرک اور فعال مذہب ہے اور اس کے احکام و قوانین انسان کی افرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق ہیں، ڈاکٹر شیلے شمیل کا کہنا ہے کہ قرآن نے جو اجتماعی اصول بیان کئے ہیں وہ عام اور ہمہ گیر ہیں، اور ان کے اندر نرمی اور لچک بھی ہے، اس لئے وہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے مناسب اور موزوں ہیں۔

قرآن مجید نے انسان کے لئے دنیا و آخرت دونوں کے دروازے وا کر دیے ہیں اور اس کے جسم و روح دونوں کو ترقی کے اسباب و وسائل مہیا کر دیے ہیں، جب کہ دوسرے مذاہب نے عمل و ترقی کے دروازے مسدود کر کے آدمی کو اس دنیا کے فانی سے بالکل دامن کش اور بیزار رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ (اسلام اور عربی ثقافت ص ۳۱۲)

**اسلام کی دوامی اور استمراری حیثیت اور اس کی مقبولیت** | صدیوں کا فاصلہ طے

کرنے کے بعد بھی اپنی اصلی حالت اور حقیقت پر اسلام کا باقی اور پائیدار رہنا دراصل اس کے ہر زمانہ کے لئے مناسب اور سازگار ہونے کی دلیل ہے، اس کی دعوت ماضی کی طرح حال و مستقبل میں بھی قائم اور پائیدار رہے گی، جس کو لوگ گرم جوشی سے قبول و اختیار کرتے ہیں اور اس کے آئین و احکام کی پابندی کرنے کے لئے پریشان رہتے ہیں، یہ اس کے کامل و مکمل دین ہونے کا ثبوت ہے، یہ یقین کے ساتھ لہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ کسی دعوت کو شوق، رغبت اور محبت کے ساتھ قبول کرے، والوں کی تعداد میں اس طرح روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہو اور وہ اس کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے میں کوئی دریغ

محسوس نہیں کرتے، مستشرق اٹین ڈینہ نے اس دلیل کو زیادہ موثر طریقہ پر بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے ”گذشتہ چند برسوں میں یورپ کے مختلف علاقوں کے بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، لندن اور لیورپول میں صحیح اسلامی مزاج رکھنے والی بعض جماعتوں کے اندر سرکردہ نو مسلم انگریز بھی شامل ہیں۔ (مشرق، مغرب کی نظر میں بحوالہ یورپ اور اسلام ص ۲۱۲) اس کا یہ بھی خیال ہے کہ جو عیسائی دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، خواہ وہ یورپ کے یا امریکہ کے ہوں، ان سب کا تعلق خواص کے طبقے سے ہے، ان کے اخلاص اور نیک نیتی میں کوئی شبہ نہیں، ان کے پیش نظر کوئی مادی غرض نہیں ہے، اس نے مثال میں ایک انگریز لارڈ ہیڈلی اور ایک مسیحی شرمسٹی کا نام بھی دیا ہے، عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اب ایسی کتابیں مرتب کی جا چکی ہیں، جن میں ہزاروں افراد اور جماعتوں کے حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کے ناموں کی فہرست درج ہے، اس فہرست میں مرد اور عورتوں دونوں کے نام ہیں۔

گسٹاپ لیبان کہتا ہے کہ قرآن کی حیثیت ایک دینی، سیاسی اور اجتماعی قانون کی ہے، اس کے احکام کا نفاذ دس صدیوں سے زیادہ سے ہو رہا ہے، گہن کہتا ہے کہ بحر اوقیانوس اور اٹلانٹک کے ساحلوں سے لے کر دریائے جانجس تک قرآن کو ایک اساسی دستور کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے، اس کے اندر صرف دین کے اصول ہی بیان نہیں کئے گئے ہیں، بلکہ جنایات اور شہری زندگی کے احکام اور وہ قوانین بھی بیان کئے گئے ہیں جن پر اسلامی طرز زندگی کا دارومدار ہے۔ (اسلام اور عربی ثقافت ص ۳۰۰)

جو لوگ اسلام کو جھوٹا اور غلط مذہب قرار دینے پر مصر ہیں ان پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کارلائل لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پیغام کی دعوت دی ہے، وہ کروڑوں انسانوں کے لئے چودہ سو برس سے آفتاب درخشاں کے مانند جگمگا رہا ہے، بھلا یہ کسی جھوٹے کا جھوٹ اور مکار کا فریب ہو سکتا ہے، اگر جھوٹ، فریب، گمراہی اور ضلالت کا اتنے بڑے پیمانے پر رواج ہو جائے تو زندگی بے سود، عبث اور معدوم ہو جائے۔

بعثت سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور امانت کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی کہ آپ امین کے لقب سے موسوم کئے جاتے تھے، مستشرقین نے آپ کے اس لقب پر اتنا زور دیا ہے کہ بعض لوگوں کو آپ کا نام ہی مشتبہ ہو گیا ہے، اور وہ آپ کے اصلی نام (محمد) کا سرے سے ذرا ہی نہیں کرتے۔

جھوٹ خواہ اپنے اوپر گھڑا جائے یا دوسروں کے خلاف افترا پردازی کی جائے، یہ دونوں ہی صورتیں ایک ایسی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں جو دنیا کو اپنی روشنی سے منور کرنا چاہتی ہے، اور کسی بھی داعی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی دعوت کی کامیابی کی خاطر اپنے لوگوں میں یا دوسروں کے سامنے مستقل اور مسلسل کذب و دروغ سے کام لے، کارا لائل کہتا ہے:

”کیا کوئی جھوٹا آدمی جو تعمیر کے مختلف قسم کے ساز و سامان اور ان

کی خصوصیات سے ناواقف ہو، اینٹوں کا کوئی مکان بنا سکتا ہے، اگر وہ

بنائے بھی تو یہ ملے جلے ساز و سامان کا ایک ڈھیر ہی تو ہوگا، ایسی صورت میں

تمہاری اس شخص کے متعلق کیا رائے ہوگی جس نے ایسی عمارت بنائی ہے

جس کے ستون گذری ہوئی متعدد صدیاں ہیں اور اس کے اندر لاکھوں

کروڑوں انسان رہ رہے ہیں، اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا، برباد کار،

نمائش پسند اور حیلہ ساز سمجھنا انتہائی غلط ہے، آپ نے کسی مقصد یا الالچ کی

خاطر کبھی غلط وسائل و ذرائع نہیں اختیار کئے، آپ نے جو پیغام دنیا کو

پہنچایا وہ سچا اور برحق تھا اور آپ کا کلمہ بھی ایک صدائے حق تھا جو نامعلوم

عالم سے ظاہر ہوا تھا، اس نے ساری دنیا کو روشن کر دیا تھا، یہ سب پتہ خدا

کے حکم اور فضل سے ہوا، اور اللہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔

دوسری جگہ کار لائل آپ کے اوصاف و خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ”رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رہن سہن، اکل و شرب، لباس اور پوشاک اور دوسرے تمام معمولات و

معاملات میں نہایت سادگی پسند تھے، آپ کی غذا عموماً پانی اور روٹی ہوتی، مہینوں گذر جاتے مگر آپ

کے گھر میں چولہا بھی نہیں جلتا تھا، کیا اس سے بڑھ کر بھی عزت و فخر کے لائق کوئی بات ہو سکتی ہے،

محمد قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ایسی سادہ زندگی بسر کی اور اللہ کے دین کی اشاعت میں کوئی

وقفہ فرو گذاشت نہ رکھا اور لوگ جن چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں یعنی عہدہ، منصب، حکومت

اور اقتدار، انھوں نے ان چیزوں کی کبھی طمع نہیں کی۔“

مستشرقین نے ان کے علاوہ بھی آپ کی نبوت کے دوسرے دلائل بیان کئے ہیں جو

احادیث سے ماخوذ و مستنبط ہیں، یا ان کا تعلق ان بشارتوں سے ہے جن کا ذکر گذشتہ آسمانی کتابوں

میں ہے، یا غیب کے بارہ میں آپ کی پیشین گوئیوں سے ہے۔

وحی الہی کی صورتیں اور قسمیں | دلائل نبوت اور اقسام وحی کے مسئلہ میں معتبر اور اعتدال پسند

مستشرقین ان اسلامی مصادر و مآخذ پر اعتماد کرتے ہیں جو کتب احادیث و سیر سے ثابت ہیں، اور گذشتہ نبیوں اور پیغمبروں کے حالات و سوانح کے سلسلہ میں ان کا دار و مدار تاریخ کے واقعات و حقائق پر ہوتا ہے مگر اسی کے ساتھ وہ اپنے نفسیات اور علم الاجتماع کے مطالعہ اور ذاتی رائے کو بھی شامل کر دیتے ہیں، پس جن مباحث میں ان کا اعتماد ثابت اور تسلیم شدہ اسلامی مآخذ پر ہوتا ہے وہ یقیناً قابل قبول ہیں، ان میں کسی بحث و کلام یا اختلاف و نزاع کی گنجائش نہیں، رہا نبوت کے بارہ میں ان کا تاریخی حقائق پر اعتماد تو اس سے بھی ان کے دلائل و شواہد کو تقویت حاصل ہوتی ہے، مگر جب وہ ان کے اندر اپنے ذاتی اجتہاد و تاثر اور جائزہ و مطالعہ کو بھی شامل کر دیتے ہیں تو اس وقت قیل و قال، رد و کد اور بحث و نزاع کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، اسی بنا پر نبوت اور وحی کی قسموں کے بارہ میں مستشرقین کے کئی موقف ہو گئے ہیں۔

محمد رسول اللہ | مستشرقین کی کتابوں میں رسول کی نبوت اور وحی کی مختلف قسموں جیسے رویاے

صادقہ اور حضرت جبریل کی لائی ہوئی وحی پر بحث و گفتگو کی گئی ہے، ایٹن ڈینیہ نے رسول اللہ کی خلوت اور تنہائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آپ کے قلب کو مصفی و مجلی بنا دیتی تھی اور دنیا کے مشاغل سے اسے پاک و صاف کر دیتی تھی۔ رویاے صادقہ کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور روشن خواب دیکھتے تھے اور آپ کو ایسی نداشتی دیتی تھی جس کے متعلق آپ کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ کہاں سے آرہی ہے۔ وحی کے بارہ میں وہ بیان کرتا ہے کہ جب خدائے رحمان کی رافت و رحمت اپنے بندوں پر نازل فرماتی ہے تو وہ ان کے پاس اپنے رسول کے واسطے سے وحی بھیجتا ہے۔ ایک یادگار رات یعنی شب قدر میں پورا قرآن لوح محفوظ سے دنیوی آسمان پر نازل کیا گیا۔ اسی مبارک شب میں قرآن کی پہلی آیتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئیں۔ حضرت جبریل کو حضرت محمد نے دیکھا، یہ وہی فرشتے ہیں جو خدا کے نبی حضرت دانیال اور حضرت مریم کے پاس بھی آئے تھے۔ حضرت جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف شکل و صورت میں تشریف لاتے تھے۔

پھر وہ صحیح حدیثوں کی روشنی میں حضرت جبریل کی ان سب مختلف صورتوں کا ذکر

کرتا ہے۔

قرآن مجید حضرت محمد کی تصنیف نہیں ہے | قرآن مجید کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

تصنیف نہ ہونا ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے، لیکن اس کے برعکس مفسد مستشرقین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ قرآن کا اختراع ہے، یا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی جولانی نطع اور باطنی عقل و بصیرت کے فیضان کا ایک مظہر ہے، اور وہ خدا کی وحی والہام نہیں ہے۔

ایشن ڈینیہ لکھتا ہے کہ میرے لئے یہ سخت تشویش اور پریشانی کی بات ہے کہ بعض مستشرقین یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ نے غار حرا کی تنہائی اور فرصت میں اپنے مستقبل کا اچھے عمل مرتب کیا اور اسی میں آپ قرآن کی تصنیف و تالیف کا خیال ہوا، کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا؟ تو پھر کوئی اور کتاب اس سے پہلے کہاں ایسی مرتب ہوئی، خود اس کی ہر سورہ دوسری سورہ سے الگ ہے اور اس کی سورتیں آپ کو نبوت ملنے کے بعد کسی خاص واقعہ کے سلسلہ میں برس سے زیادہ طویل مدت میں نازل ہوئی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان واقعات کا پہلے سے متوقع رہنا اور ان کا مشاہدہ کر لینا کیسے ممکن تھا۔ درحقیقت قرآن مجید ایک اعجاز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بخشا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء کو وقتی معجزات عطا کئے گئے تھے اور وہ بہت جلد فراموش بھی کر دئے گئے، مگر قرآنی آیات کا معجزہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اس کی اثر آفرینی دائمی ہے، اور یہ ہمیشہ موثر رہے گا، بندہ مومن کے لئے کسی بھی جگہ اور کسی بھی زمانہ میں محض قرآن کی تلاوت کر کے اس معجزہ کا مشاہدہ کر لینا آسان ہے، قرآن ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں، یہ اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں کہ اس کی واضح اور روشن آیتوں کو اللہ نے املا، کرایا۔

(محمد رسول اللہ، مصنفہ ائین ڈینیہ حصہ اول، ص ۱۰۶)

دل ڈیورنٹ سیرت و حدیث کی کتابوں پر اعتماد و انحصار کرنے کے باوجود ضعیف اور موضوع حدیثیں بھی نقل کر دیتا ہے، نیز بعض دوراز کار اور جہالت پر مبنی چیزیں تحریر کرنے میں بھی اسے تکلف نہیں ہوتا، جو قاری کو شک و خلعان میں مبتلا کر دیتی ہیں، وہ لکھتا ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چالیس برس کے قریب

ہوئی تو آپ کا دینی امور میں انہماک بہت بڑھ گیا، جب رمضان کا مہینہ آتا جو اشہر حرم<sup>(۱)</sup> میں ہے تو آپ تنہا اور کبھی پورے خاندان کے ساتھ حرا پہاڑ پر

(۱) یہ غلط ہے، اشہر حرم مندرجہ ذیل میں:

ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب، رمضان ان میں شامل نہیں، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپ ہر سال ایک مہینہ غار حرا میں مقیم رہتے۔ ابن ہشام نے رمضان کے مہینہ کی صراحت نہیں کی ہے۔

تشریف لے جاتے۔ یہ مکہ سے نین میل کے فاصلہ پر تھا، یہاں پہنچ کر شب و روز قیام فرماتے اور روزہ، نماز اور غور و فکر میں وقت گزارتے، اسی اثناء میں جب کہ آپ نماز میں تنہا مختلف تہجدیں کی ۶۱۰ کو شب میں وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا جو پوری اسلامی تاریخ کا محور بنا۔“

پھر دل ڈیورنٹ نے نزول وحی کی ابتداء کے بارہ میں ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے

اور اس کے بعد کی چیزیں نیرت ابن ہشام کے حوالہ سے تحریر کی ہیں۔ (قصۃ الصحارۃ ج ۲ ص ۲۴)

نبوت اور وحی کے مسئلہ میں مستشرقین کے مختلف پہلو

مستشرقین کی بحث و تحقیق کا نتیجہ جدا جدا ہے، کبھی ان کا انداز خالص روایتی ہوتا ہے، کبھی وہ اپنی بحث کو دقیق و نامنس بنا دیتے ہیں اور کبھی صرف ذاتی احساسات و تاثرات کا اظہار کرتے ہیں، بعض مستشرقین وحی کی سرف ایک ہی صورت پر بحث کرتے ہیں، مثلاً رویائے صادقہ کو مانتے ہیں، مگر حضرت جبریل کے وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کو مستبعد قرار دیتے ہیں۔

(الف) بیڈلی کا بیان ہے کہ عمر زیادہ ہونے کے بعد غور و فکر کی وجہ سے آپ کے اندر عصبیت کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، نیز کھانے پینے، چلنے پھرنے اور آزاد زندگی ترک کرنے اور روزے اور شب بیداری کے نتیجہ میں آپ کی صحت متاثر ہو گئی تھی، اس لئے نیم خوابی میں آپ کو عجیب و غریب خواب دکھائی دیتے تھے، جو عنودگی اور غفلت کی کیفیت زائل ہونے کے بعد آپ کو اچھی طرح یاد آجاتے تھے۔“ یہ بیان کرنے کے بعد وہ آپ کے پیغام کو اس طرح برحق ثابت کرتا ہے ”کسی یہودی، عیسائی اور بودھ نے اپنی نگاہ کے سامنے اپنے دین کو اس قدر معجزانہ سرعت کے ساتھ نشوونما پاتے نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کسی دوسرے دینی رہنما کو اپنی زندگی ہی میں اپنی دعوت کی کامیابی کو اس طرح دیکھنا نصیب ہوا ہوگا جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، بیڈلی یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول اور اسلام اس کا آخری دین ہے، آپ کا اصلی امتیاز وحی ہے، آپ جو کچھ کرتے تھے اس کی ہدایت آپ کو خدا کی طرف سے ہوتی تھی، آپ نہ فرشتہ تھے اور نہ آپ کی حیثیت عیسائیوں کے قدیس (سینٹ) کی طرح تھی، آپ کی زندگی طرز رہائش کے اعتبار سے دوسرے لوگوں سے ممتاز اور مختلف نہیں نظر آئے گی، آپ کے نام کا سکہ نہیں چمکتا تھا اور نہ آپ کے پاس دولت و ثروت کی فراوانی تھی۔

(ب) فلپ ہٹی کے نزدیک وحی خواب اور فکر کا نام ہے، مگر آخر میں وہ اسے حضرت

جبرئیل کی آواز بتاتا ہے، چنانچہ لکھتا ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پے درپے ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے جن کی وجہ سے فکر و تامل آپ کی عادت ثانیہ بن گئی تھی، اسی غرض سے آپ ایک غار میں تشریف لے جاتے تھے جو مکہ کے شمال میں دو فرسنگ کے فاصلہ پر حرا پہاڑ کی بلندی پر تھا، یہاں آپ غور و فکر میں منہمک رہتے اور وحی والہام کے بھی منتظر رہتے تھے، چنانچہ اسی غار میں ایک روز آپ نے سونے کی حالت میں یہ آواز سنی۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي  
خَلَقَ (علق : ۱)

پڑھا اپنے اس رب کے نام سے جس نے  
پیدا کیا۔

یہاں تک کہ جب مدنی سورتیں نازل ہونا شروع ہوئیں تب بھی یہی آواز آپ کو سنائی دیتی تھی۔ اس کو مسلسل سننے کی وجہ سے آپ سمجھ جاتے تھے کہ یہ حضرت جبرئیل کی آواز ہے۔“ (تاریخ العرب ج ۱ ص ۱۵۷)

بہی کی کتاب کی ایک فصل کا عنوان ہے ”قرآن خدا کی کتاب ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے: ”قرآن کا مطالعہ کرنے والے جدید علوم کے مبصرین اس کے موجودہ متداول نسخے کے صحیح ہونے پر متفق ہیں، آج کے سارے قرآنی نسخے تقریباً حضرت زبیر کی اصل کے مطابق ہیں، نیز قرآن اپنی موجودہ شکل و صورت میں بعینہ وہی ہے جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوا تھا، مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید خدا کا وہ کلام ہے جس کو حضرت جبرئیل نے حضرت محمدؐ کے سامنے پڑھا، اور یہ کلام اوج محفوظ میں تھا جو ساتویں آسمان پر ہے۔“

وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت نبوت کے کمالات کی طرح قانون سازی کے اوصاف کی جامع تھی، آپ میں امانت و دیانت کی خوبیاں بھی تھیں، اور آپ قضا اور قوت فیصلہ کے مالک بھی تھے، آپ فوجوں کے سپہ سالار اور ریاست و حکومت کے سربراہ بھی تھے۔“ (ج) ایک مستشرق ڈر منگھم نے وحی کا ذکر بالکل افسانوی انداز میں کیا ہے، اس نے اپنی کتاب ”حیات محمدؐ“ میں بہت سی گمراہ کن اور باطل چیزیں جمع کی ہیں اور روایتوں کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ بھی کیا ہے، اس طرح خود اس کی کتاب میں افسانوی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔

ڈر منگھم نے وحی اور نبوت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس میں گویا بعض باتیں صحیح ہیں، مگر اکثر غلط اور بے بنیاد ہیں، اس نے صحیح اسلامی مآخذ و مصادر اور مستند تاریخی حقائق و واقعات پر انحصار و اعتبار کرنے کے بجائے اپنے ذاتی اجتہاد و تاثر پر زیادہ بھروسہ کیا ہے، نیز اس نے صحیح اور غلط حدیثوں کو ایک دوسرے میں خلط ملط کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

# ہجرت کے بارے میں مستشرقین کا موقف

تلیخیص و تبصرہ

مولانا عبدالرحمن پرواز اسلامی مرحوم سابق رفیق دارالمصنفین

مستشرقین کا مطالعہ بڑا وسیع ہے، وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اپنا موضوع بحث بناتے ہیں تو تاریخی واقعات کے سلسلے میں جدید ادبی انداز سے تنقید بھی کرتے ہیں اور اپنا خاص نقطہ نظر پیش کرنے سے باز نہیں آتے۔

مستشرقین میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے پوری سیرت نبویؐ پر قلم اٹھایا ہے اور حیات نبویؐ کے تمام پہلو پر ولادت سے لے کر وفات تک بلکہ اس کے بعد کے واقعات بھی بیان کئے ہیں، انہیں میں سے ہجرت نبویؐ کا مہتمم بالشان واقعہ بھی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اہم پہلو ہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کا بھی ایک اہم حصہ ہے، یہ دعوت اسلامی کا ایک بنیادی مرحلہ بھی ہے اور ایسی تاریخی یادگار بھی جس نے نہ صرف جزیرہ عرب پر اپنا خاص اثر چھوڑا بلکہ اس کے دور رس اثرات تہذیب انسانی پر بھی پڑے۔

بڑی بات یہ ہے کہ مستشرقین اپنے بعض جزئی اختلافات کے باوجود واقعہ ہجرت کے وقوع پر اتفاق رکھتے ہیں، اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پوری دنیا میں اپنے ہمہ گیر اثرات کی بنا پر یہ تاریخ انسانی کا ایک اہم واقعہ ہے۔

کچھ مستشرقین ایسے بھی ہیں جنہیں ہجرت کے بعض واقعات بیان کرنے میں سخت لغزش ہوئی ہے، حالانکہ وہ واقعات پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں، لیکن انہیں اس پر بڑا تعجب ہے، ان کے خیال میں یہ ایسے انوکھے واقعات ہیں جو ہجرتوں کی تاریخ بھی کبھی رونما نہیں ہوئے، اپنے اسی خیال کی بنا پر انہوں نے غیر حقیقت پسندانہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کی کتابوں میں بے بنیاد باتیں داخل ہو گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔



(۱) صحابہ کی ہجرت کے بعد مکہ میں کچھ روز رسول اکرم کا قیام۔ چنانچہ انہیں ڈین اپنی کتاب ”حیات محمد“ میں کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کے چلے جانے کے بعد اپنے ساتھی ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے رہے، حالانکہ وہ اس وقت جن خطرات میں گھرے ہوئے تھے، ان سے لاعلم تو نہیں تھے، باوجودیکہ ابو بکرؓ نے نہایت عاجزانہ درخواست بھی کی، لیکن اس صورت میں بھی آپ نے چاہا کہ اپنے ہم وطنوں کو دائرۃ اسلام میں لانے کی آخری تدبیر کر لیں، پھر یہ بھی کہ ہجرت کے وقت نہ ان پر پریشانی تھی اور نہ خوف و ہراس کا عالم۔

(۲) رسول اکرم کے اپنے گھر سے نکلنے کے متعلق روایات کا اختلاف۔ ایک روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم اپنے گھر سے نکلے تو اپنے مختص چچا کے لڑکے علیؓ کو ایک چادر اڑھا کر اپنے بستر پر چھوڑ دیا، یہ روایت بہت مشہور ہے جس سے آپ کے معجزہ کا بھی اظہار ہوتا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے آہستہ سے اپنے گھر کا دروازہ کھولا، قریش مکہ اس وقت آپ کی تاک میں مسلح کھڑے ہوئے تھے، آپ نے ایک مٹھی خاک لی اور ان کے سروں پر پھینک دی، اور وہاں سے اس طرح نکل گئے کہ وہ آپ کو بالکل نہ دیکھ سکے، اس کا ذکر قرآن کی ۳۶ ویں سورت میں بھی آیا ہے، فَاغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (البین) تو ہم نے ان کو اوپر ڈھانک دیا اور وہ دیکھ نہ سکے۔

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت محمدؐ نے دیوار کے اوپر چھلانگ لگائی اور ان کے ایک خادم نے دیوار سے اترنے میں مدد کی، اس نے آپ کے لئے اپنی پیٹھ جھکا کر بیڑھی بنا دی اور پھر آپ اس کے ذریعہ اتر گئے اور اس طرح اپنے مکان سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے، حالانکہ یہ روایت سراسر جھوٹی ہے اور عربی مصادر میں کہیں بھی نہیں پائی جاتی۔

(۳) سراقہ ہجرت سے نہ روک سکا۔ ہجرت کے سلسلے میں مستشرقین میں چاہے ڈین ہو یا ہٹی یا ازونگ سب اس بات پر متفق ہیں کہ سراقہ ہجرت کے اقدام کو نہ روک سکا، البتہ ازونگ کہتا ہے کہ رسول اکرم اور حضرت ابو بکرؓ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ سواروں کا ایک دست آگیا اور سراقہ ان کی قیادت کر رہا تھا، (حالانکہ سراقہ تنہا تھا) پھر مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے اور آپ کو اور ابو بکرؓ کو قبا تک لے گئے۔

ڈین کا خیال ہے کہ پہلی روایت میں جو بات سراقہ کے قول سے تعلق رکھتی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے، سراقہ نے کہا کہ میں تھوڑی دیر ٹھہرا، پھر اپنے گھر گیا اور اپنی اونٹنی سے کہا کہ چپکے سے

میرے گھوڑے وادی میں لے چلے، میں نے ایک غلام کو جو سیاہ فام، طاقتور اور بہادر تھا، حکم دیا کہ میرے لئے ایک نچر لائے اور وہاں تک پہنچادے، اور پہنچنے کے بعد میرا انتظار کرے، پھر میں دروازے کے پیچھے سے جھک کر آہستہ نکلا، میں نے اپنے نیزے کی انی بھی زمین میں گاڑ دی تاکہ اس کی چمک کسی کو دکھائی نہ دے، اور یہ سب میں نے اس لئے کیا کہ اس کام میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو سکے اور اس کا سہرا میرے سر رہے۔

(۱۳) غار کے متعلق دین کا بیان - ڈین نے بیان کیا ہے کہ پہلے حضرت ابو بکرؓ تن تنبا غار میں گئے تاکہ اس کے اندر جا کر دیکھ لیں کہ کوئی موذی جانور وغیرہ تو نہیں ہے، پھر انھوں نے غار سے پتھر کے ٹکڑوں کو جمع کیا اور اپنے کپڑے میں رکھا اور دور لے جا کر پھینک آئے، اور ان سوراخوں کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا، جس میں اندیشہ تھا کہ سانپ وغیرہ زہریلے جانور ہوں گے، اپنے کپڑے پھاڑے اور تمام سوراخوں کو چھٹڑے سے بند کر دیا، غار میں راحت کے لئے تمام سامان کر چلے تو رسول اکرمؐ اس میں داخل ہوئے کچھ دیر کے بعد رسول اکرمؐ کو گہری نیند آگئی، آپ اپنا سر حضرت ابو بکرؓ کی ران پر رکھ کر سو رہے تھے، اتنے میں ابو بکرؓ کی حالت دگرگوں ہونے لگی کسی موذی زہریلے جانور کا زہران کے خون میں سرایت کر چکا تھا، رسول اکرمؐ نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اور تھوڑی دیر سے سہلایا، فوراً ہی تکلیف اور سوجن دور ہو گئی۔

غار میں جب تک رہے ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ جو ان کی بکریاں چرایا کرتا تھا، شام کو آپ کے پاس دودھ اور گوشت لے کر آتا، پھر صبح کو بکروں کے ریوڑوں میں چلا جاتا، چلتے وقت وہ نشانات قدم بھی مٹاتا جاتا۔

(۱۴) رسول اکرمؐ کا مدینہ میں فتح مندانہ داخلہ - مستشرقین میں سے تین اس بات پر متفق ہیں کہ انصار نے رسول اکرمؐ کا بڑا پر جوش خیر مقدم کیا، مہاجرین اور انصار آپ کے پاس اکٹھا ہو گئے، اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ آپ ان کے کامیاب قائد ہیں، چنانچہ ہنسی کہتا ہے کہ ہجرت رسول اکرمؐ کی زندگی میں ایک نئے دور کا دیباچہ تھی اسی سے نئی دور کا خاتمہ اور مدنی دور کا آغاز ہوتا ہے، کہاں یہ حال تھا کہ آپ اپنے شہر میں ایک کمزور اور ناقابل التفات شخصیت تھے اور اب یہ حال ہے کہ یثرب کی سر زمین میں ایک نہایت باعزت رہنما کی حیثیت آپ کو حاصل ہو گئی، اسی جگہ سے آپ کی توجہ ایک سیاسی نظام قائم کرنے کی طرف ہوئی، اور آپ نے سیاسی امور کی طرف توجہ دینا شروع کیا، اس کے علاوہ دین ہمیں اور زیادہ تفصیلات بھی فراہم کرتا ہے، اس نے



لیکن یہ حیرت اس وقت بالکل ختم ہو جاتی ہے جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک رسول اللہ کی زندگی کا یہ کوئی اہم واقعہ نہیں ہے، اور نہ اسلام کی اشاعت پر اس کا کوئی زبردست اثر پڑا، اس کے خیال میں حضرت محمد مکہ میں بھی رہتے تو بھی دشمنوں کے مقابلے میں آخر کار انھیں کامیابی حاصل ہو جاتی، اسلام آپ کے ساتھ باقی رہتا اور نہ آپ کے ہم وطن آپ کو تکلیف پہنچا سکتے تھے اور اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیل سکتی تھی۔

(ب) ہجرت دعوت اسلامی کا ایک اہم مرحلہ۔ لیکن "ارونگ" دعوت اسلامی کے سلسلے میں ہجرت کی اہمیت کا قائل ہے، وہ مسلمانوں کی دلیری اور ان کی عزت و تکریم کے تذکرہ میں کہتا ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام مرکز توجہ بن گیا، مدینہ میں جب حضرت محمد آئے اور وہاں کے لوگوں نے مدد کی تو وہ آپ کی جانب سے "انصار" کے لقب سے سرفراز ہوئے، دوسری جگہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہجرت ہی کا واقعہ ہے جو تاریخ عربی کا سر آغاز بنا، مسلمان اسی بنا پر اس کا احترام کرتے ہیں اور یہ واقعہ ۶۲۲ عیسوی میں ہوا۔

(ج) ہجرت کی شرعی اور تنظیمی یادگاریں۔ یہی ایک ایسا شخص ہے جس نے ہجرت کے بعض دوسرے گوشوں سے بحث کی ہے، اس کے قول کے مطابق ہجرت کے بعد قانون شریعت کا اجرا ہوا اور مسلمانوں کی حکومتی تنظیم عمل میں آئی، داخلی اور خارجی معاملات طے پائے اور عالمی طور پر تعلقات کی وسعت ہوئی، اسی مدنی دور میں مسلمانوں کی تنظیم ایک عربی قومیت کی شکل میں پایہ تکمیل کو پہنچی، رسول اللہ نے یہودیت اور نصرانیت سے تعلقات ختم کر کے از سر نو تعلقات پیدا کئے آپ نے جمعہ کی نماز قائم کی، زنگھا اور گھنٹے کے بجائے اذان کا طریقہ جاری کیا، رمضان کے مہینے میں روزے مقرر کئے، قبلہ بیت المقدس سے مکہ کی طرف بدلا گیا، خانہ کعبہ کا حج، حجر اسود کا بوسہ ضروری قرار دیا گیا، مدینہ کی اسی دینی سوسائٹی سے بعد میں اسلامی حکومت کی نشوونما ہوئی، دین کی اجتماعی اساس قائم ہوئی، مہاجرین و انصار میں بھائی چارگی ہوئی، جزیرۃ العرب کی تاریخ میں یہ پہلی تبدیلی تھی کہ عربوں کی تنظیم ایک ایسے انداز سے ہوئی، جس سے وہ کبھی آشنا نہ تھے، ماضی کی طرح اس کی بنیاد بجائے خون و نسل کے خالص دین پر رکھی گئی، رشتہ تو حید میں آکر وہ ایک زبردست سیاسی تنظیم بن گئے۔

اس نئے دینی ماحول میں نہ تو کانہوں کی کوئی اہمیت رہ گئی اور نہ مذہبی پیشواؤں کی، جیسا کہ عیسائیت میں پاپاؤں کو حاصل ہے۔

(د) عربیت سے عالِمیت کی طرف

(۱) فرانسیسی مستشرق ”ڈیسن“ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ محمد کے بارے میں جاننے کی چیز یہ ہے کہ اسلام جو ایک کمزور مذہب تھا ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں اسے زبردست سہارا مل گیا اس کی حمایت میں چمکدار تلواریں بھی تھیں اور دھڑکتے ہوئے دل بھی، ان میں یہ بلند حوصلہ پیدا ہوا کہ اسلام کی آواز جزیرہ عرب سے لے کر دنیا کے دور دراز حصوں تک پہنچادیں، پہلے لوگ مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، مگر اسلام نے انہیں اپنے رشتہ انوثت میں جوڑ دیا، ان کے اندر عدل و انصاف قائم کیا جس کی مثال کبھی جزیرہ عرب کے اندر دیکھنے میں نہ آئی۔

اسلام کی بدولت جزیرہ عرب طاقتور بن کر ابھرا اور عربوں کی شان بڑھ گئی، یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں جزیرہ عرب کا بڑا حصہ اس کا پیرو بن گیا، پھر تو اس کرۂ ارض کے بادشاہوں تک اپنی دعوت پہنچائی، یہ صرف اس لئے کہ یہ دین صرف عربوں کا دین نہیں ہے بلکہ تمام انسانیت کا دین ہے اور پوری دنیا کے لئے آیا ہے۔

(۲) انگریز مستشرق ٹامس کارلائل نے اپنی کتاب ناموران عالم میں بتلایا ہے کہ ہجرت کی ایک صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ اسلام سارے عالم میں پھیل گیا، اس واقعہ کے بعد حال یہ تھا کہ عرب کا ایک شخص ہندوستان میں ہے تو دوسرا اندلس میں، اسلامی حکومت کے محاسن اور حق و صداقت کی روشنی نصف کرۂ ارض تک پہنچ گئی اور پھر ان میں ایک ایسا ایمان پیدا ہوا جو قوت و حیات کی صورت میں نمایاں ہوا۔

(۳) فرانسیسی مستشرق ”ڈرمنگھم“ اپنی کتاب حیات محمد میں ہجرت سے آگے بیعت عقبہ ثانیہ سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہے، بیعت عقبہ ثانیہ ہی کے وقت یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ بیعت کرنے والے لوگ دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب لائیں گے، دقت کبھی سازگار ہوتا ہے اور کبھی ناسازگار، لیکن اصحاب عقبہ کا شاید اس کا اندازہ نہ تھا کہ ان کا یہ سفر تاریخ عالم کے رخ کو بدل دے گا تقریباً یہی بات ”آر، اف، بودلی“ نے اپنی کتاب ”حیات محمد“ میں کہی ہے، اس وقت دنیا نے اس مذہب و قابل التفات نہ سمجھا، لیکن مدینہ کی سرزمین میں پہنچتے ہی اس میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے، اور پھر لوگوں نے سمجھا کہ ہجرت کے اندر کیا حقیقت پوشیدہ تھی یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم کی وفات کے بعد جب حضرت عمر کی خلافت کا دور آیا تو آپ نے اس دن کو تاریخ اسلامی کی ابتدا قرار دیا، اور اسی وقت سے دنیا کے تمام مسلمان اپنی تاریخیں ہجری کے حساب سے لکھنے لگے۔

(۴) امریکی مستشرق ”فیلپ ہٹی“ بھی اپنی کتاب ”تاریخ عرب“ میں ہجرت کی عالمی

تشریح پر بحث کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہجرت کوئی ناگہانی واقعہ نہ تھا، بلکہ دو سال کی ایک سوچی سمجھی تنظیم تھی۔ یہ نئے دور کا دریا چٹائی، مدینہ کی سرزمین سے نکل کر اسلام کی تعلیمات پہلے جزیرہ عرب کے اطراف تک پہنچیں، پھر مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے بڑے بڑے حصوں تک پھیل گئیں اور اب سے انعمیات یہ ہے کہ ایک حکومت کی بنیاد پڑی اور ان کے حدود و حدود سے مراد میں دور دراز تک پہنچ سکتے، اس زمانے میں ہر مذہب کے تمام متمدن ملکوں میں اس سے اچھی کوئی حکومت نہ تھی۔

(۲) مستشرقین نے معجزات، کما ہذا، کوئی شخص مستشرقین کے ایجاب اور معتدل موقف کا تصور مطالعہ کرتے تو اس کے سامنے ہمت سے پہلو آئیں گے، کبھی ان میں وہی مقصد چھپا ہوا ملے گا اور کبھی واضح طور سے ٹھوس ہوگا کہ وہ علمی اور تاریخی حقائق بیان کریں یا اپنے تاثرات کا اظہار، انہیں ہر عقیدے کے مانگنے والے ہیں، یہ شخص لوگ ہر مری نکاد سے انہیں پڑتے ہیں تو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، کبھی انہیں ہمت سے پہلو آئیں گے کہ ان میں اختیار اور حیرت کے جذبات ملے جلتے ہوتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کام لیں اور معتدل ان کی روش اختیار کریں، وہ جب سمجھتے ہیں تو حق اور ناحق دونوں کو شامل کر دیتے ہیں، انہیں لئے تحقیقی نظر سے مطالعہ کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھیں، ان کی یہ روایت محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اسلام کی تمام مشہور شخصیتوں کے متعلق ان کا یہی رویہ ہے، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مستشرقین ان کی حقائق پر ت رت کے وجود رسول اکرم کے اوصاف کا ذکر کرتے ہیں، تو ان کا انداز عام تاریخ نویسی سے الگ ہوتا ہے، ان میں ان کے فہم و عقیدہ اور اپنے ماحول کے اثرات بھی کارفرما ہوتے ہیں، وہ تاریخی واقعات کے ذکر میں تو عام پہلو اختیار کرتے ہیں، لیکن رسول اللہ کی سیرت جب بیان کرنے ہیں تو ان کا انداز بدل جاتا ہے، اگرچہ عام طور سے ان کا دعویٰ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے اگالوں کو بیوقوف کی سے اور نہایت انصاف اور غیر جانبداری سے کام لیا ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حالات کے بیان کرنے میں ان کے اصلی مصادر سے رجوع کیا ہے، معنویت اور شہرت کے انداز سے ان کے ہر پہلو کی وضاحت کی ہے، ایمان داری اور غیر جانبداری سے اظہار دیا گیا ہے۔

بلاشبہ انہوں نے "تاریخی حقائق کے اظہار میں ایسی ہی روش اختیار کی ہے، چنانچہ ان کے کتب کے شاہدوں اور کتبوں کے وسیع اور کشادہ مکانات کے سلسلے جو کچھ لکھا ہے وہ مغربی

مصنفوں سے بالکل ہٹ کر لکھا ہے، انھوں نے مغرب کے بااقتدار لوگوں کی چھ پر واہ نہیں کی ہے۔ اس قسم کی مثالیں زیادہ تر رنیاں، ٹالسٹائی، ہیڈلے اور لوروریشیا وغیرہ کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

(۲) سیرت نبوی کے لئے مخصوص اصول اور قاعدے ہیں، سیرت نبوی کے موضوع پر لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سب سے قدیم ماخذ قرآن، حدیث اور تاریخ کو پیش نظر رکھا جائے، واقعات کے سلسلے میں جہاں شک اور خلجان ہو تو روایتوں کے جانچنے کے لئے معیار ہیں۔ لغت سے واقفیت اور فکر سلیم بھی درکار ہے، یہ ضرور ہے کہ شخصیت کے بارے میں سب کے تاثرات یکساں نہیں ہوتے، مگر جب رسول کی سیرت پر بحث ہو تو ان عوامل اور اسباب کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہئے، جن کی بنا پر معاشرہ کی اصلاح، نیک اور مفید کام انجام پانے اور جب تک اسے عرصہ یکجا پائے گئے تو آپ کو اسلام کی امانت دے کر تمام لوگوں کے پاس بھیجا گیا۔

رسول کی شخصیت کے متعلق مستشرقین کے طریقہ تحقیق اور اسلوب سے مسلمانوں میں عقائد درست، مادی اور تخیل و فہم و خاص طور سے تاثر دینے میں اور ان کے اثرات کو سمجھنے اور اس کا اثر پڑا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جن اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے اس سے پہلے مسلمانوں نے اپنی ان کتابوں میں کام لیا ہے جو فن تراجم و رجال سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۳) شاہ طرازہ انداز تحسین، مستشرقین رسول اللہ کی سیرت کے متعلق جو کچھ لکھتے ہیں، اس میں کچھ پہلو مخفی بھی رکھتے ہیں، ان کے سوچنے کا انداز ہر زمانہ میں یکساں رہا ہے، دور وسطیٰ میں ہی اور دور جدید میں بھی، انھوں نے رسول اللہ کی بشریت پر بھی اظہار رائے کیا ہے، اور آپ کی عبقریت کو بھی مانا ہے، لیکن جب نبوت اور رسالت کی بات آتی ہے تو صاف بچ کر نکل جاتے ہیں اگر اس کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو اس میں گروہی عصبیت موجود ہوتی ہے، وہ ہمیشہ نبوت کے اسرار پر کنایہ اور اشارہ میں گفتگو کرتے ہیں، وہ زیادہ تر رسول اللہ کی شخصیت کو عرب کے ایک ممتاز قبیلہ کی صورت میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ کی بدولت عرب انسانیت کے مختلف سیرالوں میں آگے بڑھے، ترقی یافتہ تہذیب کی قیادت ان کے ہاتھوں میں آئی، آپ سے اللہ نے ان کو ایسا عطا فرمایا جو ان کو اوصاف کا اثر آپ کے ماننے والوں پر بھی پڑا اور وہ بھی اعلیٰ اوصاف کے مالک بن گئے۔

ایک طرف یہ سیرت رسول کا یہ انداز ہے، لیکن دوسری طرف جب وہ دوسرے اسلامی موضوعات پر لکھتے ہیں تو ان کا موقف بدل جاتا ہے، حالانکہ جہاں آپ کی شخصیت دوسروں سے بالاتر ہے وہاں آپ کی تعلیمات بھی سب پر فوقیت رکھتی ہیں۔

(۴) انسانی اور تمدنی ترقی کا اقرار، مستشرقین نے ایجابی موقف بھی اختیار کیا ہے، فکری اور مادی ترقیوں کا جائزہ لیا ہے، اس کے لئے کافی جدوجہد کی ہے، اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ مواد کی فراہمی میں صرف کیا ہے، وہ جہاں رسول اللہ کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہیں وہاں اسلامی فتوحات پر بھی عقلی اور عسکری نقطہ نظر سے روشنی ڈالتے ہیں، اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فتوحات دنیا کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوئیں، بعض نے معرکہ بواتیہ کا جو ۳۲ء میں ہوا اس کے ذکر میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اندلس کے عربوں کو شکست اٹھانی پڑی اور اس کے بعد یورپ کی تہذیب صدیوں پیچھے چلی گئی۔

اسی طرح جب رسول اللہ کو ایک اجتماعی مصلح کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو آپ کی غیر معمولی شخصیت اور انقلاب آفریں پہلو کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آپ کی بدولت دنیا میں زندگی نے نئی کروٹ لی، آپ نے پرانی دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا، آپ نے عدل و رحمت اور قانون اور اخلاق کی بنیادیں استوار کیں۔

”ایبری“ عرب کے متعلق کہتا ہے کہ اگر عربوں کا نام تاریخ سے حذف کر دو تو یورپ کا دور جدید صدیوں پیچھے چلا جائے گا، علم کے تمام میدانوں میں عربوں کی بدولت روشنی آئی، بحث و تحقیق کے منصفانہ اصول قائم ہوئے اور ان کے علماء نے کوئی ایسا دروازہ نہیں چھوڑا جسے انھوں نے کٹا ہٹایا نہ ہو۔

(۵) مستشرقین کے جائزہ میں قابل غور پہلو: مستشرقین کے دلکش اور شیریں اقوال سے متاثر ہو جانا مسلمانوں کی بڑی کمزوری ہے، وہ جب دیکھتے ہیں کہ مستشرقین آپ کے اوصاف نہایت عمدہ انداز سے بیان کر رہے ہیں، اور آپ کو نہ صرف غیر معمولی انسان مانتے ہیں بلکہ مصلحین کی صف میں اولیت کا درجہ دے رہے ہیں تو بہت خوش ہو جاتے ہیں، لیکن مستشرقین کی مدح رسول میں بھی ان کا دلی مقصد چھپا ہوتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ مدح و تعریف کے پہلو سے آپ کے نبی اور رسول ہونے کی اہمیت کو ختم کر دیا جائے، اور لوگوں میں آپ کی قائدانہ حیثیت اتنی نمایاں ہو جائے کہ بحیثیت رسول کے آپ نے خدا کی جو تعلیمات بیان کی ہیں اور ایمان و عقائد اور عبادات سے متعلق جو شرعی احکام دئے ہیں، وہ باقی نہ رہیں۔

ان چالاک اور عیار لوگوں میں بعض تو اسلام کے ہمدرد بن کر سامنے آئے ہیں وہ تمام ممالک اسلامیہ میں جاتے ہیں تو ان کی پذیرائی ہوتی ہے، یہ لوگ علماء کا لباس زیب تن کر کے بہت



سے علمی اداروں میں گھس گئے ہیں، اور اپنی اسی اسکیم کے تحت کام کر رہے ہیں، قاہرہ، دمشق، بغداد اور بیروت کے تحقیقی اداروں کے چوتھائی ارکان اسی قسم کے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، نمایاں لوگوں میں "مارگیولیتھ" کی کارستانیوں سے کون واقف نہیں، اس نے شعر جاہلی کے پورے ذخیرہ کو مشکوک بنا دیا ہے، اور "ماسینون" نے قرآن کے متعلق لوگوں کے عقائد متزلزل کر دئے ہیں، تب ہے کہ قاہرہ کے عرب ان کے افکار و خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔

"زدلیز" اور "لامانس" نے اگرچہ رسول اللہ کی بڑی تعریف کی ہے لیکن پڑھنے والوں کو ایسا تاثر دیا ہے کہ آپ محض ایک اعلیٰ درجہ کے لیڈر تھے اور بحیثیت نبی کے آپ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اسی طرح قرآن کی تمام خوبیوں کے باوجود یہ نہیں ظاہر ہوئے دیا کہ یہ کلام الہی ہے اور اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی آپ پر اترا ہے، بہر حال ان مستشرقین کی کتابوں میں رسول اللہ کی تعریف کا بڑا حصہ محض آپ کی قیادت، عبقریت اور معاشرتی اصلاح تک محدود ہوتا ہے، اسے وہ متعدد فصلوں میں بیان کرتے ہیں، لیکن دوسرے پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔

"ڈورنگھم" نے اپنی کتاب "حیات محمد" میں خاص طور سے یہی طریقہ اختیار کیا ہے، البتہ "کارلائل" نے اپنی کتاب ناموران عالم میں اس سے کچھ مختلف انداز اختیار کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دور وسطیٰ میں ایسی دینی عبقریت کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

ان کے علاوہ مستشرقین جن باتوں پر اتفاق رکھتے ہیں ان میں ایک جہاد کا مسئلہ ہے، انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو صرف دفاع و حمایت کے لئے وقتی طور سے جہاد کرنا پڑا، آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے لئے جہاد درست نہیں۔

اسی طرح حکومت، زکوٰۃ، شرعی احکام کے نفاذ سے متعلق مسائل میں ایسے خیالات عام کئے ہیں جن سے مسلمان دین اور اپنے نبی کے متعلق بدظن ہو جائیں، نہ تو دین سے ان کا تعلق رہے اور نہ اسلامی تعلیمات سے۔

اہل علم مسلمانوں کو ان کی سوچی سمجھی اسکیم سے ہوشیار بنانا چاہئے، انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ عقیدہ و فکر میں جو گمراہی پھیلانے کی کوشش کی ہے اور غریت کے مسموم اثرات ڈالے، ان سے بچنا چاہئے اس سلسلہ میں اسلامی موضوعات پر جو کچھ لکھا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح معیار اور اصول کے مطابق ہوں، ان میں وہ باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، ایک عام عقیدہ

اصول، دوسرے خاص تنقیدی اصول، حدیث، تاریخ اور ادب سے متعلق جب گفتگو ہوگی تو اس میں نہ اپنی خواہش اور پسند کو دخل دیا جائے گا، اور نہ سابقہ افکار اور موروثی خیالات کو، اس پر جب تنقید کی جائے گی تو نقد حدیث کے جو اصول ہیں ان کو سامنے رکھنا پڑے گا، فن قرأت اور فقہ اللغہ کی واقفیت درکار ہوگی اور پھر ان سے استنباط کے بعد ہی بات قابل قبول ہوگی، علمائے اسلام نے احادیث کی تنقید کے جو اصول بنا رکھے ہیں ان کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، انہوں نے اپنے اسی اصول کے تحت صحیح اور غلط کو پرکھا ہے، فقہ، حدیث، تفسیر، تاریخ اور لغت کے سلسلے میں اسی اصول سے وہ کام لیتے رہے ہیں، یہ نہایت معروف اور متوازن طریقہ ہے اور ایک منصف مزاج شخص کو چاہئے کہ اظہار رائے میں وہ اسی طریقے کو اختیار کرے، انحراف، خلط مبحث اور تلذیب کا طریقہ نہ اختیار کرے، ہمارے محقق علماء نے ہمیشہ یہی طریقہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے، آپ احمد محمود شاہ کا مقدمہ ”مفتاح كنوز السنن البراہین“ کے تو آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے ”ویسنگا“ کے کارنامے کو بہت سراہا ہے، لیکن کسی موضوع پر اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں کسی مستشرق کی تحریر پر تین لکے، تو آپ دیکھیں گے کہ احمد محمود شاہ نے جگہ جگہ نوٹ لکھے کہ اس کی ٹالپیوں کی نشان دہی کی ہے، جس سے یہ جدا جدا انداز ہیں۔

اسی طرح جب آپ ڈاکٹر عبد الحلیم کی کتاب ”یورپ اور اسلام“ کا مطالعہ کریں گے تو اس میں بھی انداز نظر آئے گا۔

”گولڈزیہر“ کی ”ذہاب التفسیر الاسلامی“ کا مقدمہ جس کا ترجمہ ڈاکٹر نجار نے کیا ہے، جہاں اس کے تصحیحی نوڈ کہتے ہیں کہ یہ اول درجے کا کارنامہ ہے، وہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں یہ سب غلطیاں ہیں اور اس کی نہایت اچھے انداز میں تردید بھی کر دی ہے۔

علمائے اسلام نے تنقید کا صحیح رخ اختیار کیا ہے اور بہت سی کتابوں میں ان کا انداز بہت اعلیٰ درجے کا ہے، یہ وہاں بھی کہتا ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں، ”والرؤی اللادب“ ہے، یعنی اس کی تردید، ”وایقال عن الاسلام“ یعنی اسلام کے تعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، ”الاسلام تھا، الفہم اباطیل خصوصاً“ یعنی اسلام مجموعہ حقائق ہے اور اس کا ضد مجموعہ باطلات، ”الاسلام“ یعنی ”الخصارۃ الاسلامیہ“ یعنی اسلام اور اسلامی تہذیب، ”المستشرقون والدراسات الاسلامیہ“ یعنی مستشرقین اور ان کا اسلامی مطالعہ وغیرہ، بیٹا، مقالات میں جو عربی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں انہوں نے اسی اصول سے کام لیا ہے۔

# سیرت نبویؐ کے متعلق مستشرقین کی

## بعض غلطیوں کی تصحیح

تہذیب و تہرہ

مولانا شبیب الدین اصلاحی

”الاستاذ نذیر حمدان کی کتاب ”الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“ فی کتاب المستشرقین“ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستشرقین کی کتابوں کے آئینہ میں) کے بعض حصوں کا ترجمہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے، اس حصہ میں مستشرقین کی بعض غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے واقعات کو نسخ کرنے اور انہیں توڑ مروڑ کر کیا سے کیا بنادینے میں مستشرقین نے کس قدر تلبیس و تدلیس سے کام لیا ہے، ان سے ان کی فتنہ پردازی، بدینتی اور تعصب کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے، قرآن مجید نے مستشرقین کے پیش رو اہل کتاب کے متعلق جو یہ کہا تھا کہ

اے اہل کتاب! تم حق کو باطل میں کیوں  
گڈمڈ کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو،  
درآنحالیکہ تم جانتے بھی ہو۔

يٰۤاٰہلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبَسُوْنَ الْحَقَّ  
بِالْبٰطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَانْتُمْ  
تَعْلَمُوْنَ (آل عمران: ۷۵)

دوسری جگہ ہے:

اور ان اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا اور خدا پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ السُّنْتَهُم  
بِالْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ  
وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ  
مِن عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ  
الْكُذُوبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

(آل عمران: ۷۸)

تو وہ ان مستشرقین پر بھی پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ (مترجم)

شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی مستشرقین کی غلطیوں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”اسلام اور مسلمانوں کے واقف کار اور ماہر فرنگیوں کی تصنیفات عجیب و غریب اغلاط کا مجموعہ ہوتی ہیں، جنہیں دیکھنے اور پڑھنے کے بعد ان سے اور ان کی تحقیقات دونوں سے نفرت اور بدگمانی ہوتی ہے۔“ (مجلۃ الجمع

العلمی العربی دمشق ۲۱-۳۱-۱۹۳۶ء)

محمد کرد علی نے مستشرقین کی غلطیوں کی متعدد قسمیں بتائیں ہیں (۱) لفظی (۲) فکری یا حسی (۳) موضوع سے مصنف کی عدم واقفیت کے نتیجے میں سرزد ہونے والی غلطیاں، اس قسم کی غلطیاں کرنے والوں کا دار و مدار غیر معتبر کتابوں پر ہوتا ہے، چنانچہ یہ لوگ سفر ناموں، افسانوں، ناولوں اور مزاحیہ نگار صحافیوں کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ ان کتابوں کے مصنفین اپنے قارئین کی دلچسپی کے لئے نادر اور انوکھی باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور جب اس میں انہیں ناکامی ہوتی ہے تو وہ خود اپنے ذہن و مخیل سے اس طرح کی باتوں کا اختراع کرتے ہیں اور انہیں حقائق بنا کر پیش کرتے ہیں، بعض غلطیاں جان بوجھ کر قصد و ارادہ سے کی جاتی ہیں، ان میں دینی عصبیت یا سیاسی غرض کار فرما ہوتی ہے، اور بعض دفعہ بیک وقت ان دونوں ہی باتوں کو دخل ہوتا ہے۔ (مجلۃ الجمع العربی دمشق ۲۱-۳۱-۱۹۳۶ء)

ان تہہ بہ تہہ اور زبردست غلطیوں کے اسباب و عوامل یہ ہیں، علوم و معارف اسلامیہ کی وسعت، مستشرقین کا مبہم انداز بیان و جہالت، نیز اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف ان کی سازش و ریشہ دوانی۔

یہ کہنا کہ ہر بحث و تحقیق کرنے والے کی نگاہ سے بعض پہلو مخفی رہ جاتے ہیں اور اس سے سہواً کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی تو تحقیق کے مقدمہ و بنیاد ہی کے اندر ایسی خرابی اور غلطی راہ پا جاتی ہے جس کے نتیجہ میں صحیح کے ساتھ غلط اور رطب کے ساتھ یا بس شامل ہو جاتا ہے، پس اگر غلطیوں کے بارے میں اس سے دوبارہ گفتگو کی جائے اور ان کی نشاندہی کر دی جائے تو بحث و مباحثہ میں شدید اختلاف اور جھگڑے کی نوبت نہ آئے بلکہ وہ حق کی طرف رجوع کر لے گا کیونکہ رجوع الی الحق ایک علمی فضیلت و برتری ہے جو علماء و دانشمندان کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے، مگر مستشرقین عموماً دیدہ و دانستہ ایسی نتیجہ غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں جن کی غرض و غایت اگر تعلیم یافتہ مسلمانوں پر واضح ہو جاتی ہے، اور وہ ان سے انھیں متنبہ کر دیتے ہیں تو وہ کبھی تو معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہیں اور کبھی ان غلطیوں پر اصرار کرتے ہیں، لیکن اگر یہ لوگ خود مستشرقین کی غلطیوں سے واقف نہ ہو سکتے تو ان کی غلطیاں تسلیم شدہ علمی حقائق و مسلمات بن جاتی ہیں جنہیں علمی و ادبی بحث و گفتگو میں بطور ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

عرب محققین میں رافعی، عقاد، کرد علی، جندی اور قطب وغیرہ نے مستشرقین کی بعض غلطیوں کو نمایاں کیا ہے اور خود بعض مستشرقین نے بھی اپنے ساتھیوں کی تاریخی، ادبی، لغوی، دینی اور علمی و فنی غلطیوں کی حقیقت ظاہر کر دی ہے۔

بالقصد و بالا راہ کی جانے والی اکثر غلطیاں شکوک و شبہات اور طعن و تشنیع کی حیثیت رکھتی ہیں، جن میں خرافات کے علاوہ فتنہ و فساد انگیزی کا بھی دخل ہوتا ہے۔

ذیل میں مستشرقین کی غلطیوں کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں، پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی زندگی کی چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں اور آخر میں بعثت کے بعد کے واقعات زندگی کے بارہ میں ان کی بعض غلط بیانیوں کا ذکر کر کے ان کی تصحیح کی جائے گی۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھیل کے بارہ میں غلط بیانی | ارنج لکھتا ہے ”اس

اثنا میں کہ محمد اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ کھیتوں میں کھیل رہے تھے۔۔۔۔۔ (سیرت پر مصنف کی کتاب ص ۳۴) اس کے بعد اس نے شق صدر (سینہ مبارک چاک کئے جانے کا واقعہ) نقل کیا ہے، حالانکہ وہاں نہ کھیت تھے، اور نہ جھاڑیاں جیسا کہ سیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، سیرت ابن ہشام میں صرف اس قدر ہے کہ ”حلیمہ کا بیان ہے کہ ہم انھیں (محمد) کو لے کر جب اپنے گھر لوٹے تو چند ماہ بعد ایک روز وہ اپنے (رضاعی) بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے بھیڑ بکریوں کے

گلے میں تھے کہ دفعۃً ان کا بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہنے لگا کہ  
”ہمارے قریشی بھائی کو دو آدمیوں نے پکڑ کر..... (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۳)

اسی مقبول کی روایت البدایہ والنہایہ میں بھی ہے۔

”حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہمارے یہاں آنے کے دو تین ماہ بعد وہ اپنے رضاعی بھائی کے  
ساتھ بھینر کے ریوڑ میں ہمارے گھروں کے پیچھے تھے کہ ان کا بھائی دوڑتا ہوا آیا (۱)۔ (البدایہ  
والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۳)

## ۲۔ نوجوانی میں بھی اللہ کی جانب سے آپ کی مراسم شرک و جاہلیت سے حفاظت

ذکر منگھم کا بیان ہے کہ ”محمد کو دو بار خیال ہوا کہ شہر کے اطراف میں پہنچ شہوت اور نوجوانی  
کے لطف و لذت سے متعلق ہوں، مگر چانک ایسی صورت پیش آئی کہ وہ اس سے باز رہے۔“  
(ذکر منگھم کی کتاب ص ۶۹)

صحیح یہ ہے کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں امام بیہقی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی  
ہے جو حضرت علیؑ کی سند سے ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
سنا کہ اہل جاہلیت عورتوں کے قصد و ارادہ سے جو کام کیا کرتے تھے، مجھے دو راتوں کے سوا کبھی اس  
قسم کا جاہلانہ خیال تک نہیں آیا مگر ان دونوں موقعوں پر بھی اللہ نے میری حفاظت کی، ایک رات  
میں مکہ کے بعض نوجوانوں کے ساتھ تھا، ہم لوگ بکریاں چرا رہے تھے، میں نے اپنے ایک ساتھی  
سے کہا تم میری بکریاں دیکھتے رہنا تا کہ میں مکہ جا کر قصہ گو یوں کی مجلس میں حصہ لوں، چنانچہ جب  
میں مکہ میں داخل ہوا اور پہلے ہی گھر کے قریب پہنچا تو وہاں گانے بجانے کی آواز سنی، لوگوں سے  
دریافت کیا یہ کیا ہو رہا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ فلاں شخص کی فلاں عورت سے شادی ہوئی ہے، میں  
یہ منظر دیکھنے کے لئے بیٹھا مگر مجھے ایسی نیند آئی کہ سورج نکلنے کے بعد ہی آنکھ کھلی، دوسری شب میں

(۱) یہ روایت ابن اسحاق کی ہے اور محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ”اب رہ گئی  
وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے، یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے  
در مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت  
سے تمام تر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی اغویاتیں شامل ہیں، جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔“ (میزان النبیؐ  
ج ۳ ص ۲۹۰)

بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا۔<sup>(۱)</sup> (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸۷)

کامل ابن اشیر کے الفاظ اس سے مختلف ہیں، ملاحظہ ہوں:

”جاہلیت کے زمانہ میں لوگ جو کام کرتے تھے میں نے بجز دو بار کے کبھی ان کا قصد و ارادہ نہیں کیا، مگر دونوں بار اللہ تعالیٰ میرے اور اس کام کے درمیان حائل ہو گیا اور پھر میں نے اس طرح کے کام کا کبھی ارادہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا۔“ (الحائل ج ۲ ص ۳۸)

صبری کے الفاظ بھی قریب قریب اسی طرح کے ہیں۔ (تاریخ طبری ص ۲۷۹)

**۳۔ عبادت نبویؐ** ڈر منگھم نے آپ کی عبادت کے متعلق بھی یہ غلط بیانی کی ہے کہ

”آپ نے عزی کے نام پر ایک سفید بکری کی قربانی کی تھی<sup>(۲)</sup>، مگر یہ ت ابن ہشام میں عبادت نبوی کے سلسلے میں اس طرح کی نجس و ناپاک حرکت کی مطلق نفی کی گئی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ آپ جو ان ہو گئے مگر جاہلیت کی خباثت اور ناپاکی سے کبھی آلودہ نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ کو آپ سے کرامت اور نبوت مقصود تھی اس لئے اس نے آپ کو جاہلیت کی آلائشوں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔“ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۴)

(۱) یہ روایت نہایت ضعیف ہے، علامہ ابن کثیر نے اسے نقل تو کیا ہے مگر اس کے متعلق صراحت کر دی ہے کہ یہ نہایت غریب ہے اور اس کے بعض سلسلے حضرت علیؓ ہی پر جا کر ختم ہو گئے ہیں، یعنی یہ روایت مسند کے بجائے موقوف ہے، صحیح واقعہ علامہ شبلی کے بیان کے مطابق صرف اس قدر تھا کہ ”عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا، لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات رات بھر سنتے تھے، بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا، لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جاسمہ تھا، دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، وہیں غیند آگئی، اٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔“

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اس دن بھی میں اتفاق پیش آیا، چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ توفیق الہی نے بچا لیا کہ ”تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔“ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۸۵)

نسا، کما لفظ سرف اسی روایت میں ہے حالانکہ روایت میں بیان کئے گئے مضمون سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی، مولانا شبلی نے سیرت کے حاشیہ میں سر ولیم میور کی ایلف آف محمد صلعم سے یہ بھی لکھا ہے۔

”ہماری تمام تصنیفات محمد صلعم کے بارہ میں ان کے چل چلن کی عصمت اور ان کے اطواری پائیزگی پر جو اہل مکہ میں لمبا ب تھی متفق ہیں۔“ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۸۶) (۲) ڈر منگھم ص ۷۵

ابن کثیر امام بیہقی کے حوالہ سے حضرت زید بن حارثہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ اساف و نائلہ کے نام سے تاج کا ایک بت تھا، جسے طواف کرتے وقت مشرکین چھوا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی طواف کر رہا تھا، چنانچہ جب اس بت کے پس سے گذرا تو اسے چھو دیا، آپ نے منع کیا مگر میں نے اپنے جی میں کہا میں اسے ضرور چھوؤں گا، تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم باز نہیں آئے۔“ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸۸)

غور کرو جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کے میلے ٹھیلے میں بھی نہیں جاتے تھے اور نہ بتوں و چھوتے تھے بلکہ انہیں چھونے سے منع کرتے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ بت کے لئے سفید بکری کی قربانی کرتے۔<sup>(۱)</sup>

۴۔ دکان، تجارت اور سفر کی کثرت | ڈرمنگھم کا بیان ہے کہ ”ایک زمانہ میں مکہ کے اندر محمد کی ایک دکان تھی۔ یہ قطعاً ناطق ہے، سیرت کے ماخذ سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی، مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”محمدؐ جزیرہ عرب کے طول و عرض میں حضرت خدیجہؓ کے تجارتی قافلوں کی سربراہی کرتے تھے۔“ (ڈرمنگھم ص ۶۱)

ارنج کا بیان ہے ”حضرت خدیجہؓ سے شادی کے چند برس بعد آحضرت مستقل تجارت کرنے لگے تھے اور قافلوں کے ساتھ دور دراز کا سفر بھی کرتے تھے۔“<sup>(۲)</sup> (ص ۵۳)

(۱) علامہ شبلی نے بھی اس روایت کو ذکر کر کے اس کی تردید کی ہے، مگر انہوں نے سفید رنگ کے بجائے خاکی رنگ کی بھیجہ کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں ”مارگولوس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آحضرت صلعم نے عزی کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیجہ ذبح کی تھی، لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا۔ بندہ وہوسن کا حوالہ دیا ہے۔ (دیکھو مارگولوس کی کتاب ص ۶۸ تا ۷۰) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے، لیکن اولاً اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت کبھی سے بے جو مشہور روایات میں نہ ہے۔“ (حاشیہ سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۸۰) (۲) آگے رسول اللہ صلعم کے سفر اور مقامات سفر کے سلسلہ میں مصنف کے خیالات محتاج وضاحت ہیں اس لئے اس کے بارہ میں علامہ شبلی کی سیرۃ النبیؐ جلد اول سے جستہ جستہ بعض اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

”تجارت کی غرض سے شام و بصری اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے (ص ۱۷۴) آحضرت صلعم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کئے، تمام اور بصری کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور مقامات تجارت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔۔۔۔۔ حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں ہے، حاکم نے متدرک میں لکھا ہے اور (بقیہ صفحہ آئندہ پر)



بوڈلے کا کہنا ہے کہ ”محمدؐ سولہ برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ انھوں نے اتنے سفر کر ڈالے جتنے سفر مکہ کا کوئی باشندہ عمر بھر نہیں کرتا، مکہ سے یمن، شام، فلسطین اور فارس کا سفر آپ کا معمول اور عادی امر بن گیا تھا، آپ کے زمانہ میں لوگ اس کثرت سے سفر صرف زیارت کعبہ کے لئے کرتے تھے۔“

صحیح یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے بعثت سے قبل بکریاں بھی چرائی تھیں اور تجارت بھی کی تھی لیکن آپؐ کی تجارت کی وہ شکل جو ان لوگوں نے بیان کی ہے، غیر معروف ہے، آپ یمن اور فارس تشریف نہیں لے گئے تھے، البتہ دمشق کے مضافات میں گئے تھے مگر دمشق میں داخل نہیں ہوئے، رہے رسول اللہؐ کے سفر تو ان کی تعداد چند ہی ہے، غالباً رسول اللہؐ کے مکہ سے سفر کے لئے نکلنے کی کثرت و زیادتی سے مستشرقین کا دو مقصد ہے۔ ایک تو یہ کہ آپؐ گذشتہ اور موجودہ مذاہب سے واقف تھے، اور ان مذاہبوں کے ماننے والوں سے آپؐ کے تعلقات تھے<sup>(۱)</sup>، دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تجارت سے آپؐ کی فطری دلچسپی اور اس میں تجربہ، مہارت اور ہوشیاری کی بنا پر آپؐ اس لائق ہوئے کہ لوگوں کی سیاسی رہنمائی اور قیادت کر سکیں۔

(صفحہ ۲۵ کا بقیہ) علامہ فربہی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپؐ دو دفعہ تشریف لے گئے۔ ہجرت کے بعد جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفد آئے ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپؐ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر دہاں کا حال پوچھا لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپؐ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ”میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔“ (مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۲۰۶) مورخین یورپ نے جو علوم یہی کے منکر ہیں اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے، ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ”آپؐ نے بحری سفر بھی کیا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے (مارگولوس ص ۵۷) مورخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپؐ مصر بھی تشریف لے گئے تھے اور ڈیڈی (بحریت) کا بھی معائنہ کیا تھا لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہیں۔“ (سیرت ج ۱ ص ۱۷۷) حاشیہ میں مولانا سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں ”یورپین مورخین جن کی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں ہے، لیکن آنحضرتؐ کا مصر جانا اور حقیقت یورپ کے مہذب مظلم کی منہ خدا انبیر روایت ہے، بحری سفر آپؐ نے یقیناً نہیں کیا لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپؐ نے دیکھا ہوگا، بحریت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان ہے جہاں سے آپؐ کئی بار تجارت کے لئے گذرے ہوں گے۔“ (سیرت النبی ج ۱ ص ۱۷۷) (۱) اس کے متعلق علامہ شبلی کا یہ بیان گذشتہ حاشیہ میں گذر چکا ہے ”مورخین یورپ نے جو علوم یہی کے منکر ہیں اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں“ (سیرت ج ۱ ص ۱۷۷) آگے بحیرار اہب کے مشہور واقعہ کے ضمن میں مزید تفصیل پیش کی جائے گی۔ (متراجم)

## ۵۔ دوسروں سے تحصیل علم

بوڈلے بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیرا

کی صحبت میں رہ کر عرصہ تک اس سے استفادہ کرتے رہے، یہ راہب جب اس کم سن عربی سے گفتگو کرتا تو معلوم ہوتا کہ وہ اپنے کسی رفیق سے گفتگو کر رہا ہے، چنانچہ اسی نے انھیں حضرت عیسیٰ کے عقیدہ اور بتوں کی پرستش کے حماقت ہونے سے مطلع کیا تھا، اور محمدؐ اس کی باتوں کو نہایت غور و توجہ سے سنتے تھے۔ (۱)

دوسری جگہ وہ لکھتا ہے کہ ”گو محمدؐ کی مکتبی تعلیم کم ہوئی مگر انھوں نے حصولِ درس کے لئے جانے والے اور دن دن بھر حجرہٴ درس میں بیٹھے رہنے والے طالب علموں سے بھی زیادہ حصولِ علم کیا تھا۔“ (ص ۲۸)

(۱) بحیرا کے مشہور واقعہ کا دارومدار جس روایت پر ہے، وہ سند اضعیف اور پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ مولانا شبلی نے اس پر مفصل نقد و جرح کی ہے، ملاحظہ ہو (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۶۷ تا ۱۶۹) وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں ”تجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر عام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے، سرولیم میور، ڈریپر، مرگولوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتحِ عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہؐ نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتا دئے تھے، انہی پر آنحضرتؐ نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کے شروع اور حواشی ہیں۔ عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہئے جس طرح روایت مذکور ہے، اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں، قیاس میں نہیں آسکتا کہ دس برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھادے جائیں اور اگر یہ کوئی خرقِ عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۶۷)

مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں ”ڈریپر صاحب معرکہ علم و مذہب میں لکھتے ہیں، بحیرا راہب نے بصری کی خانقاہ میں محمدؐ کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی، آپ کے ناتر بیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو پالیا تھا۔“ سرولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرتؐ صلعم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قائم کیا وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے، لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارع اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ دلولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ میں پیدا ہو سکتا جو قرآن کے ہر صفحہ میں نظر آتا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۶۷)

وہ اور دوسرے مصنفین یہ بھی کہتے ہیں کہ عکاظ کے میلہ اور قس بن ساعدہ کے خطبوں (۱) کے ذریعہ سے محمد نے نصاریٰ اور ان کے فرقہ نسطوری کے اثرات بھی قبول کئے تھے۔ (ص ۲۸) صحیح یہ ہے کہ رسول اکرم کا کتاب مقدس دیکھنا یا اسے پڑھنا سرے سے ثابت ہی نہیں ہے، گو یہ تسلیم ہے کہ اس کے اور بعض قرآنی قصوں میں مماثلت ہے، اور رسول اللہ نے جب بحیرہ سے ملاقات کی تھی تو اس وقت آپ کی عمر نو برس تھی اور یہ بالکل خلاف عقل و قیاس ہے کہ صرف

(۱) قس بن ساعدہ کا ایک خطبہ بہت مشہور ہے مگر وہ بھی سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، مولانا شبلی نے اس کے روایت پر مفصل جرح کی ہے اس سے قطع نظر نفس خطبہ کے متعلق انہوں نے جو کچھ للغات اس موقع پر اسے ذکر کرنا ہے محل نہ ہوگا، فرماتے ہیں "ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا، آنحضرت صلوات اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے، اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدا اور سوروں کی طرح چمکے اور مقفی ہیں ان کے عیسائی مؤرخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ وسلم نے یہ طرز انبی سے لیا ہے۔ ایک منہ یہاں خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے، بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعر اور فصاحت سے خطبے تصنیف کراتے تھے اور جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے شعرا اور خطبہ کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہیں کہ امام بخاری نے جزء الترقاة میں ان سے روایت کی ہے، تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا، علامہ ذہبی نے میران الاعتدال میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن اسحاق شعرائے عرب کے وقت کو منازمی کے واقعات دے دیتے تھے کہ ان کے بارہ میں اشعار سرد۔ ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے، ابن بشام میں حضرت خدیجہ، ابو بکر، امیہ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سینکڑوں اشعار نقل کئے ہیں جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی زبان نہیں ہے، ایک لطیف بات یہ ہے کہ ابن بشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعوں پر لکھ دیتے ہیں کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں۔ یہ وضعی مختلف اغراض سے کی جاتی تھی، زیادہ اس وجہ سے کہ ان خطبوں یا شعروں میں آنحضرت صلوات اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے، مثلاً قس بن ساعدہ کا خطبہ۔ اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو باتیں ہیں ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی، امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہیں ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ انی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ کہتے ہیں "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر سوزوں لیا گیا ہے۔" ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیر خواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہیں کہ آنحضرت پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعراء سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے، لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہیں، یورپ کو فن ادب اور روایت میں مہارت کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، اور جب وہ زمانہ آئے گا، تو یورپ کو اپنی بد مذاقی پر خود شرم آئے گی۔ (سیرۃ النبی ص ۱۸۳)

ایک ملاقات نے آپ کے تمام اثرات محو اور زائل کر دئے ہوں، علاوہ ازیں اسلام کا عقیدہ توحید جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی اور انبیاء کے جو خصوصیات اور جنت و دوزخ کے جو اوصاف بیان کئے اور شریعت و اخلاق کے سلسلہ میں جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ سب نجران کے نصاریٰ اور نسطوریوں کے عقائد کے سراسر خلاف ہیں۔

یہ بات بھی نہایت عجیب و غریب ہے جس سے کتب سیرت کا تمام ذخیرہ خالی ہے کہ اس زمانہ میں مکہ کے اندر مدرسے تھے، اور محمد ان کے ایک فائق و برتر طالب علم تھے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں مستشرقین کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی تصحیح کی جائے گی۔

**۶۔ وحی کی ابتدا** وینسک لکھتا ہے ”حضرت جبریل کے پہلی بار ظہور اور نبی پر غشی طاری ہونے کے بعد حضرت خدیجہ بہت خوف زدہ ہوئیں اور ایک گوشہ نشین راہب کے پاس آئیں، جس کا نام سرژیوس تھا، اس نے اطمینان دلایا اور بتایا کہ یہ جبریل تھے، جو فرشتہ ہیں اور تمام انبیاء کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی اور بیہوشی طاری نہیں ہوئی تھی بلکہ لپکی طاری ہوئی تھی جو عموماً خوف زدہ لوگوں پر طاری ہو جاتی ہے، رہیں حضرت خدیجہ تو وہ اس واقعہ سے خوف زدہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسکین دے رہی تھیں کہ ”بخدا اللہ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق کی صعوبتوں اور شدتوں میں مدد کرتے ہیں۔“

احمد محمد شاہ فرماتے ہیں کہ ”یہ سمجھنا کہ حضرت خدیجہ کا واقعہ سرژیوس کے ساتھ پیش آیا تھا بالکل غلط اور صحیح و ثابت حدیثوں کے خلاف ہے، پھر وہ صحیح بخاری سے نزول وحی کی ابتدا سے متعلق حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ اپنے جن چچا زاد بھائی (ورقہ بن نوفل) کے پاس آپ کو لے کر گئی تھیں وہ عربی النسل تھے، کوئی عجمی النسل شخص سرژیوس نہ تھے۔ (دائرة المعارف۔ ج ۹ ص ۵۷۴)

**۷۔ دعوت نبوی کا آغاز** ارنج کہتا ہے ”محمد نے اپنے ارادہ سے بنی ہاشم اور قریش

کے لوگوں کو مطلع کیا۔ انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز کھلم کھلا اور جہراً کیا تھا۔“ (ص ۶۲) مگر

ابن اشیر کامل میں لکھتے ہیں ”آپ نے اپنے راز سربستہ کا تذکرہ اپنے متعلقین میں ان لوگوں سے کیا جن کے بارہ میں مکمل اطمینان تھا، چنانچہ تمام لوگوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ بنت خویلد آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کی۔“ (ج ۲ ص ۵۰)

طبری کا بیان ہے ”اللہ نے نبوت سے سرفراز فرما کر آپ پر اور اپنے بندوں پر جو انعام کیا تھا، آپ اسے پوشیدہ طور پر اپنے انہی متعلقین سے ذکر کرتے جن کے بارہ میں اطمینان تھا، عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ غکاظ میں تھے، عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کن لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی ہے؟ فرمایا دو آدمیوں نے جن میں ایک آزاد دوسرا غلام ہے، یعنی ابو بکر اور بلال نے، اس کے بعد میں نے بھی اسلام قبول کر لیا، طبری یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کی اتباع کرنے والے شخص آپ کے غلام زید بن حارثہ تھے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسلام لانے میں سبقت حضرت علی نے کی تھی۔ (طبری ج ۱ صفحات ۳۰۶، ۳۱۲ و ۳۱۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے اپنی دعوت کا آغاز پوشیدگی سے کیا تھا، اور ابتداء اپنے متعلقین اور ان دوستوں سے اس کا تذکرہ کیا تھا جو قابل اطمینان اور لائق اعتماد تھے، دعوت کا اعلان تو آپ نے تین برس بعد کیا تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ اللہ نے نبی کو بعثت کے تین برس بعد حکم دیا کہ جو کچھ انھیں عطا کیا گیا ہے اسے کھلم کھلا اور علی الاعلان لوگوں کے سامنے پیش کر دیں۔ (۱)

(۱) تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۸ و سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۰ دراصل یہ تاریخ اسلام کا بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا، مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے، اس غلط بیانی سے مستشرقین کا یہی مقصد ہے، مولانا شبلی لکھتے ہیں ”آنحضرت صلعم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں اگر آپ کا فرض صرف اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ و دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی، لیکن خاتم انبیاء کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا، اس لئے نہایت تدبیر اور تدبیر سے کام لینا پڑا، سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے، اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا، جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔۔۔۔۔ تین برس تک آنحضرت نے نہایت رازداری کے ساتھ نرض تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا صاف حکم آیا فاصدع بما تؤمر (محر) اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے

## ۸۔ حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات کا غم | ابن کثیر لکھتے ہیں:

”محمد نے اپنی بیوی حضرت خدیجہ اور اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے غم میں ماتمی لباس پہن لیا تھا، اور جس سال دونوں کی وفات ہوئی تھی اسے عام الحزن (غم کا سال) کہتے تھے۔“ (ص ۹۶)

اس قدر صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔ سیر کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے، لیکن ماتمی لباس پہننے کی بات درست نہیں ہے، علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

”ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات ہجرت سے تین برس پہلے ہوئی تھی، ان دونوں کی وفات سے رسول اللہ کو بڑا صدمہ لاحق ہوا، آپ فرماتے تھے کہ قریش کی جانب سے مجھے ناگوار اور تکلیف دہ حد تک مصیبتیں ابوطالب کی وفات کے بعد ہی پہنچیں۔“ (۱)

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

”خدیجہ اور ابوطالب کی وفات ایک ہی سال ہوئی۔“

امام بیہقی فرماتے ہیں: ”ابوطالب کی وفات کے تین روز بعد حضرت خدیجہ کا بھی انتقال ہو گیا۔“ (۲)

ابن جوزی نے سند العقبہ بن صفیر اور حکیم بن حزام سے روایت کی ہے کہ پانچ دنوں کے فرق سے ابوطالب اور خدیجہ کی وفات ہوئی، اس طرح رسول اللہ دو مصیبتوں سے بیک وقت دو چار ہوئے، غم اس قدر شدید تھا کہ گھر میں پڑے رہتے تھے اور باہر کم نکلتے تھے، اس کے بعد قریش کی ایذا رسانیاں بہت بڑھ گئیں۔ (۳)

## ۹۔ رسول اکرم کا منبر | ڈر منگھم نے منبر نبوی کے متعلق اس طرح خامہ فرسائی کی ہے:

”آپ وعظ کے وقت اپنے اسی منبر کے جو بیک وقت آپ کی کرسی، منبر اور تخت سب ہی تھا، ایک زینہ پر کھڑے ہوتے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ یا سونے اور ہاتھی کے دانت سے جڑا ہوا عصا ہوتا،

جس سے نشانات اور لکیریں بناتے، منبر کے نیچے حضرت بلالؓ ایک سوتی ہوئی تلواریں لئے کھڑے رہتے، اس کا قبضہ چاندی کا تھا، محمدؐ نے یہ طریقہ آخر عمر میں عربوں کو متاثر کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔“

حالانکہ کرسی اور تخت کبھی آپؐ کے استعمال میں نہیں رہے، آپؐ تو صحابہ کرام کے درمیان اس طرح مساویانہ بیٹھتے تھے کہ نو وارد کو پتہ نہیں چلتا کہ آپؐ کون ہیں، اسی طرح سونا جڑا ہوا عصا، اور چاندی کے قبضہ کی تلواریں بھی آپؐ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی، کیونکہ سونے اور چاندی کا استعمال اسلام میں حرام ہے، فاضل مستشرق نے منبر کی نسبت جو کچھ کہا ہے، اس کا کوئی ذکر کتب صحاح (حدیث کی صحیح اور معتبر کتابوں) میں نہیں ملتا۔

۱۰۔ رسول اللہؐ کا پانچامہ پہننا  
دائرة المعارف الاسلامیہ<sup>(۱)</sup> میں لفظ سروال کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے:

”رسول اللہؐ پانچامہ پہنتے تھے، متعدد حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ آپؐ پانچامہ پہنتے ہیں، فرمایا ہاں سفر و حضر دونوں میں مجھے ستر کا حکم دیا گیا ہے، اور پانچامہ سے بڑھ کر ستر پوش کوئی لباس نہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے، بلکہ سرتا پابے اصل اور موضوع ہے، اس کے ایک راوی یوسف بن زیاد بصری منکر الحدیث ہیں جو خرافات و اباطیل بیان کرنے میں شہرت رکھتے تھے، اس روایت کے علاوہ دائرة المعارف میں اور بھی جتنی حدیثیں نقل کی گئی ہیں وہ سب کی سب مصنوعی، موضوع اور سراسر بے اصل ہیں۔

۱۱۔ تکبیر و اقامت  
جوئیل کہتے ہیں:

”اقامت اذان ہی سے بنی ہے، اور اذان نصاریٰ کے طریقہ عبادت کی نقل ہے۔“

انہوں نے اپنی تائید کے لئے خط مقرریزی (ج ۲ ص ۲۷۱) کا حوالہ بھی دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اذان اور اقامت دو چیزیں ہیں، دونوں کے الفاظ اور کلمات کی تعداد میں بھی فرق و اختلاف ہے، اور اذان میں قطعاً کلیسا کے طرز عبادت کی کوئی نقل نہیں کی گئی ہے، کتب صحاح میں اذان کے بارہ میں جس حدیث کی تخریج کی گئی ہے، اس کے الفاظ محدود اور

(۱) یہ مستشرقین کی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا عربی ترجمہ ہے۔

ترکیبیں معروف ہیں، محمد عرفہ نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے، آخر میں انہوں نے مقریزی کے حوالہ کی حقیقت یہ بتائی ہے۔

”خطت مقریزی کی جانب مراجعت کرنے پر معلوم ہوا کہ مقریزی کا اشارہ اس تسبیح کی طرف ہے، جو رات کو مناروں سے کہی جاتی ہے، اس بدعت کی ابتدا اور آخر میں مصر کے اندر ہوئی تھی، سلف میں اس کا کوئی رواج نہ تھا۔۔۔۔۔ اس سے مستشرقین کو وہم ہوا کہ مقریزی نے اذان کی ابتداء کے مسئلہ پر بحث و گفتگو کی ہے، حالانکہ ان کی بحث کا تعلق اس تسبیح کی ابتداء سے ہے، جو مناروں سے رات میں کہی جاتی تھی۔ (دائرة المعارف الاسلامیہ مع حاشیہ ج ۱ ص ۴۵۶)

۱۲۔ عقیدہ | ماکڈونالڈ نے اللہ کے بارہ میں کریم اور ہوسمان کے حوالہ سے جو کچھ نقل کیا ہے، اس میں متعدد فحش اور فبیح غلطیاں ہیں۔

(الف) محمد نے اللہ کو جن صفتوں سے متصف کیا ہے، وہ عام لوگوں کے لئے معیوب و مذموم خیال کی جاتی ہیں۔ جیسے جبار و متکبر

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ان صفتوں کے جو معنی ہیں وہ اللہ کی عظمت و جلال کے بالکل شایان شان ہیں چنانچہ جبار وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق کو اپنے ارادہ پر آمادہ اور مجبور کرتی ہے۔ اور متکبر وہ ہستی ہے جو اپنے بندوں کے ظلم سے بلند و برتر ہے۔<sup>(۱)</sup>

(ب) ان لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے لئے متضاد و متناقض

(۱) مصنف نے ان صفتوں کا جو مفہوم بیان کیا ہے، مفسرین نے اسے بھی لکھا ہے مگر درحقیقت جبار کے اصل معنی ٹگڑے اور زور آور کے ہیں، قرآن مجید میں اس زور آور قوم کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے جس سے ڈر کر بنی اسرائیل نے عمارت کی ہستی میں جانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا (إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ) یعنی اس ہستی میں بڑے زور آور اور ٹگڑے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ نہایت ٹگڑا اور زور آور ہے، اس سے زیادہ ٹگڑے اور زور آور کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس سے ان مشرکین کی تردید مقصود ہے جو ہرزبردست اور زور آور کے سامنے اپنے کو جھکا لیتے، ان کی پرستش کرنے لگتے، اور اسے دیوی دیوتا سمجھنے لگتے ہیں اور متکبر کے معنی ہیں اپنی عظمت، برتری اور بڑائی کا احساس رکھنے والا، یہ احساس اللہ کے سوا کسی کے اندر ہو تو یقیناً باطل ہے، اس لئے کہ کسی کی بڑائی اس کی ذاتی شئی نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ کی سطا کی ہوئی ہے، اللہ کے لئے یہ عظمت اور تکبر اس لئے مناسب ہے کہ اس کی بڑائی ذاتی، ازلی اور ابدی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی اسی کبریائی کی وجہ سے اپنی عبادت اور خدائی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا۔ (مترجم)



صفتیں بیان کی ہیں۔

ان لوگوں نے اس تناقض و تضاد کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے، غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ ایک طرف تو اس کی صفت عفو و غفور ہے، اور دوسری طرف منتقم اور شدید العقاب بھی ہے، مگر دراصل یہ کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ یہ صفتیں اپنے متعلق کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے غفور و عفو ہے جن سے غنیمت و مغفرت کی اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے، اور منتقم اور شدید العقاب ان لوگوں کے لئے ہے جن کو سزا دینا اس کی حکمت و مصلحت کا اقتضا ہوتا ہے، اس کی مثال بعینہ درج ذیل آیت ہے، جس میں رسول اللہ اور صحابہ کرام کی بظاہر متضاد صفتیں بیان ہوئی ہیں، حالانکہ وہ متضاد نہیں ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ  
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ  
(فتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں  
کفار پر سخت، آپس میں رحمہ دل ہیں۔  
(انزاع القرآن الاسلامیہ ج ۲)

(ص ۵۶۳)

**۱۳۔ اسلامی حدود** | ڈر منگھم کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی پر جو منافقین کا سردار تھا، اس لئے حد جاری نہیں کی کہ وہ اپنی قوم اور ان کے لئے یہ میں غیر معمولی اثر و نفوذ رکھتا تھا۔ (حیات محمد از ڈر منگھم ص ۳۰۵)

صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ کو منافقین کا نام بہ عظیم تھا، مگر اس کے باوجود آپ نے کسی منافق کو کبھی کسی قسم کی سزا نہ دی، خواہ وہ لیڈر رہا ہو یا کوئی اور اس کی وجہ یہ امید اور توقع تھی کہ شاید وہ صحیح طریقہ پر اسلام قبول کر لیں اور مسلمانوں کی صف اور جماعت میں شامل ہو جائیں، علاوہ انہیں آپ کو ان سے قتال کرنے کا حکم بھی نہیں دیا گیا تھا۔ یہی یہ آیت

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ  
وَالْمُنَافِقِينَ (تحریم: ۹)

اور نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو۔

تو منسیرین کا خیال ہے کہ منافقین سے جہاد کا مطالبہ ہے۔ ہاں! ہمیں اسلام کی دعوت دی جائے اور اس سلسلہ میں جس قدر بھی ممکن ہو کوشش سے درپیش خدایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر رئیس المنافقین کے لئے کسی کا ارادہ ظاہر کیا، ہوتا تو

غزوہ بنی المصطلق (۱) کے بعد خود ان کے صاحبزادے ہی انھیں رضا و رغبت سے قتل کر ڈالے ہوتے۔

۱۴۔ ہجرت

ہجرت کے وقت آپ کے گھر سے نکلنے کے بارے میں ارنج نے لکھا ہے:

”واقعہ کے متعلق ایک محتمل روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے گھر کے پیچھے کی دیوار سے کود کر نکلے تھے اور

اترتے وقت ان کے خادم نے انھیں سہارا دیا تھا اور آپ نے اس کی پشت

سے سیرھی کا کام لیا تھا۔“ (ص ۱۱۸)

وہ آئے یہ بھی لکھتا ہے:

”ابھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفیق حضرت

ابوبکر زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ اچانک گھوڑوں پر سوار ایک جماعت ان کے

پاس آگئی جس کی قیادت سراقہ بن مالک کر رہے تھے۔“ (ص ۱۱۹)

حالانکہ سیرت کے عربی ماخذ میں اس روایت کا ذکر تک نہیں ہے، اس لئے یہ جھوٹی اور

گڑھی ہوئی ہے، سراقہ کے واقعہ میں بھی غلط بیانی کی گئی ہے، صحیح و ثابت یہ ہے کہ وہ تعاقب میں تنہا

(۱) یہ غزوہ ۵ھ میں غزوہ خندق سے کچھ پہلے ہوا تھا، یہاں جس واقعہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، اس کی

وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، اس غزوہ میں غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی شریک تھے، جو برسوں

پرفتن گری کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں ٹکڑا ہو گیا، نوبت یہاں

تک پہنچی کہ قریش و انصار نے تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا

عبداللہ بن ابی جو اس المناقین تھا اس کو موقع ہاتھ آیا، انصار سے مخاطب ہو کر کہا تم نے یہ بلا خود مول لی، مساجرین

کو تم نے بنا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں، اب بھی تم دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود

یہاں سے نکل جائیں گے، جب آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، بولے

ارشاد: ہوتو اس منافق کی گردن ازادی جائے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا کرنا پسند کرتے ہو کہ محمد اپنے ساتھ

لوگوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ تھا، باپ جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا، یہ اسی

قدر اسلام کے جاں نثار تھے، آنحضرت صلعم کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم

دینے والے ہیں، یہ سن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جاتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر

خدمت گزار ہوں، لیکن اگر حکم ہو تو میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں، آپ نے اطمینان دلایا کہ قتل کے بجائے میں

اس پر مہربانی کروں گا۔

اور پوشیدہ نکلے تھے۔ (۱)

۱۵۔ ام المومنین حضرت سودہؓ بن زمعہ | ارفج کا بیان ہے کہ ”آنحضرت (صلی اللہ

علیہ وسلم) حضرت سودہؓ سے اپنی دوسری بیویوں کی طرح محبت نہیں کرتے تھے اور چند برس بعد ہی آپ نے ان سے اہمال اختیار کر لیا تھا۔“

پہلی بات تو یہ ہے کہ محبت ایک قلبی معاملہ ہے، جس کا ادراک۔ دوسرے لوگ نہیں کر سکتے، دوسرے حضرت سودہؓ کی شادی کے واقعہ سے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت و محبت دونوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ کی یہی اکیلی بیوی تھیں (۲)، ان کے نکاح کا واقعہ ابن کثیر وغیرہ کے بیان کے مطابق اس طرح ہے کہ خولہ بنت حکیم آنحضرت ﷺ کے ایمان سے حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور نکاح کا پیغام دیا، انھوں نے کہا محمد شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو، خولہ نے کہا نہیں یہ پسند ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ”جب سودہ بوزہؓ ہو گئیں تو انھوں نے اپنی باری مجھے دے دی“ ابن عباس فرماتے ہیں ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی ایک عورت حضرت سودہ سے نکاح کیا جن کے پہلے شوہر سے پانچ یا چھ بچیاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا مجھ سے تمہیں کیا مانع ہے؟ عرض کی اس اللہ کے رسول!

(۱) سراقہ کے واقعہ کی تفصیل استیعاب ابن عبدالنیر وغیرہ میں موجود ہے، ملاحظہ ہو آنحضرت ﷺ کے نکاح کے بعد مشرکین نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد اور ابو بکر کو قتل کر دے گا یا انہیں زندہ پھرتے ہوئے ہاں کو کرے گا، انہیں قتل دیا جائے گا، سراقہ اپنے قبیلہ بنی مدین کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے کہا کہ میں نے ابھی ساحل کی طرف سیاہی دیکھی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد اور ان کے ساتھی ہیں، سراقہ کو یقین ہو گیا، لیکن انہیں اس کی طمع میں انھوں نے تردید کی کہ نہیں وہ لوگ نہیں ہیں، تم نے فلاں شخص کو دیکھا جو ابھی ہمارے سامنے گیا ہے، تھوڑی دیر کے بعد سراقہ اٹھ کر گھر گئے اور اونڈی سے کہا کہ وہ گھوڑا تیار کر کے انہیں ایک مقام پر دے اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے، اونڈی سے گھوڑا لیا اور لوگوں کی نظر بچا کر نکل گئے اور گھوڑا دروازے سے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ (۲) چونکہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کا نکاح قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا اس لئے مورخین کا اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں تاہم اس قدر مسلم ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح کے بعد تقریباً ساڑھے تین برس تک میہ ہی میں رہیں، اس بنا پر اس عرصہ میں عملاً حضرت سودہؓ گویا آنحضرت ﷺ کی تنہا بیوی تھیں۔

آپ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں، میں آپ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتی ہوں، یہی میرے لئے مانع ہے کہ آپ کے سر پر یہ بچیاں صبح و شام سوار رہیں گی آپ نے فرمایا کوئی اور مانع تو نہیں ہے، عرض کی نہیں، خدا کی قسم اور کوئی مانع نہیں ارشاد ہوا اللہ کی تم پر رحمت ہو، قریش کی نیک بخت عورتیں اپنے چھوٹے بچوں پر کس قدر شفیق اور مہربان ہوتی ہیں اور وہ اپنے شوہروں کا کتنا لحاظ اور خیال رکھتی ہیں۔“ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۲ و ۱۳۳)

یہ واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے شادی کرنے کی رغبت بھی تھی اور شادی کے بعد آپ ان سے محبت بھی کرتے تھے، اور دوسری ازواج مطہرات کی طرح باریوں کی تقسیم میں ان سے مساوات بھی برتی تھی، مگر انھوں نے خود بطیب خاطر اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔<sup>(۱)</sup>

۱۶۔ رسول اللہ کی بعثت عامہ

مارگولیتھ مدعی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے کوئی خط جزیرہ عرب کے باہر کے بادشاہوں اور امرا کو نہیں لکھا (تاریخ اسلام ج ۱ ص ۱۵۷) میور کہتے ہیں کہ ”آپ نے بعثت سے لے کر وفات تک عربوں کے سوا کسی اور ملک کے لوگوں کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔“ بروکلن نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ کہتے ہیں ”یہ ثابت کرنا آسان نہیں جب کہ نبی خود باور کر رہے تھے کہ وہ عالمی پیغمبر ہیں اور انھیں ساری دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچانے کی دعوت دی گئی ہے۔“ (تاریخ الشعوب الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۷۱)

قرآن مجید نے خود ہی بعثت نبوی کی صحیح نوعیت اس طرح واضح کر دی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ  
بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا: ۲۸)

ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے  
لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

نیز

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ  
(انبیاء: ۱۰۷)

ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر ساری دنیا کے  
لئے رحمت بنا کر۔

(۱) حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت سودہؓ جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو خیال ہوا کہ شاید آنحضرت صلعم طلاق دے دیں اور وہ شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، اس بنا پر انھوں نے اپنی باری خوشی خوشی حضرت عائشہؓ کو دے دی، اتنی سی بات کو مستشرقین نے افسانہ بنا دیا کہ آنحضرت صلعم کو اور بیویوں کی طرح ان سے محبت نہ تھی اور آپ نے ان سے نماز اپنا تعلق ختم کر لیا تھا۔ نعوذ باللہ من ہفواتہم

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ کے واسطے سے آپ کا یہ ارشاد کرامی نقل کیا ہے۔

مُنْتِ پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں، ہر نبی خاص اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں ہر کالے گورے (ساری دنیا) کے لئے مبعوث ہوا۔

اعطيت خمسا لم يعطهن احد  
قبلي كان كل نبى يبعث الى قومه  
خاصة وبعثت الى كل احمر و  
اسود.  
(صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوة)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مجھے دوسرے نبیوں پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے اور رعب اور دھاک کے ذریعہ فتح و نصرت دی گئی اور مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا اور تمام روئے زمین میرے لئے پاک اور مسجد بنائی گئی اور میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی اور میری ذات پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہوا۔

فضلت على الانبياء بست  
اعطيت جوامع الكلم ونصرت  
بالرعب واحلت لي الغنائم  
وجعلت لي الارض طهورا  
ومسجدا وارسلت الى الخلق  
كافة وختم بي النبيون (صحیح مسلم  
کتاب المساجد ومواضع الصلوة)

**۱۷۔ اسلامی فتوحات** | ڈر منگھم، سنت نبویؐ سے ناقص واقفیت کی بنا پر بہت سی حدیثوں کے منکر ہیں اور انھیں خلفاء اور جنگی قائدوں کا اضافہ بتاتے ہیں، ان کی متابعت اور ہمنوائی کرنے والے وہ مستشرقین بھی بڑی تعداد میں ہیں جو آنحضرت ﷺ کو حدیثوں کی وجہ سے بدفطعن بناتے ہیں اور خاص طور پر ان حدیثوں کی وجہ سے آپ کی شخصیت کو مطعون بھی کرتے ہیں اور ان کا انکار بھی کرتے ہیں، جن میں قیامت سے قبل کے واقعات کا ذکر ہے، یا اسلامی فتوحات کے بارہ میں پیشگوئی کی گئی ہے جیسے وہ حدیثیں جن کی امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اس طرح کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

میری رعب اور دھاک کے ذریعہ مدد کی گئی  
خواب میں مجھے زمین کے خزانوں کی  
کنجیاں دی گئیں اور وہ سب میرے آگے

نصرت بالرعب وبينما انا نائم  
اتيت سمفتاح خزائن الارض  
فوصعت بين يدي... قال ابو هريرة

فذهب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم وانتم تستلوا بها (صحیح مسلم  
کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)  
رکھ دی گئیں، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں  
کہ رسول اللہؐ کا تو انتقال ہو گیا، مگر تم لوگ  
زمین کے خزانے نکال رہے ہو۔

اسی طرح ایک حدیث میں فتح قسطنطنیہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور بعض دوسری حدیثوں  
میں فارس و روم کی فتح اور دجال پر غلبہ کا ذکر ہے۔

مستشرقین کے نزدیک یہ سب حدیثیں درست نہیں جو ان کے قلت علم اور حدیث سے  
ناقص واقفیت کا نتیجہ ہے۔

۱۸۔ جہاد | ڈرمنگھم کے نزدیک جہاد کا حکم صرف نبی کی زندگی تک کے لئے تھا، وہ آیات  
جہاد کو عام نہیں مانتے۔

اس نلطی میں وہ سب مستشرقین شریک ہیں، جن کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا،

اس کا مغربی استعمار نے اس ڈر سے کہ اسلام دنیا کو نیست و نابود کر دے گا، خوب پروپیگنڈا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی آیتیں دو طرح کی ہیں، ایک تو وہ ہیں جو مخصوص و متعین غزوات

بدر، احد اور خندق وغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں، دوسری طرح کی آیات کا تعلق کسی خاص غزوہ

سے نہیں ہے، بلکہ ان میں دوام و استمرار کی شاہن پائی جاتی ہے، اس لئے وہ دائمی ہیں، بلکہ متعین

غزوات کے بارہ میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ان کے متعلق بھی علمائے تفسیر کا یہی خیال ہے، اور وہ

کہتے ہیں کہ ان میں لفظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا اور خاص سبب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح جہاد اور اس کے فضائل سے متعلق حدیثیں بھی دائمی ہیں۔

ان دلائل و شواہد کی موجودگی میں کون ان مستشرقین کی باتوں کو باور کرے گا۔

۱۹۔ غزوہ حنین | ڈرمنگھم لکھتے ہیں ”غزوہ حنین کے خاتمہ کے بعد لوگ قیدی عورتوں پر

پل پڑے۔“ یہ دعویٰ کتب سیر کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے، تاریخ طبری اور سیرت ابن

بشام میں ہے۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ اور مال غنیمت

کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں۔ (تاریخ طبری ج ۳

ص ۸۱، ابن بشام ج ۲ ص ۲۹۴)

ابن جریر طبری دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”آپ نے طائف کی روانگی کے وقت ہوازن کے اسیروں کے بارہ میں حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں، ان کے کچھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا، ان کا ایک وفد خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ اللہ کے رسول ہم لوگ مصیبت زدہ ہیں، ہم پر احسان کیجئے، ارشاد ہوا تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں تمہیں زیادہ محبوب ہیں یا تمہارا مال و اسباب؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور بنی عبدالمطلب کے حصہ میں جو کچھ تھا واپس کر دیا، اس طرح اور لوگوں نے بھی ان کی اولاد اور عورتوں کو واپس کر دیا۔“ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۸۶)

ابن اثیر فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور مال غنیمت کو جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور بدیل بن ورقا خزاعی کو ان کی نگرانی کے لئے مامور فرمایا۔“ (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۶)

ان تصریحات سے تو یہ معلوم ہوا کہ غزوہ حنین کے بعد قیدی عورتوں سے کسی قسم کی بدسلوکی نہیں کی گئی، بلکہ ان کی مکمل حفاظت کے خیال سے انہیں جعرانہ جیسے دور دراز مقام پر رکھا گیا، اور بدیل بن ورقا کو ان کی نگرانی سپرد کی گئی، پھر قبیلہ ہوازن کے جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا گیا، اس تمام جتن کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان پر دست درازی کی گئی۔

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

یہ اور اس کی طرح کی بے شمار غلطیاں مستشرقین بالقصد اس لئے کرتے ہیں کہ اسلام اور بادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ہدف طعن و تشنیع بنائیں، انہیں مستشرقین کی فروگذاشتیں اور خطائیں کبرہ کر ہم ان سے صرف نظر نہیں کر سکتے، ان کا مقصد تو شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے۔



# امام اشعری اور مستشرقین

مولانا مرزا احمد یوسف

استاد مدرسہ عالیہ، رامپور

مستشرقین کی علمی خدمات اپنی جگہ پر قابلِ صد ستائش ہیں، مگر دیانت کا تقاضا ہے کہ ان کی تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر سے اوجھل نہ رہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی سعی و کوشش کے طفیل میں مشرق کے بہت سے علمی نوادر جو نقش و نگار طاقِ نسیاں بن چکے تھے، از سر نو اجاگر ہو گئے، مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی تحقیق کے پردے میں بسا اوقات انتہائی خطرناک مقصد پنہاں رہتا ہے، وہ اسلامی تاریخ کے غیر اہم اور دھندلے نقوش کو بھی اپنے مخصوص سیاسی مقاصد کے پیش نظر نمایاں کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، شعوبہ کی تحریک کوئی اہم اجتماعی تحریک نہیں تھی، صرف ایک ادبی تحریک تھی، جو چند اہل ادب تک محدود رہی، اور طبقہ عوام اس سے آشنا بھی نہیں ہوا، مگر مسٹر براؤن نے جن کا شمار اسلامیات کے مسنین کی صف اول میں ہوتا ہے، اپنے قلم کی چابک دستی سے اس کو وہ شوخ رنگ بخشا جس نے ایران و توران اور ترک و عرب کی تفریق کو زندہ کر دیا۔

نقاشانِ فرنگ نے اس قسم کے دھندلے نقوش ہی کو نمایاں کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایسے ایسے افسانے تراشے جن کا کوئی وجود ہی نہیں تھا، اسلامی شریعت و فقہ تمامہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے، مگر گولڈزیہر نے یہ افسانہ تراشا کہ اسلامی فقہ رومن قانون سے ماخوذ ہے، اس افسانہ نے آگے چل کر ایک امر واقعہ کی حیثیت حاصل کر لی اور آج ایک جماعت کا جس نے محمد ان لاکامطاعہ انگریزی کی کتابوں کی مدد سے کیا ہے، خیال ہے کہ اسلامی فقہ بڑی حد تک رومن الا سے متاثر ہوئی ہے۔

اس لئے حزم و احتیاط کا مقتضا ہے کہ مستشرقین کی علمی و تحقیقی کاوشوں کو آنکھ بند کر کے نہ مان لیا جائے، ہماری خوش فہمی ملاحظہ ہو کہ ہم مستشرقین کی ہر علمی کوشش کو بڑی فراخ دلی سے احسن و



مرحبا کہنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

حال ہی میں ایک امریکن مشنری رچرڈ جوزف مکارٹھی نے ”الاشعری کی دینیات“ کے نام سے ایک کتاب شائع ہے، جو باوجود کوشش کے میرے مطالعہ میں نہ آسکی، جناب عابد رضا خاں صاحب بیدار رامپور نے معارف اکتوبر ۱۹۵۵ء میں اس کا تعارف کرایا ہے، اس کی روشنی میں اس کتاب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

”الاشعری کی دینیات“ امام اشعری کی کتاب للمع اور استحسان الخوض فی الکلام کے عربی متون اور انگریزی تراجم پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ چار ضمیمے بھی ہیں، جن میں سے ایک ضمیمہ میں امام اشعری کی تصانیف کی فہرست ہے۔

جہاں تک کتاب اللع کی اشاعت کا تعلق ہے، ہم مسٹر مکارٹھی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس اہم کتاب کو شائع کر کے ایک بڑے مفکر اسلام کے افکار عالیہ سے براہ راست آشنا ہونے کا ہم کو موقع دیا ہے۔

مسٹر مکارٹھی نے ”کتاب اللع“ امریکی یونیورسٹی بیروت کے قلمی نسخہ کی مدد سے شائع کی ہے، معلوم نہیں اس کی تصحیح و مقابلہ میں انہوں نے اس نسخہ کے علاوہ دوسرے نسخوں سے بھی مدد لی ہے یا نہیں، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے، جس کی نشاندہی بروکلین نے اپنی ”تاریخ الادب العربی“ میں کی ہے<sup>(۱)</sup>، ابتدا سے بدعتی فرقوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اکابر علمائے اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیتے ہیں، جن سے ان بزرگوں کا دامن پاک تھا، اس لئے علماء نے کسی کتاب کے قابل اعتماد ہونے کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ ثقہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہ چکی ہو، چنانچہ ریٹرنے امام اشعری کی کتاب ”مقالات الاسلامیین“ جن نسخوں کی مدد سے ایڈٹ کی ہے، ان میں سے ایک نسخہ شہرستانی کے استعمال میں رہ چکا ہے۔<sup>(۲)</sup>

دوسری شرط یہ رکھی تھی کہ کتاب کی مسلسل روایت مصنف تک ثابت ہو، لیکن یہ شرط ان زمانہ میں پوری نہیں ہو سکتی، اس لئے اس کے بجائے یہ شرط ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ اس کتاب کے مباحث کی تائید دوسری مشہور و متداول کتابوں سے ہوتی ہو، چنانچہ ریٹرنے ”مقالات الاسلامیین“ کے مباحث کی تائید میں ملل و نخل کی دوسری کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔

(۱) بروکلین تاریخ الادب العربی ملحق جلد اول صفحہ ۳۴۵ رقم ۳ (ضمیمہ فہرست برٹش میوزیم صفحہ ۷۲ پر اس کتاب کا ذکر ہے) (۲) مقالات الاسلامیین جلد اول مقدمہ ناشر ص ۵

معلوم نہیں مسٹر مکارتنی نے ان شرائط کا کہاں تک لحاظ رکھا ہے، اس کے بغیر اس قسم کی کتابوں کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے امام اشعری کی ”الابانۃ عن اصول الدیانۃ“ جو دارۃ المعارف حیدرآباد سے پہلی مرتبہ ۱۳۳۱ھ اور دوبارہ ۱۳۶۵ھ میں شائع ہوئی ہے، اہل نظر کے نزدیک مشکوک الصحت ہے، چنانچہ استاذ الکوثری نے تبیین کذب المفتری پر اپنی تعلیقات میں لکھا ہے۔

”والنسخة المطبوعة فی الهند من الابانہ نسخة

مصحفة محرقة تلاعبت بها الایادی الدثیمہ فیجب اعادۃ

طبعها من اصل وثیق.“ (۱)

یہ اس کتاب کا حال ہے، جو ایک مسلمان ادارے اور ایک مسلمان مطبع سے مسلمان مصنفین کی نگرانی میں شائع ہوئی ہے، ایسی صورت میں اس کتاب کے متعلق قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں، جو ایک امریکن مشنری نے ایک مسیحی کتب خانہ کے مخطوط کی مدد سے ایک مسیحی یونیورسٹی کے زیر سرپرستی ایک کیتھولک پریس سے شائع کی ہے، ہم کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتے، لیکن کسی کتاب کی صحت کے لئے ناشرین کی نیک نیتی بھی شرط ہے، جس کی توقع ایک مشنری اور ایک کیتھولک پریس سے نہیں کی جاسکتی ہے۔

گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ شیخ سعدی ایک مکان کرایہ پر لینا چاہتے تھے، اس کا پڑوسی ایک یہودی تھا، اس نے آ کر مکان کی بہت زیادہ تعریف کی، شیخ سعدی نے سب کچھ سن کر کہا کہ جی ہاں! اس کی سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ آپ کی بمسئگی سے سابقہ پڑے گا! یہی حال مستشرقین کی شائع کردہ کتابوں کا بھی ہے۔

الاشعری کی ”دینیات“ کا سب سے زیادہ قابل قدر حصہ اس کے مداحین کی نظر میں کتاب کا وہ ضمیمہ ہے جس میں امام اشعری کی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے، لیکن مجھے مسٹر مکارتنی کی مرتبہ فہرست میں کوئی خاص ندرت نظر نہیں آئی، امام ابوالحسن الاشعری کی تصانیف کی تعداد دو تین سو کے قریب ہے، جیسا کہ ابن عساکر نے تبیین کذب المفتری میں روایت کی ہے:

اخبرنی الشیخ ابو القاسم بن نصر  
مجھ سے شیخ ابوالقاسم بن نصر الواعظ نے

(۱) تبیین کذب المفتری ص ۲۸ حاشیہ۔ ابانہ کا جو نسخہ ہندوستان میں چھپا ہے، وہ ایک ایسے نسخہ سے چھاپا گیا ہے جس میں بہت زیادہ تصحیف و تحریف ہوئی ہے اس لئے اسے دوبارہ ایک قابل اعتماد نسخہ سے شائع کرنا ضروری ہے۔

اپنی کتاب میں غدا ابی المعالی بن  
عبد الملک القاضی سے روایت کیا ہے جو  
دی کہ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک  
قابل اعتماد شخص سے سنا کہ میں نے امام  
ابی الحسن الاشعری کے تراجم کتب کو سنا تو  
وہ دو تین سو سے زائد تھے۔

الواعظ فی کتابہ عن ابی المعالی  
بن عبد الملک القاضی قال  
سمعت من اثق به قال رأیت  
تراجم کتب الامام ابی الحسن  
الاشعری فعددتها اکثر من مائتین  
و ثلثمائة مصنف (۱)

ان میں سے مسٹر مکار تھی نے ایک سو چھ کتابوں کی فہرست دی ہے، حالانکہ ایک سو پانچ  
کتابوں کے نام حافظ ابن عسا کرنے تبیین کذب المفتری میں تفصیل ذیل نقل کئے ہیں۔  
(۱) بہتر کتابوں کے نام وہ ہیں جو ابن فورک نے امام اشعری کی کتاب العمد سے نقل کئے  
ہیں اور جو امام صاحب نے ۳۲۰ھ تک تصنیف کی تھیں۔ (۲)  
(۲) اٹھائیس کتابوں کے نام "العمد" کے حوالے کے علاوہ ابن فورک سے حافظ ابن  
عسا کرنے نقل کئے ہیں، جو امام صاحب نے ۳۲۰ھ کے بعد تصنیف کی تھیں۔ (۳)  
(۳) تین کتابوں کے نام حافظ ابن عسا کر کی اپنی دریافت ہیں۔ (۴)  
(۴) ایک کتاب "کشف الاسرار و ہتک الاستار" کا ذکر انھوں نے اس مقام  
پر کیا ہے، جہاں امام صاحب کے اعتزال سے تائب ہونے کا واقعہ نقل کیا ہے۔

(۱) تبیین ص ۱۳۶، اس روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ ممکن ہے، اس میں کچھ مبالغہ ہو، صحیح نہیں ہے، ایک سو  
کتابوں کے نام تو ابن فورک نے سنائے ہیں، ان کے علاوہ اور کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں، خود ابن فورک نے  
کہا ہے یہ ان کتابوں کے نام ہیں جو امام اشعری نے ۳۲۰ھ تک تصنیف کی تھیں، اوگوں کو جو لیچر (امالی) لکھا ہے یا  
لوگوں نے مختلف مقامات سے ان کے پاس سوالات بھیجے تھے اور جن کے انھوں نے جوابات دئے ہیں، ان کی  
تعداد اس کے علاوہ ہے، تبیین ص ۱۳۵ سطر ۱۳ اور یہ ظاہر ہے کہ امالی و فتاویٰ کی تعداد مستقل اور باضابطہ کتابوں  
سے کہیں زیادہ ہو کر تھی ہے، اس طرح امام اشعری کی تصانیف کا دو تین سو ہونا مستبعد نہیں بلکہ قرین قیاس ہے۔  
(۲) مسٹر مکار تھی نے صرف ۶۹ کتابیں سنائی ہیں لیکن نمبر ۱۲۰ اور ۴۹ دو دو کتابیں ہیں، ایک زمانہ اعتزال کی تصنیف  
اور ایک اعتزال سے تائب ہو جانے کے بعد کی، ایک کتاب "کتابانی مقالات الفلاسفة خاصہ" کا ذکر ہی نہیں کیا،  
اس طرح اس ضمن میں بہتر کتابیں ہوتی ہیں۔ (۳) مسٹر مکار تھی نے صرف ۲۶ کتابیں کہنا کی ہیں لیکن نمبر ۸۳ اور  
نمبر ۸۷ دو دو کتابیں ہیں، اس کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر آنے کی، اس طرح اس ضمن میں اٹھائیس کتابیں آتی  
ہیں (۴) تبیین ص ۱۳۵

و دفع الكتاب الی الناس فمنها  
 "كتاب اللمع" و کتاب اظهر فیه  
 عوارض المعترضة سماه بکتاب  
 کشف الاسرار و تحتک الاسرار (۱)  
 اور لوگوں کو اپنی کتابیں دیکھنے کے لئے  
 دیں، ان میں سے ایک کتاب اللمع تھی اور  
 ایک دوسری کتاب تھی، جس میں معتزلہ کی  
 کمزوریوں کو بے نقاب کیا تھا اور اس کتاب  
 کا نام کشف الاسرار و تحتک الاسرار تھا۔

(۲) ایک کتاب "الابانہ عن اصول الدیانہ" کا ذکر انھوں نے تبیین کذب المفتری  
 کے آئینہ میں کیا ہے کہ امام ابو عثمان الصابونی جب درس لکھنے تشریف لے جاتے تو الابانہ ان کے  
 ہاتھ میں ہوتی۔

ان الامام ابان عثمان اسماعیل بن  
 عبدالرحمن الصابونی  
 النیسابوری قال ما کان یخرج  
 الی مجلس درسه الا و بیده  
 کتاب الابانہ لابی الحسن  
 الأشعری ویظهر الاعجاب به (۱)  
 امام ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمن  
 الصابونی النیسابوری جب اپنے حلقہ  
 درس میں تشریف لے جاتے تو امام  
 اشعری کی الابانہ ان کے ہاتھ میں ضرور  
 ہوتی، اور وہ اس کی بہت زیادہ تعریف  
 کیا کرتے تھے۔

اس طرح حافظ ابن عساکر نے امام اشعری کی ایک سو پانچ کتابوں کے نام نقل کئے ہیں، ان  
 کے علاوہ مسٹر مکارٹی کی فہرست میں صرف پانچ کتابیں ایسی رہ جاتی ہیں، جن کا ذکر تبیین کذب  
 المفتری میں نہیں ہے، اور جن کی دریافت کا سبرا مستشرقین کے سر بتایا جاتا ہے، ان کی نوعیت یہ ہے۔  
 ۱۔ کتاب التبیین عن اصول الدین: اس کا نام ابن الندیم نے الفہرست میں دیا ہے، مگر  
 خود مسٹر مکارٹی کا خیال ہے کہ "ہوسکتا ہے کہ یہ ابانہ ہو" اور یہ قرین قیاس بھی ہے، کیونکہ "الابانہ عن  
 اصول الدیانہ" اور "کتاب التبیین عن اصول الدین" کا مفہوم ایک ہی ہے، اس لئے یہ ابن عساکر  
 پر کوئی نیا اضافہ نہیں ہے۔

۲۔ رسالہ استحسان الخوض فی علم الکلام: (مطبوعہ ۱۳۲۳ھ ۱۳۲۴ھ) غالباً یہ رسالہ الحث علی  
 الحجث (۳) ہے، کیونکہ استحسان الخوض فی علم الکلام اور الحث علی الحجث کا ما حاصل ایک ہی ہے۔

(۱) تبیین ص ۳۹ سطر ۱۹۔ مکارٹی کی فہرست میں نمبر ۱۰۶ (۲) تبیین ص ۳۸۹ مکارٹی کی فہرست میں نمبر ۱۰۵  
 (۳) ایضاً

۳۔ رسالہ کتب بہا الی اہل الشیخوۃ والیہ النیر الیہ استقام الدین ملت سے  
جامعہ استنبول سے شائع کیا ہے (۱) ، غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا نام پتھر سے لکھ کر  
مسائل کتب بہا الی اہل الشیخوۃ تیسرے مسائلوا عند من مذهب اہل الحق  
بتایا ہے، کتابوں کے تسمیہ میں اس قسم کے اختلافات قدام کے بہاوی علم میں، چنانچہ رشاد کی  
نشر کردہ مقالات الاسرار میں و اختلافات المصلحین کا نام نہیں لکھا ہے، لیکن مقالات  
مقالات المسلمین پر مشتمل مجموعہ اختلافاتہم و مقالاتہم ہے، لیکن مقالات  
الاسرار کے یہ نچھٹے طاس کے نام جن کی مدد سے اس کتاب کے مسائل اور تسمیہ کی تسمیہ  
۱۔ جامع ایضوفی کے قدیم نسخہ کا نام ہے، کتاب مقالات الاسرار اور اس کے  
۲۔ جامع ایضوفی کے دوسرے نسخہ کا نام ہے، کتاب مقالات الاسرار اور اس کے  
۳۔ جامع ایضوفی کے تیسرے نسخہ پر کوئی تسمیہ نہیں ہے، لیکن اس میں نام ہے  
۴۔ حیدرآباد کے نسخہ کے معنی عنوان پر الشیخوۃ النیر الیہ مقالات الاسرار اور اختلافات  
المصلحین مرقوم ہے، لیکن نام کتاب پر کتابہ مقالات الاسرار والاختلافات الاسرار  
۵۔ ترمذی اسماعیل افندی کے نسخہ کے آخر میں اس کا نام مقالات الاسرار اور اختلافات  
والمصلحین للشیخوۃ سقانی بلکہ لغزہ میں للاختلافات الاسرار اور اختلافات الاسرار  
کے پیش نظر ہے، مگر اسوں نے ان شاء اللہ اس کے نام کو اس کے نام سے لکھا ہے۔  
منہاج السنہ میں لکھا ہے۔

ومن اجمع الکتاب التي وانتهت في  
مقالات النحاس المصنوع في  
اصول الدين كتاب في التفسير  
الاشعري (۲)

ان تصریحات کے بعد آسانی کے ساتھ اس کتاب کے ایک ہی نسخہ کے  
کرتے تھے اس لئے یہ بیخوبی تائیں بالترتیب سے اس کتاب کی فہرست میں لکھا گیا ہے  
ہیں اور اس کے نہیں کوئی پناہ خداف نہیں سمجھا جاسکتا۔

۴۔ کتاب الامام یہ نام حدیثیہ ہے، کتاب اس کے نام سے کتاب الامام اور اس کے  
ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی مصنف نے اسے مشہور دینی سے طور پر امام اشعری کی کتاب کا (جو ماہرین  
عساکری فرست میں محسوب ہو چکی ہے) کتاب امام کے نام سے بحال دیا ہو۔

(۱) مقالات الاسرار میں ج اول مقدمہ ناشر (۲) منہاج السنہ ج اول ص ۷۷

۵۔ قول جملہ اصحاب الحدیث و اهل السنة فی الاعتقاد: کسی مصرحہ حوالے کے بغیر اسے بھی مستقل نہیں مانا جا سکتا۔

غرض ایک سو چھ کتابوں کی فہرست میں سے جو مسٹر مکار تھی نے دی ہے، ایک سو ایک کتابیں وہ ہیں جن کے نام حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تبیین کذب المفتری میں دے دیے ہیں، باقی پانچ کا اضافہ جن کی دریاختہ سیرا مستشرقین کے مرتبہ حد درجہ مشکوک ہیں، کیونکہ ان کتابوں میں تین کتابیں نام بدل کر شائع ہوئی ہیں، جو حقیقتہً وہی ہیں جو ابن عساکر کی فہرست میں مرقوم ہیں، اور دو کتابوں کا اضافہ کسی مصرحہ حوالے کے بغیر ناقابل تسلیم ہے۔

اس لئے ایک سوا ایک کے بعد جو اضافہ ہے، وہ کنش ہجرتی کا ہے اور حقیقتہً ان مستشرقین نے حافظ ابن عساکر کی فہرست پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا، لیکن اگر مستشرقین کے اضافے کو مستقل تصانیف بھی مان لیا جائے اور حافظ ابن عساکر کی فہرست سے "الایمانہ عن اصول الدیانہ" اور "کشف الاسرار و ہتک الاستار" کو جن کا ذکر فہرست کتب کے علاوہ نہیں ہوا ہے، ساقط کر دیا جائے تب بھی حافظ ابن عساکر نے کم از کم ایک سو تین کتابوں کی یکجائی فہرست تو دی ہے، اور غالباً اس ایک سو تین (حافظ ابن عساکر کی فہرست) اور ایک سو چھ (مسٹر مکار تھی کی فہرست) میں کچھ ایسا فرق نہیں ہے، جو مسٹر مکار تھی کے لئے وجہ امتیاز بن سکے۔

باقی لہو کا کر شہیدوں میں داخل ہونے کے لئے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ تین کتابوں کا ذکر استاد ابو منصور عبد القادر البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ کی کتاب الفرق بین الفرق میں ہے، جو امام اشعری نے نظام معترزی کے رد میں لکھی تھیں، "ولشیخنا ابی الحسن الاشعری رحمہ اللہ فی تکفیر النظام ثلثہ کتب" (۱) مگر یہ کوئی اضافہ نہیں ہے، کیونکہ ان تین مجہول الاسم کتابوں کا ذکر حافظ ابن عساکر کی فہرست میں آچکا، ایک جلد سراجہ و الفنا کتابا کبیرا فی الصفات... علی النظام (۲) اور متعدد جگہ آتا ہے۔

مسٹر مکار تھی نے ان کتابوں کے موضوع تحریر کئے ہیں، مگر وہ اپنے ابہام و اغلاق کی وجہ سے چیتان بن گئے ہیں، جن سے کتاب کے مباحث کے متعلق کسی رہنمائی کے بجائے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اس کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) الفصول: ملاحظہ، فلاسفہ، مادیتین، حلوتین اور ان لوگوں کے رد میں جو عالم وازلی

(۱) الفرق بین الفرق ص ۱۱۵۔ اور تمارے شیخ امام ابو الحسن الاشعری نے نظام کی تکفیر میں تین کتابیں لکھی ہیں۔

(۲) تبیین صفحہ ۱۲۹ ط ۱۳-۱۵

مانتے ہیں (۱) اصل میں ہے۔

الفصول فی الرد علی الملحدین  
والخارجین عن الملة كالفلألسفة  
والطباعین والدھریین واهل  
التشبیہ والقائلین بتقدم الدھر

الفصول ملاحظہ اور ان لوگوں کے رد میں  
ہے جو اسلام سے خارج ہیں جیسے فلاسفہ،  
اہل الطباع (یا مادیتین) اور ایسے مشبہ اور  
زمانہ و قدیم ماننے والے۔

جن لوگوں کے خارج ہونے کا مطلب اسکا ہے کہ مطلقاً کیسے وہ جانتے ہیں کہ "اہل التشبیہ" اور  
"خویشین" میں بہت برافرتی ہے، اول الذکر وہ فرقہ ہے، جو خالق و مخلوق کی صفات سے منصف  
گزارتا ہے اور ثانی الذکر وہ جو مخلوق و خالق کی الوہیت کا اوتار (Incarnation) مانتا ہے، اور ان  
دونوں میں بعد اترتوں کے ساتھ یہاں پہلے غیر القاب البیور اولیٰ سے الخلق میں الخلق کے باب  
تالیف کی فصل میں فرمایا ہے۔

المفصل الثامن فی بیان التشبیہ من  
اصناف شتی: اعلموا اسعدکم  
اللہ ان المشبہة صفات منصف  
شبهوا ذات الساری بذات غیرہ  
وصنف آخرون شبهوا صفاتہ  
بصفات غیرہ فمنہم البیانیہ  
اتباع بیان بن سمعان الذی زعم  
ان معبودہ انسان من تور علی  
صورة الانسان فی اعضائه وانہ  
یفنی کلہ الاوجہہ ومنہم  
المغیریہ زعم ان معبودہ  
ذو اعضاء ومنہم الکرامیہ فی  
دعواہا ان اللہ تعالیٰ جسم لہ

آخروں فصل فرقہ مشبہ کے مختلف فرقوں  
کے ذکر میں، جاننا چاہئے اللہ تعالیٰ آپ و  
شیخ بخت ہائے کہ مشبہ کی دو قسمیں ہیں  
ایک تو وہ جو ذات باری کو غیر باری کی  
ذات سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دوسری قسم  
وہ جو ان کی صفات کو غیر باری کی صفات  
سے تشبیہ دیتے ہیں ان میں سے  
ایک بیانیہ ہیں جو بیان ابن سمعان کے  
تبع ہیں جو کہاں کرتا تھا کہ اس کا معبود نور  
کا انسان بشکل انسانی ہے، تمام اعضا  
میں اور وہ سوائے چہرہ کے جس کا  
ہو جائے اور ان میں سے ایک  
تعمیر یہ ہیں کہ ان کہتے ہیں کہ اللہ

(۱) معارف مغربی ۲۹۶-۱۹۷ (یہاں اور متعدد معارف سے مراد معارف اہل التورہ ۱۹۵۵ء ہے۔) (۲) (۱)

معبود اعضا، والا ہے اور ان میں سے کرامیہ ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، اس کی حد و نہایت ہے اور وہ حوادث کا محل ہے اور وہ اپنے عرش سے ماس ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے ذات میں تشبیہ دینے والے ہیں اور اس کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینے والوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارادے کو اس کی مخلوق کے ارادے سے تشبیہ دیتے ہیں اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کے کلام کو اس کی خلق کے کلام سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حد و نہایۃ وانہ محل الحوادث  
وانہ مماس لعرشہ فہولاء  
مشبہہ للہ تعالیٰ بخلقہ فی ذاته  
فاما المشبہہ لصفاته بصفات  
المخلوقین فاصناف منہم شبہوا  
ارادۃ اللہ تعالیٰ بارادۃ خلقہ  
ومنہم الذین شبہوا کلام اللہ  
عزوجل بکلام  
خلقہ (۱)

یہ فصل فرقہ مشبہ کے ذکر میں ہے، لیکن فرقہ حلوایہ کا ذکر انہوں نے چوتھے باب میں

فرمایا ہے۔

اسی باب کی نوں فصل حلوایہ کے مختلف اصناف سے ذکر میں اور ان کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے بیان میں ہے، حلوایہ کل دن فرستے ہیں حلوایہ میں اس وجہ سے داخل ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ خدا ہو گئے کیونکہ خدا کی روح ان میں حلول کر گئی تھی۔ اسی طرح بیانہ کا گمان ہے کہ خدا کی روح انبیاء اور اماموں میں گردش کرتی رہی،

الفصل التاسع من هذا الباب في  
ذكر اصناف الحلوية وبيان  
خروجها من فرق الاسلام  
الحلوية في الجملة عشر  
فرق اما السببية فانما دخلت  
في جملة الحلوية لقولها بان  
عليها صار الها بحلول روح الاله  
فيه وكذلك البيانية زعمت ان  
روح الاله دارت في الانبياء



والائمة حتى انتهت الى علي  
 ثم حلت بعده في بيان بن سمعان  
 وكذلك الجناحية منهم  
 حلولية لدعواها روح الاله دارت  
 في علي واولاده فكفرت  
 بدعواها حلول الاله في زعيمها  
 والشريعية والشميرية منهم  
 حلولية لدعواها ان روح الاله  
 حلت في خمسة اشخاص النبي  
 وعلي وفاطمة والحسن  
 والحسين واما المقنعية كان  
 زعيمهم المعروف بالمقنع  
 زعم لا تباعه انه هو الاله وانه قد  
 تصور مرة في صورة آدم ثم  
 تصور في وقت آخر بصورة نوح  
 ثم انه زعم انه في زمانه الذي  
 كان فيه قد تصور بصورة هشام  
 بن حكيم وكان اسمه هاشم بن  
 حكيم واما الحلمانية من  
 حلولية انه كان يقول بحلول  
 الاله في الاشخاص الحسنة  
 وكان هو واصحابه اذ راوا  
 صورة حسنة سجدوا لها يوهمون  
 ان الاله قد حل فيها (۱)

یہاں تک کہ حضرت علی تک پہنچی  
 پھر بیان بن سمعان میں حلول کر گئی  
 اسی طرح جناحیہ ان میں سے حلویہ ہیں،  
 کیونکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدایٰ روح  
 حضرت علی اور ان کی اولاد میں گردش  
 کرتی رہی پس انہوں نے یہ دعویٰ  
 کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیشوا میں  
 حلول کر گیا، کفر کیا اور شریعیہ اور  
 شمیریہ ان میں سے حلویہ ہیں۔ کیونکہ وہ  
 دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا کی روح پانچ  
 اشخاص یعنی نبی، علی، فاطمہ، حسن اور  
 حسین میں حلول کر گئی اور مقنعیہ تو  
 ان کا پیشوا ایک شخص مسمیٰ بالمقنع تھا  
 اپنے پیروؤں کے لئے گمان کیا کرتا کہ وہ  
 خدا ہے، اور یہ کہ ایک مرتبہ اس نے  
 حضرت آدم کی صورت اختیار کی، پھر  
 دوسری مرتبہ حضرت نوح کی اور پھر اس  
 نے گمان کیا کہ اپنے زمانہ میں وہ ہشام  
 بن حکیم کی صورت میں نمودار ہوا، اور اس  
 کا نام ہاشم بن حکیم تھا اور حلمانیہ  
 حلویہ سے ہیں وہ کہتا تھا کہ اللہ  
 تعالیٰ کی روح خوبصورت شخصوں میں  
 حلول کر جاتی ہے اور وہ اور اس کے پیرو  
 جب کسی اچھی صورت کو دیکھتے ہیں تو  
 سجدہ کرتے اور یہ وہم کرتے کہ اللہ تعالیٰ  
 اس میں حلول کر گیا ہے۔

(۱) الفرق بین الفرق ص ۲۳۱-۲۳۵

غالباً اس تصریح کے بعد تشبیہ اور حلول کا فرق معلوم ہو گیا ہوگا، مگر مسٹر مکار تھی نے اور اس کی تقلید میں بیدار صاحب نے "اہل التشبیہ" کو "حلویین" بنا دیا۔

(۳) کتاب فی خلق الاعمال: معتزلہ اور قدریہ کے عقیدہ خلق اعمال کے رد میں۔<sup>(۱)</sup>

معتزلہ اور قدریہ اور عقیدہ خلق اعمال؟ یہ بھی ایک رہنما اور اس پر امام اشعری کا رد گویا کہ وہ عقیدہ خلق اعمال کے منکر تھے، اصل میں ہے۔

ہم نے عقیدہ خلق اعمال کے اثبات میں ایک کتاب تصنیف کی جس میں معتزلہ اور قدریہ جو عقیدہ خلق اعمال کے خلاف دلائل قائم کیا کرتے تھے، اس کا رد کیا ہے، اس باب میں ان کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

والفصا کتابا فی خلق الاعمال  
نقصنا فیہ اعتلالات المعتزلة  
والقدریة فی خلق الاعمال  
و كشفتنا عن تمویہہم فی  
ذک

یہ تو امام اشعری اپنی کتاب کا موضوع بتاتے ہیں، مگر مسٹر مکار تھی نے اس کو بالکل ہی الٹا کر دیا

نے، کہ معتزلہ و قدریہ عقیدہ خلق اعمال کے قائل تھے اور امام اشعری نے عقیدہ خلق اعمال کا رد کیا ہے۔

شرح المواقف میں ہے۔

پس بندہ کا فعل باعتبار ابداع و احداث  
(نو پیدا ساختن) اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا  
ہوگا اور بندے کا کسب کیا ہوا اور یہ  
شیخ ابوالحسن الاشعری کا مذہب ہے۔

فیکون فعل العبد مخلوقا لله  
تعالیٰ ابداعا و احداثا و مکسوبا  
للعبد وهذا مذہب الشیخ ابی  
الحسن الاشعری.

اسی طرح امام عبدالکریم الشہرستانی نے الملل والنحل میں امام اشعری کے مسلک کے نشمن میں افعال عباد کے متعلق ان کا مذہب اس طرح نقل کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ واحد ہے جو قدیم اور  
ازلی ہے اور جو متعلق ہے اس کے بندوں  
کے تمام افعال کے اس حیثیت سے کہ وہ  
افعال مخلوق ہیں۔

وارادته واحدة قديمة ازلیة  
متعلقة بجميع افعال عبادہ من  
حیث انہا مخلوقة<sup>(۳)</sup>

اس فعل کا نام کسب رکھا جاتا ہے پس یہ

یسمى هذا الفعل کسبا فیکون

(۱) معارف ص ۲۹۷-۲۹۸ (۲) تبیین ص ۱۲۹-۱۳۰ (۳) الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ ص ۴۴

خلقاً من اللہ تعالیٰ ابداعاً  
واحداثاً وکسباً من العبد حصولاً  
تحت<sup>(۱)</sup> قدرته

فعل بحیثیت ابداع و احداث اللہ تعالیٰ کی  
جانب سے خلق کیا ہوا ہوتا ہے اور  
بندے کا کسب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی  
قدرت کے تحت میں حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح امام عبدالقادر البغدادی نے الفرق بین الفرق میں اشاعرہ کے مذہب کے  
متعلق لکھا ہے۔

انه (ای اللہ) خالق اکساب العباد  
ولا خالق غیر اللہ خلاف قول من  
زعم من القدریة ان اللہ تعالیٰ لم  
یخلق شیئاً من اکساب العباد<sup>(۲)</sup>

وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) بندوں کے افعال کا  
خالق ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی  
خالق نہیں ہے، برخلاف قدریہ کے ایک  
گروہ کے قول کے جن کا گمان ہے کہ اللہ  
تعالیٰ نے بندوں کے افعال میں سے کسی  
چیز کو پیدا نہیں کیا۔

اسی طرح امام رازی نے الاربعین فی اصول الدین میں فرمایا ہے۔

الفرقة الرابعة الذين يقولون لا  
تأثیر لقدرة العبد فی الفعل وفي  
صفة من صفات الفعل بل اللہ  
تعالیٰ یخلق الفعل و یخلق قدرة  
متعلقة بذلك الفعل ولا تأثیر  
لتلك القدرة البتة فی ذلك  
الفعل وهذا قول ابی الحسن  
الاشعری<sup>(۳)</sup>.

فرق چہارم وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ  
بندے کی قدرت کی، فعل یا فعل کی  
صفات میں سے کسی صفت میں کوئی تاثیر  
نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ فعل کو پیدا کرتا  
ہے، اور اس سے متعلق جو قدرت ہوتی  
ہے اسے پیدا کرتا ہے اور اس قدرت کی  
اس فعل میں کوئی تاثیر نہیں ہے، اور یہ  
امام ابوالحسن الاشعری کا قول ہے۔

اور خود امام ابوالحسن الاشعری اپنی کتاب ”الابانہ عن اصول الدیانہ“ میں اپنا مذہب تحریر

فرماتے ہیں کہ

اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے

وانه لا خالق الا اللہ وان اعمال

(۱) الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ ص ۳۳ (۲) الفرق بین الفرق ص ۳۲ (۳) الاربعین للامام الرازی ص ۲۲۸

العبد مخلوقه مقدره كما قال:  
حائقم وما تعملون<sup>(۱)</sup>

اور بندوں کے اعمال مخلوق ہیں مقدر میں  
جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ  
نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو

اس کے برعکس معتزلہ قدریہ کہ انسان کو اپنے افعال کا موجد سمجھتے تھے، شرح مواقف  
میں ہے۔

اور معتزلہ نے یعنی اکثر معتزلہ کہتے ہیں  
کہ وہ (یعنی بندوں کے اختیاری افعال)  
صرف بندوں کی قدرت سے واقع  
ہوتے ہیں استقلالاً بغیر کسی چیز کے  
واجب و لازم کئے ہوئے بلکہ اپنے ذاتی  
اختیار سے۔

وقالت المعتزلة ان اكثرهم وحي  
يعنى تعالى العباد الاختيارية  
واقدمه بقدره العبد وحدهما على  
سبيل الاستقلال بلا ايحاء  
بل اختيار.

اسی طرح امام محمد القاسم بن علی نے معتزلہ کے اصول میں لکھا ہے۔

اور معتزلہ کے مخصوص عقائد میں سے ان  
سب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں  
کے کسی فعل کا پیدا کرنے والا نہیں ہے اور  
نہ ہی حیوانات کے اعمال میں سے کسی  
چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

ومنها قولهم جعينا بان الله تعالى  
غير خالق لا كسباب الناس ولا  
بشيء من اعمال الحيوانات<sup>(۲)</sup>

اسی طرح امام رازی نے الجھل میں لکھا ہے۔

جمہور معتزلہ نے گمان کیا ہے کہ بندہ خود  
اپنے افعال کا پیدا کرنے والا ہے، اس  
طور پر نہیں کہ وہ ایسا کام کرنے پر مجبور ہو  
بلکہ اپنے ذاتی اختیار سے۔

وزعم الجمهور من المعتزلة ان  
العبد موجد لا على نعت  
الايجاب بل على صفة  
الاختيار<sup>(۳)</sup>

اور خود امام اشعری نے الابانہ میں معتزلہ اور قدریہ کے متعلق لکھا ہے۔

(۱) الابانہ للإمام الأشعري ص ۶ (۲) اشراق بين اشراق ص ۱۹۳ (۳) الجھل ص ۱۳۱

وزعموا انهم يفردون بالقدرة  
على اعمالهم دون ربهم فثبتوا  
لانفسهم الغنى عن الله عزوجل  
ووصفوا انفسهم بالقدرة على ما  
يصنعون الله عزوجل بالقدرة  
عليه<sup>(۱)</sup>

اور معتزلہ نے گمان کیا کہ وہ اپنے اعمال  
پر بغیر اپنے پروردگار کے قدرت رکھتے  
میں منفرد ہیں پس انھوں نے اپنی ذات  
کے واسطے اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کو  
ثابت کیا اور اپنے ان اعمال کو اس چیز پر  
آزاد کر دیا کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ  
پر قدرت کے ساتھ ہی اللہ عزوجل کی  
ابیت و متحفہ کرتے ہیں۔

ان قصص و حیات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اشعری نے خلق اعمال سے قائل تھے، مگر یہ کہ اللہ  
تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال کو خلق فرمایا ہے، بلکہ سلف صالحین کا عقیدہ تھا، چنانچہ ان کے عقائد  
سے شائخ الفدائی عہار کے موضوع پر ایک کتاب لکھی گئی ہے، اس کے علاوہ اپنی تصنیف میں متعدد  
آیات و احادیث کو تو شیعہ کے لئے ابواب قائم کئے ہیں، جن کا مقصد فرقہ معتزلہ کو روکنا ہے، ان کے  
واجبات کے مقابلے میں معتزلہ و قدریہ غدہ واسطے اعمال کا وجود بالاستقلال ماننے سے انکار اور ان کی  
سنت کے موقف کے خلاف دلائل قائم کرتے تھے، چنانچہ ان کے دلائل کو قاضی محمد الدین الہاشمی  
نے مواقف کے موقف خامس مرصد سادس مشہد اول میں اور امام رازی نے اکھمل (ص ۱۳۱)۔  
۱۳۲) میں اور اربعین (ص ۲۳۳-۲۳۴) میں تفصیل بیان کیا ہے اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے، لیکن  
اس تفصیل و تبصرہ کا اکثر حصہ امام اشعری سے ماخوذ ہے، مگر کچھ حصہ انھوں سے  
”الابانہ“ (ص ۵۶-۵۷) میں بیان کیا ہے۔

فرض امام اشعری سلف صالحین کی طرح خلق اعمال کے قائل تھے اور معتزلہ و قدریہ ان  
کے منکر اور امام صاحب نے اس کتاب میں منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، مگر مسلّم کا تھی یہ سمجھنا کہ  
معتزلہ و قدریہ خلق اعمال کے عقیدے کے معتقد تھے اور امام اشعری نے اس کتاب میں ان عقائد کا  
رد کیا ہے۔

(۴) کتاب البیہ فی استطاعت اس میں استطاعت کے بارے میں معتزلہ کے دلائل رد

کئے ہیں۔<sup>(۲)</sup> اصل میں ہے۔

ہم نے معتزلہ کے علی الرغم استطاعت

والفنا کتابا کبیرا فی الاستطاعة

(۱) الابانہ ص ۵۶ (۲) معارف ص ۲۹۷-۲۹۸

على المعتزلة نقضنا فيه  
استدلالا لاتهم على انها قبل الفعل  
ومسائلهم وحوادثهم<sup>(۱)</sup>

کے موضوع پر ایک مبسوط کتاب تصنیف  
کی جس میں معتزلہ کے ان دلائل کا رد  
کیا ہے جو وہ "الاستطاعت قبل  
الفعل" پر قائم کیا کرتے ہیں اور اس  
میں ان کے سوالات ہیں اور ان کے  
جوابات ہیں۔

کیا یہ مفہوم اس گمراہ کن ترجمے سے ادا ہو جاتا ہے؟ کیا اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ  
معتزلہ استطاعت قبل الفعل کے قائل تھے، یا استطاعت مع الفعل کے اور اشاعرہ کا مسلک کیا ہے، اور  
انہوں نے کس بات کی تردید کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "استطاعت" کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے، چنانچہ صرف اس مسئلے پر معتزلہ  
کے مذہب کو امام ابو الحسن اشعری نے "مقالات الاسلامیین" جلد اول کے ص ۲۲۹ سے ص ۲۳۲  
تک نقل کیا ہے، اس سلسلہ میں متعدد سوالات قائم ہوتے ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم سوال یہ  
ہے کہ استطاعت فعل کے پہلے ہوا کرتی ہے یا بعد میں، ان دو شکوں میں سے معتزلہ نے پہلی شق کو  
اختیار کیا تھا اور اسی پر ان کا اجماع تھا، چنانچہ امام اشعری نے "مقالات الاسلامیین" میں لکھا ہے۔  
واجمعت المعتزلة على ان  
الاستطاعة قبل الفعل وهي قدرة  
عليه وعلى ضده وهي غير موجبة  
للفعل<sup>(۲)</sup>  
معتزلہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے،  
کہ استطاعت قبل فعل کے ہوا کرتی ہے، اور  
استطاعت کے معنی فعل پر اور اس کی ضد پر  
قدرت کے ہیں اور استطاعت فعل کی  
موجب نہیں ہوا کرتی۔

اس کے مقابل اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔  
چنانچہ خود امام اشعری نے "الابانہ" میں لکھا ہے۔

وان احدا لا يستطيع ان يفعل  
شيئا قبل ان يفعله<sup>(۳)</sup>  
اور کوئی شخص کسی کام کو کرنے کی اس کے  
کرنے سے پہلے استطاعت نہیں رکھتا۔

اور یہی عامہ اہل سنت والجماعت کا موقف ہے، عقائد نسفی میں ہے۔  
والاستطاعة مع الفعل خلافا  
للمعتزلة  
اور استطاعت فعل کے ساتھ ہوا کرتی ہے  
برخلاف معتزلہ کے عقیدے کے۔

(۱) تمہین ص ۱۲۹-۱۳۰ ط ۱۱-۱۳ (۲) مقالات الاسلامیین ص ۲۳۰ (۳) الابانہ ص ۶

غرض اس مبسوط کتاب میں امام اشعری نے معتزلہ کے نظریہ کا کہ استطاعت فعل سے قبل ہوا کرتی ہے، رد کیا ہے، مگر مشرک کا تھی نے جو ترجمہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "استطاعت" بھی "المنزلة بین المنزلتین" یا "تولد" کی قسم کا کوئی مسئلہ تھا، جو صرف معتزلہ کے ساتھ منقح تھا اور امام اشعری نے اس کا سرے سے انکار کر کے اس کا رد کیا ہے۔

۵- کتاب کبیر فی الصفات :- معتزلہ، جہمیہ اور دوسرے مخالفین کے رد میں ہے، علم قدر اور دوسری صفات الہی کے سلسلہ میں ابو الہذیل، معمر، نظام اور فوطی کے رد میں اور عالم وازلی ماننے والوں کے رد میں اور ان کے عقائد میں کہ خدا کا چہرہ ہے، اس کے ہاتھ ہیں اور وہ لڑکی عرش پر قائم ہے۔ "المعدنات" اس کے عقیدہ اسما، و صفات کی تردید بھی اس میں شامل ہے۔<sup>(۱)</sup>

اعمال میں ہے۔

والله اعلم بالصواب

اصناف المستزلة والجمہیة والمخالفة لنا فیہا فی بشیرم  
علم اللہ وقدرتہ وسائر صفاتہ وعلی ابی الہذیل ومدیر  
ونظام والفوطی وعلی من قال بقدم العالم وفی فنون  
کثیرة من فنون الصفات فی اثبات الوجه للہ والبدین  
وفی استوائہ علی العرش وعلی الناشی ومذہبہ فی  
الاسماء والصفات.<sup>(۲)</sup>

اہم نے ایک مبسوط کتاب صفات باری سے متعلقہ مسائل میں تالیف کی جس میں ہم نے (۱) مختلف فرقہ ہائے معتزلہ و جہمیہ اور اسی طرح ان دوسرے لوگوں کا رد کیا ہے، جو صفات باری کے باب میں ہمارے مسلک کے خلاف مذہب رکھتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور دیگر صفات کی نفی کرتے ہیں۔ (۲) اور ابو الہذیل، معمر، نظام اور فوطی کا رد کیا ہے، اور اسی طرح ان لوگوں کا رد کیا ہے، جو قدم عالم کے قائل ہیں۔ (۳) اور صفات باری سے متعلقہ دوسرے بہت سے مسائل کی توضیح و تبیین کی ہے، مثلاً ہم نے

(۱) معارف ص ۲۹۷-۲۹۹-۱۲ (۲) تبیین ص ۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲

اللہ تعالیٰ کی صفات الوجہ، الیڈین اور الاستواء، علی العرش ثابت کیا ہے۔  
(۴) اور ”الناشی“ اور ”الاسماء والصفات“ کے باب میں اس کے مذہب کا  
رو کیا ہے۔“

لیکن کیا مکار تھی کی اس عبارت ”معتزلہ وجمیہ اور دوسرے مخالفین کے رد میں ہے، علم قدر  
اور دوسری صفات الہی کے سلسلہ میں۔“ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ معتزلہ وجمیہ اور دوسرے  
مخالفین اشاعرہ صفات باری کے منکر تھے، یا قائل؟ بلکہ ذہن تو اس بات کی جانب متبادر ہوتا ہے کہ  
معتزلہ وجمیہ وغیرہ صفات باری کے قائل ہوں گے اور امام اشعری منکر، جمعی تو انہوں نے ان کا رد  
کیا ہے، جیسا کہ عبارت ..... کے رد میں ہے، علم قدر اور دوسری صفات الہی کے سلسلہ میں۔“ سے  
معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ منشائے عبارت اور نفس واقعہ کے خلاف ہے، چنانچہ معتزلہ کے متعلق امام  
عبدالقادر البغدادی نے الفرق بین الفرق میں لکھا ہے:

و یجمعها کلها فی بدعتها رای  
المعتزلة امور فلها نفیها کلها  
عن الله عزوجل صفاته الازلیه  
وقولها بانه لیس لله عزوجل  
علم ولا قدرة ولا حیاة ولا سمع  
ولا بصر ولا صفة ازلیه (۱)

اور تمام معتزلہ میں کچھ عقائد مشترک ہیں  
ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ سب نوح  
اللہ عزوجل کی صفات ازلیہ کا انکار کرتے  
تھے، اور کہتے تھے کہ نہ اللہ عزوجل کے  
واسطے علم ہے، نہ قدرت، نہ حیات، نہ سمع  
نہ بصر اور نہ کوئی ازلی صفت۔

اس کے مقابلہ میں اشعریہ کے متعلق شرح المواقف میں لکھا ہے:

ذهب الاشاعرة الی ان له  
تعالی صفات موجوده قديمة  
زائده علی ذاته فهو عالم بعلم  
قادر بقدرة مرید بارادة.

اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی  
صفات ہیں، جو موجود ہیں قدیم ہیں، اور  
اس کی ذات پر زائد ہیں، پس وہ علم کے  
ساتھ عالم ہے اور قدرت کے ساتھ قادر  
ہے اور ارادہ کے ساتھ مرید ہے۔

دوسری چیز جو محل نظر ہے، وہ یہ ہے کہ تبیین میں ”قدرت“ کا لفظ ہے، اور مسر مکار تھی نے

(۱) الفرق بین الفرق ص ۹۳



اس کا ترجمہ ”قدر“ سے کیا ہے، حالانکہ قدرت اور قدر کے مفہام میں بڑا فرق ہے۔ قدرۃ کا ترجمہ قدرت ہونا چاہئے تھا، کیونکہ قدرۃ، باری تعالیٰ کی (Omnipotence) کا نام ہے، اور ”قدر“ (Predestination) کا، چنانچہ شرح المواقف میں ”قدرت باری“ کی توضیح میں لکھا ہے:

دوہرا مقصد قدرت باری تعالیٰ کے بیان میں اللہ تعالیٰ قادر ہے یعنی اس کے لئے عالم کا وجود میں لانا یا نہ لانا دونوں صحیح ہیں، ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کے لئے اس طرح لازم نہیں ہے، کہ اس سے اس کا منقلب ہونا ناممکن ہو۔

المقصد الثانی فی قدرته... انہ تعالیٰ قادر ای یصح منه ایجاد العالم وترکہ فلیس شیء منہما لازم لذاتہ بحیث یتیحیل انفکاکہ

اس کے مقابلہ میں قدر (قضا، و قدر) کی توضیح میں لکھا ہے:

جاننا چاہئے کہ قضاء باری سے اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلیہ مراد ہے، جو اشیاء کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، جن پر وہ ہمیشہ رہتی ہیں اور قدر سے مراد اللہ تعالیٰ کا اشیاء کا وجود میں لانا ہے، اس مخصوص انداز سے اور معین تقدیر پر جو ان کی ذوات میں ان کے احوال کے مطابق مضمّن ہے، اور فلاسفہ کے نزدیک قضاء سے مراد اللہ تعالیٰ کا اس چیز کا علم ہے جو موجود ہونا چاہئے اور قدر سے مراد اس چیز کا وجود یعنی میں ان اسباب کے ساتھ آنا ہے، جو قضا میں مقرر ہو چکے ہیں۔

اعلم ان قضاء اللہ عند الاشاعرة هو ارادته الازلیة المتعلقة بالاشیاء علی ما ہی علیہ فیما لایزال وقدرہ وایجادہ ایما علی قدر مخصوص وتقدير معین فی ذواتها علی احوالها واما عند الفلاسفة فالقضاء عبارة عن علمه لما ینبغی ان یکون علیہ الوجود والقدر عبارة عن خروجها الی الوجود العینی باسبابها علی الوجه الذی تقرر فی القضاء .

تیسری چیز جو یقیناً غلط ہے، وہ ”فی اثبات الوجه لله والیدین وفی استوائہ علی العرش“ کا لفظی ترجمہ خدا کا چہرہ ہے، اس کے ہاتھ ہیں، اور وہ کرسی عرش پر قائم ہے۔“ سے کرنا ہے

یہ ترجمہ تو فرقہ مشبہ کا موقف ہے، نہ کہ امام اشعری کا، وہ خدا کے لئے چہرہ، ہاتھ اور قیام علی العرش ثابت نہیں کرتے تھے، بلکہ الوجہ، الیدین اور الاستواء علی العرش کو صفات الہی مانتے تھے، مگر ان کی تاویل سے (جس کی ایک شکل موجودہ ترجمہ ہے) قطعاً بیزار تھے۔ چنانچہ شرح المواقف میں ہے۔

الوجہ... وهو كما قبله اعنى  
الاستواء فى عدم القاطع وعدم  
جواز التعويل على الظواهر الید  
ثابتة الشیخ الصفتین  
ثبوتین زائدیتین علی الذات  
وسائر الصفات لكن لا بمعنى  
الجارحتین.

وذهب الشیخ فى احد قوله الی  
انه ای الاستواء صفة زائدة  
لیست عائدة الی الصفات  
السابقة وان لم نعلمها بعینها ولم  
نسلم علیه دلیلاً ولا يجوز التعويل  
فى اثباته علی الظواهر من الآیات  
والاحادیث . فالحق التوقف  
بانه لیس كاستواء الاجسام.

الوجہ اور وہ اپنے قبل یعنی الاستواء کی  
طرح ہے یعنی نہ تو کسی تاویل پر تین کے  
ساتھ اصراً کیا جائے گا اور نہ ظاہر معنی پر  
اس کا اعتماد جائز ہوگا، امام اشعری نے دو  
ثبوتی صفتیں ثابت کی ہیں، جو ذات اور  
اسی طرح دیگر صفات باری کے علاوہ  
ہیں لیکن ان کے معنی ہاتھ کے نہیں ہیں۔  
شیخ کا ایک قول یہ ہے کہ الاستواء ایک  
صفت زائد ہے، جو سابق صفات کی  
طرف نہیں لوٹائی جاسکتی، اگرچہ ہم اس  
کی حقیقت کو نہ جانتے ہوں اور اس پر  
دلیل قائم نہ کر سکیں اور اس کے اثبات  
میں آیات و احادیث کے ظاہر معنی پر  
اعتماد جائز نہیں ہے۔ پس حق یہ ہے کہ  
توقف کیا جائے کہ یہ الاستواء، اجسام  
کے استواء کی طرح نہیں ہے۔

امام اشعری کا یہ مسلک اسلاف اہل سنت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق ہے جیسا

کہ امام مالک سے مروی ہے:

الاستواء معلوم ہے۔ مگر اس کی کیفیت  
مجهول ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب  
ہے، اور اس کی نوعیت دریافت کرنا  
بدعت ہے۔

الاستواء معلوم والکیف مجهول  
والایمان به واجب والسؤال عنه  
بدعة

اس لئے صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہئے تھا۔

”الوجه، الیدین اور الاستواء علی العرش کی صفات کے اثبات میں“

کیونکہ یہ کہنا کہ ”خدا کا چہرہ ہے، اس بات کے مترادف ہے کہ امام اشعری ”الوجه“ کی تاویل حسب ظاہر چہرہ سے کرتے تھے، حالانکہ یہ تمام محققین کی تصریحات کے خلاف ہے۔

شرح المواقف کا قول اوپر مذکور ہوا کہ

عده جواز التعویل علی الظواہر ظاہر معانی پر اعتماد ناجائز ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ ”اس کے ہاتھ ہیں“ اس بات کے مترادف ہے کہ امام اشعری الید کی

تاویل ہاتھ سے کرتے تھے حالانکہ یہ محققین کی تصریحات کے خلاف ہے۔

شرح المواقف میں ہے۔

لیکن جارحتین (ہاتھوں) کے معنی میں نہیں۔

لکن لا بمعنی الجارحتین

اور اسی طرح یہ کہنا کہ ”وہ کرسی عرش پر قائم ہے“۔ امام اشعری کو فرقہ مشبہ میں شامل کرتا

ہے، حالانکہ وہ اس سے بمراحل دور تھے، جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے، شرح المواقف میں ہے۔

مذہب حق اس بارے میں توقف ہے

والحق التوقف مع القطع بانہ

اس یقین کے ساتھ کہ وہ استواء اجسام

لیس کاستواء الاجسام

کی طرح نہیں ہے۔

یعنی امام اشعری کم از کم اس بات کے قائل نہیں تھے کہ ”وہ کرسی عرش پر قائم ہے۔“

چوتھی چیز جو قطعاً سمجھ میں نہیں آتی، وہ مسٹر مکارٹی کے ترجمہ کا یہ فقرہ ہے۔

”لمعہ ناسھی، (۱)“

خدا معلوم یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اصل میں ہے۔

اور الناشی اور الاسماء والصفات کے باب

وعلی الناشی ومذہب فی

میں اس کے مذہب کا رد

الاسماء والصفات

الناشی امام اشعری کا ہم عصر اور مشہور معتزلی متکلم تھا، جس کا سنہ وفات ۲۹۳ھ ہے۔ اس کا نام ابو العباس عبداللہ بن محمد تھا۔ فہرست ابن الندیم تکراراً (صفحہ ۵) پر اس کے تین شعر بھی نقل ہوئے ہیں۔ الواسطی اس کے علم کلام کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ چنانچہ ابن الندیم نے نفظو یہ کے باب میں اس کا طنزیہ قول نقل کیا ہے۔

اور واسطی کا ایک دلچسپ قول نفظو یہ کے متعلق یہ ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ جو جہالت میں انتہا کو پہنچ جانا چاہتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ علم کلام الناشی کے مذہب پر سیکھے اور فقہ داؤد بن علی کے مذہب پر اور نحو نفظو یہ کے مذہب پر اور نفظو یہ الناشی کے مذہب پر کلام سے بحث کیا کرتا تھا۔

ومن ظریف قوله في نفظويه انه  
كان يقول من اراد ان يتناهى في  
الجهل فليتعرف الكلام على  
مذهب الناشي والفقہ على مذهب  
داؤد بن علي والنحو على مذهب  
نفظويه قال ونفظويه يتعاطى  
الكلام على مذهب الناشي (۱)

امام اشعری نے الناشی کے مذہب کو "مقالات الاسلامیین" میں متعدد مقامات پر بیان کیا ہے، بالخصوص "الاسماء والصفات" کے باب میں، اس کے مذہب کو مقالات کی جلد ثانی کے صفحہ ۵۰۰، ۵۰۱ پر نقل کیا ہے۔

غرض الناشی مشاہیر معتزلہ میں سے تھا۔ لیکن مستشرقین کے استشرق اور تبحر علمی نے "لمعنا سہی" کے ذریعہ اس کی گت بنا دی۔

۷۔ کتاب کبیر ذکر نافیہ اختلاف الناس فی الاسماء والاحکام والخاص والعام، گناہ کبیرہ کے مرتکب کے سلسلہ میں اسماء اور احکام۔ (۲)

"الاسماء والاحکام" علم کلام کی ایک مستقل بحث ہے، چنانچہ شرح المواقف کے موقف ششم کا تیسرا حصہ اسی بحث پر ہے۔

المرصد الثالث فی الاسماء الشرعية المستعملة والاحکام۔

اسی طرح المحصل للامام الرازی کے الرکن الرابع (فی السمعیات) کی قسم

ثالث "الاسماء والاحکام" پر ہے۔

القسم الثالث فی الاسماء والاحکام (۳)

(۱) الفہرست لابن الندیم ص ۲۳۵ (۲) معارف ص ۲۹۷-۱۵-۱۶ (۳) المحصل للرازی ص ۱۷۴

شرح المواقف اور المحصل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ ”الاسماء والاحکام“ کے زیر عنوان صرف مرتکب کبیرہ ہی کی بحث نہیں ہوتی، بلکہ اور بحثیں بھی مذکور ہوتی ہیں، مثلاً شرح المواقف میں ”الاسماء والاحکام“ کے زیر عنوان چار مقاصد ہیں۔

المقصد الاول فی حقيقة الايمان  
المقصد الثاني فی ان الايمان مثل  
يزيد وينقص، المقصد الثالث فی  
الكفر.

پہلا مقصد ایمان کی حقیقت کے بارے میں، دوسرا مقصد اس بارے میں کہ آیا ایمان بڑھتا گھٹتا ہے، تیسرا مقصد کفر کے بیان میں۔

ظاہر ہے یہ تینوں بحثیں گناہ کبیرہ کے سلسلہ میں اسماء و احکام سے تعلق نہیں رکھتیں، صرف چوتھا مقصد مرتکب کبیرہ کے احکام کے سلسلہ میں ہے۔

المقصد الرابع فی ان مرتکب  
الكبيرة من اهل الصلوة

چوتھا مقصد اس بارے میں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے۔

اسی طرح المحصل للرازی میں ”الاسماء والاحکام“ کے سلسلہ میں چار مسئلے بیان ہوئے ہیں، پہلا مسئلہ حقیقت ایمان کی توضیح میں ہے۔ دوسرا ایمان کی زیادتی و نقصان کے متعلق ہے، تیسرا مسئلہ اس بارے میں ہے کہ ”انما مومن انشاء الله“ کہنا کس صورت میں جائز ہے، اور چوتھا مسئلہ حقیقت کفر کی توضیح میں ہے، صرف پہلے مسئلہ کی تفریح کے طور پر مرتکب کبیرہ کے حکم میں جو اختلافات ہیں، ان کی تفصیل ایک ضمنی تنبیہ میں بیان ہوئی ہے۔

غرض مسٹر مکارٹھی کا ترجمہ گمراہ کن بھی ہے اور ناقص بھی۔

”الاسماء والاحکام“ کے عنوان کی توضیح میر سید شریف نے شرح المواقف میں اس طرح

کی ہے۔

المقصود الثالث فی الاسماء  
الشرعية المستعملة فی اصول  
الدين كالايمان والكفر والمومن  
والكافر والمعتزلة يسمونها  
اسماء دينية لاشريعة تفرقة  
بينهما وبين الالفاظ المستعملة

تیسرا مرصدا اسماء میں یعنی اسماء شرعیہ میں جو اصول دین میں مستعمل ہوتے ہیں، جیسے ایمان، کفر، مومن، کافر وغیرہ اور معتزلہ انھیں (اسماء شرعیہ کے بجائے) اسماء دینیہ کہتے ہیں، تاکہ ان میں اور ان الفاظ میں جو فرعی احکام میں مستعمل

ہوتے ہیں، امتیاز ہو سکے، اور احکام میں  
یعنی اس قسم کے مسائل میں کہ آیا ایمان  
گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں اور اس بات میں  
کہ آیا مومن اور کافر کے درمیان کوئی  
درمیانی واسطہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

فی الاحکام الفرعية والاحکام  
من ان الايمان هل يزيد وينقص  
اولا ومن انه هل يثبت بين  
المومن والكافر واسطة اولاً

اس توضیح کا مقابلہ مسٹر مکار تھی کے ترجمہ سے کیجئے، تو ان مستشرقین کی وسعت معلومات  
اور تبحر علمی کا اندازہ ہو سکے گا۔

اس کتاب کے عنوان میں ایک فقرہ اور ہے ”الخاص والعام“ مگر محقق مستشرق نے اسے  
درخور اعتنا بھی نہیں سمجھا، بظاہر ”الخاص والعام“ اصول فقہ کی اصطلاحات ہیں، لیکن یہ کلامی  
اصطلاح بھی ہے، اور کلامی بحثوں میں اس کا ایک مستقل مفہوم ہے، چنانچہ مختلف فرقوں نے  
”الخاص والعام“ کے سلسلہ میں جو مواقف اختیار کیے ہیں، امام اشعری نے مقالات الاسلامیین  
میں ان کی وضاحت کی ہے، مثلاً جلد اول کے صفحہ ۱۴۴-۱۴۸ پر مرجیہ کے اختلافات فی العام  
والخاص کو بیان کیا ہے۔

اور اخبار جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
آئیں اور ان کا ظاہر عموم کو مقتضی ہو، تو  
مرجیہ نے ان کے بارے میں اختلاف  
لیا ہے، اور اس طرح ان کے سات  
فرقے ہیں۔

واختلفت المرجئة فی الاخبار  
اذا وردت من قبل الله سبحانه  
وظاهرها العموم علی سبع فرق

اسی طرح صفحہ ۲۷۶-۲۷۷ پر معتزلہ کے اختلافات فی الخاص والعام کو نقل کیا ہے۔

جب کہ سننے والا ایسی خبر سنے جس کا ظاہر  
عموم پر دلالت کرے اور عقل میں کوئی  
ایسی چیز نہ ہو، جو اس کی تخصیص کر سکے، تو  
ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ اس  
بارے میں معتزلہ کے دو قول ہیں۔

واختلفوا اذا سمع السامع الخبر  
الذی ظاهره العموم ولم یکن فی  
العقل ما یخصه ما الذی علیہ  
فی ذلک، علی مقالین

اس طرح مقالات الاسلامیین کی جلد ثانی میں الخاص والعام کے باب میں فرق اسلامیہ

کے اختلافات کو صفحہ ۴۴۵ پر بالاختصار ذکر کیا ہے۔

واختلفوا فی الخاص والعام اور خاص اور عام کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔

”الاسماء والاحکام“ کے مباحث کے ساتھ ”الخاص والعام“ کی بحث کو یکجائی طور پر بیان کرنے کی یہ سبب تھی، کہ جب بعض آیات گناہ کبیرہ کی وعید میں وارد پائی گئیں تو سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا ان آیات وان کے ظاہر عموم پر محمول کیا جائے، یا اس میں استثنا کی بھی گنجائش ہے، تاکہ ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء کے ساتھ ان کا محمل ہم آہنگ ہو سکے، فرقہ مرہبیہ کا عمومی ماہق ثانی کی طرف رجحان تھا اور معتزلہ کا شق اول کی طرف، بہر حال اس طرح ”الاسماء والاحکام“ کے مباحث میں ”الخاص والعام“ کی اباحت بھی بطور ضمیمہ شامل کر دی گئیں۔ یہ سبب حقیقت ”الاسماء والاحکام اور الخاص والعام“ کی۔ لیکن حضرات مستشرقین نے اسے صرف گناہ کبیرہ کے مرتکب کے سلسلہ میں اسما، واحکام لکھ کر اپنے ذوق تحقیق و منصب استشراف کو ادا کر دیا۔

۱۶۔ کتاب کبیر: الاصول کے رد میں محمد بن عبدالوہاب الجبائی کے رد میں، معتزلہ کے عقائد کے بیان اور اس کے رد میں، معتزلہ کے ہر اس مسئلہ کے رد میں جس میں ہمارا ان کا اختلاف ہے۔ (۱) اصل میں ہے۔

الفنا کتابا کبیرا نقضنا فیہ الكتاب المعروف  
بالاصول علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی کشفنا عن  
تمویہہ فی سائر الابواب التی تکلم فیہا من اصول  
المعتزلة و ذکرنا للمعتزلة من الحجج فی ذلک بما لم  
یات بہ ونقضناہ بحجج اللہ الزاہرة وبراہینہ الباہرة  
یاتى کلامنا علیہ فی نقضہ فی جمیع مسائل المعتزلة  
واجوبتها فی الفنون التی اختلفنا نحن وهم فیہا (۲)

یعنی ہم نے ایک مبسوط کتاب تصنیف کی جس میں ہم نے (اپنے سابق استاد مشہور معتزلی

(۱) - معارف ص ۲۹۸ - ۸ - ۱۰ (۲) تبیین ص ۱۳۰ - ۱۲ - ۱۷

متکلم) محمد بن عبد الوہاب الجبائی کی مشہور کتاب الاصول کا رد کیا ہے۔ اور اس میں الجبائی کی ان تمام فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے جو اس نے (مذہب) معتزلہ کے اصول خمسہ کی توضیح و تائید کے سلسلہ میں مختلف ابواب میں ذکر کی ہیں۔

(ii) (اسی کے ساتھ) ہم نے معتزلہ کی ان جج و براہین کو بھی نقل کیا ہے (جو وہ اپنے اصول کی تائید و تشیید میں عموماً بیان کرتے ہیں، مگر) جو الجبائی کی الاصول میں سے بیان ہونے سے رہ گئی ہیں، (اور چونکہ وہ خود عرصہ تک معتزلی رہ چکے تھے، اور ان کے دلائل و براہین سے واقف تھے، اس لئے ان کا اتنا دلچسپی اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے، تاکہ معتزلہ کے پاس اب کوئی حجت نہ رہے۔

(iii) ہم نے اللہ تعالیٰ کی روشن حجتوں اور چمک دار برہانوں سے ان کا (معتزلہ کے دلائل کا) رد کیا ہے۔

(iv) فنون (مباحث) کلام کے مختلف ابواب جن میں ہمارا اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کے تمام مسائل اور ان کے جوابات (یعنی ان مسائل مختلف فیہا میں معتزلہ نے جو موافق اختیار کئے ہیں اور جن کے اثبات و تائید کی الجبائی نے کوشش کی ہے) کے سلسلہ میں اس کتاب میں ہم اس (الجبائی) پر کلام وارد کرتے ہیں۔“

امام اشعری کی یہ کتاب (نقض اصول الجبائی) تقریباً چالیس اجزاء پر مشتمل تھی، اسے ابو نصر الکوازی نے امام اشعری کی دوسری کتابوں کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ سے نقل کیا تھا اور الکوازی کے نسخہ سے ابن فورک نے نقل کیا تھا، تبیین میں ہے۔

وعن صحبه ابو نصر الكوازي بشيراز فانه قصد  
ونسخ فيه كثيرا من كتبه منها كتابه في النقص على الجبائي  
في الاصول يشتمل على نحو من اربعين جزءا نسخت انا  
(يعني ابن فورك) من كتابه الذي نسخه من نسخة الشيخ  
ابي الحسن بالبصرة (۱)

(۱) کتاب کبیر۔ نقد تاویل الادلہ کے رد میں، البیہ کی رد میں معتزلہ کے اصول (۲) میں۔ اصل میں ہے۔

الفنا کتابا کبیرا نقضا فیہ الكتاب المعروف بنقض

(۱) تبیین میں ۱۲۸ (۲) معارف میں ۲۹۸ - ۱۱



تاویل الادلة على البلخي في اصول المعتزلة وبينا عن  
شبهته التي اوردها بادلة الله الواضحة واعلامه اللانحة  
وضمننا الى ذلك نقض ما ذكره من الكلام في الصفات  
في عيون المسائل والجوابات (۱)

(i) ہم نے ایک مبسوط کتاب تصنیف کی جس میں ہم نے ابوالقاسم الکعبی البلخی کی مشہور  
کتاب ”نقض تاویل الادلة“ کا جو معتزلہ کے اصول مذہب میں ہے، رد کیا ہے۔  
(ii) اور اس میں ہم نے ان شبہات کو جنہیں البلخی نے اس کتاب میں وارد کیا ہے، اللہ  
تعالیٰ کی واضح حجتوں اور روشن نشانیوں کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے۔  
(iii) اس کے علاوہ البلخی نے اپنی کتاب عیون المسائل نیز اپنے جوابات میں جو موقف  
صفات باری کے بارہ میں اختیار کیا ہے، ہم نے اس کا رد بھی بطور ضمیمہ کے اصل کتاب کے رد کے  
آخر میں بڑھا دیا ہے۔

اس کے بعد تبیین کذب المفتری کی محررہ بالانصاریجات کا مسٹر مکار تھی کے ترجمہ سے  
موازنہ کر کے قارئین کرام مستشرقین کی تحقیق کی داد دیں۔ دو باتیں قابل غور ہیں۔  
(i) نقض تاویل الادلة، ابوالقاسم، الکعبی، البلخی ہی کی کتاب کا نام ہے۔  
(ii) الکعبی البلخی کی کتاب کا نام ”نقض تاویل الادلة“ ہے، نہ کہ نقض تاویل الادلة، جیسا کہ  
بیدار صاحب نے مسٹر مکار تھی سے نقل کیا ہے۔

(iii) امام اشعری کی اس کتاب میں اصل (نقض تاویل الادلة کے رد) کے علاوہ ایک  
ضمیمہ بھی ہے، یعنی الکعبی البلخی کی ”عیون المسائل“ اور ”الجوابات“ (فتاویٰ کلامیہ) کا رد، مگر  
مسٹر مکار تھی یا تو اس کو سمجھ نہ سکے یا نظر انداز کر گئے۔

۱۹۔ کتاب جمل المقالات: ملاحظہ اور نام نہاد اہل التوحید کے رد میں۔ (۲)

اصل میں ہے۔

ہم نے ملاحظہ اور اہل توحید کے جملہ  
مقالات (مذہبی اقوال و دینی عقائد) کی  
تبیین و توضیح پر ایک کتاب لکھی، جس کا

والفنا کتابا فی جمل مقالات  
الملحدین و جمل اقوال  
الموحدین سمیناہ کتاب جمل

## المقالات (۱)

نام جمل المقالات رکھا۔

معلوم نہیں مسٹر مکار تھی نے "اہل التوحید" سے پہلے "نام نہاد" کا اضافہ کس طرح کر دیا۔ اصل میں تو کوئی لفظ اس اضافہ کی جانب اشارہ کرنے والا نہیں ہے۔

اس سے زیادہ یہ کہ اسی کتاب کا موضوع محض نقل مذاہب ہے نہ کہ ان کی تردید، جیسا کہ مسٹر مکار تھی کے محررہ بالا ترجمے سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۰۔ کتاب الجوابات فی الصفات عن مسائل اهل الزيغ والشبهات، یہ ایک ضخیم کتاب ہے، جو ہم نے خود اپنی کتاب کے رد میں لکھی ہے، جو کبھی معتزلہ کی حمایت میں لکھی تھی، معتزلہ کی حمایت میں اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، مگر اب خدا نے ہمیں صحیح راستہ دکھایا اور ہمیں اس کی تردید کے قابل کیا۔ (۲)

خود مسٹر مکار تھی کو اعتراف ہے کہ ایک کتاب امام اشعری نے اپنے زمانہ اعتزال میں لکھی تھی، اور دوسری اعتزال سے تائب ہونے کے بعد، اس کے رد میں، اس طرح اس سے ان کی دو تصنیفات کا پتہ چلتا ہے، مگر مسٹر مکار تھی نے اسے ایک ہی سمجھا ہے۔

۲۱۔ کتاب علی بن الراوندی، صفات اور قرآن کے موضوع پر (۳)۔ لیکن اس سے کتاب کے موضوع کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مسٹر مکار تھی، ابن الراوندی کی علمی زندگی کا مطالعہ کر لیتے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابن الراوندی تیسری صدی ہجری کا ایک بڑا ملحد اور کرایہ کا مناظر تھا، جب اسے اپنے علم و فضل کی قیمت نہیں ملی تو دوسرے فرقوں کی خاطر اس نے اسلام کے خلاف کتابیں لکھنا شروع کیں، اور ان سے روپیہ وصول کیا، مثلاً شیعوں کے حسب منشا کتاب الامامہ لکھی، اور ان سے تیس دینار حق تصنیف وصول کئے، اس نے حسب تصریح ابن خلکان ایک سو چودہ کتابیں لکھیں، ان میں سے کم و بیش انیس کتابوں کے نام آج معلوم ہیں، لیکن موضوع زیر بحث کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

الف۔ کتاب خلق قرآن: یہ ابن الراوندی کی اس زمانہ کی تصنیف ہے جبکہ وہ معتزلی المذہب تھا، اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع "خلق قرآن" تھا، جو معتزلہ کا متفقہ مسئلہ ہے۔ (۴)

(۱) تبیین ص ۱۳۱ سطر ۱-۳ (۲) معارف ص ۲۹۸ سطر ۱۵-۱۷ (۳) ایضاً سطر ۱۸ (۴) الفہرست تکرار ص ۵

ب۔ کتاب الدافع فی الرد علی القرآن :- اس کے متعلق ابن الندیم نے لکھا ہے۔

کتاب يطعن فيه علي نظم  
القرآن (۱)

اس کتاب کا رد ابو علی الجبائی اور ابوالقاسم انبلی نے کیا تھا۔ خود ابن الراوندی نے بھی بعد میں اس کا رد لکھا ہے۔

ج۔ کتاب القضيبي للذهب :- اس میں ابن الراوندی نے ثابت کیا ہے کہ علم باری تعالیٰ

محدث ہے، فہرست ابن الندیم میں ہے۔

کتاب القضيبي للذهب وہ کتاب ہے،  
جس میں وہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا  
علم اشیا، محدث ہے، اور یہ کہ وہ خیر عالم  
تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنے واسطے علم  
کو پیدا کیا، تعالیٰ اللہ!

کتاب القضيبي للذهب وهو  
الذي يثبت فيه ان علم الله تعالى  
بالاشياء محدث وانه كان غير  
عالم حتى خلق لنفسه علما تعالى  
الله (۲)

یہ ہیں ابن الراوندی کے الحادات، معاہدۃ التنصیص میں محاسن خراسان لابی القاسم الکعبی

انبلی کے حوالہ سے ابن الراوندی کے الحادوزندقہ کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

ان چیزوں میں سے جو اس ملعون نے  
اس کتاب میں کہی ہیں۔ یہ ہے کہ ہم  
اکثم بن صفی کے کلام میں ایسی چیزیں  
پاتے ہیں جو انا اعطیناک الکوثر سے بھی  
زیادہ اچھی ہیں۔

فما قاله فيه لعنه الله وابعده انا  
نجد في كلام اكثم بن صيفي  
شيء احسن من انا اعطيناك  
الكوثر

ان کفریات کے رد کو متکلمین وقت نے اپنے مساعی علیہ کا موضوع بنایا اور امام اشعری

نے بھی اس فرض منصبی کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ چنانچہ انھوں نے ابن الراوندی کے رد میں متعدد  
کتابیں لکھیں، جن میں سے ”کتاب التاج“ کے رد میں دو کتابیں ہیں ایک کتاب الفصول کے  
ضمن میں (مسٹر مکار تھی کی فہرست نمبر ۱) اور دوسری نقض کتاب التاج (مسٹر مکار تھی کی فہرست میں  
نمبر ۸۳) لیکن زیر بحث کتاب میں امام اشعری نے ابن الراوندی کے ان بہوات کا رد کیا ہے، جو

اس نے قرآن کے مخلوق ہونے کی تائید میں لکھے تھے، نیز کتاب الدافع میں نظم قرآن کے معجز ہونے پر اس نے جو طعن لکھا ہے۔ اور صفات باری بالخصوص علم باری تعالیٰ کے سلسلہ میں اس نے ابا طیل کا جو انبار لگا دیا ہے۔ زیر بحث کتاب میں ان سب کا رد ہے۔

۲۳۔ القمامع لکتاب الخالدي في الارادة:- خالدی کی کتاب کے رد میں جس میں اس نے لکھا ہے کہ آغاز تو خدا کے ہاتھ میں ہے، مگر بہت سی چیزیں خدا کے ارادہ کے خلاف ہوتی ہیں اور اکثر نہیں ہوتیں۔ (۱)

۲۴۔ خالدی کی اس کتاب کے رد میں جس میں اس نے انکار کیا ہے کہ ارادہ اور عمل خدا کی طرف سے ہیں۔ (۲)

ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے، پہلی میں اقرار ہے، کہ ”آغاز تو خدا کے ہاتھ میں ہے“ دوسری میں اس بات کا انکار ہے کہ ”ارادہ اور عمل خدا کی طرف سے ہیں۔“ اصل میں ہے۔

(الف) ہم نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں خالدی کی اس کتاب کا رد کیا ہے، جو اس نے ارادہ باری تعالیٰ کے حادث ہونے کے ثبوت میں لکھی تھی اور یہ ثابت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ واقع نہیں ہوا، اور وہ ہوا جو اس نے نہیں چاہا تھا۔ اور ہم نے اس کتاب میں اس کے قول کے باطل ہونے کی وضاحت کی، اور اس کا نام القمامع لکتاب الخالدي في الارادة تھا۔

(ب) خالدی کے رد میں ہم نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اس کی اس کتاب کا رد کیا ہے جو اس نے اس بات کے انکار میں لکھی تھی کہ بندوں کے

(الف) الفنا كتابا نقضنا به كتابا  
للخالدي في اثبات حدث ارادة  
الله تعالى وانه شاء ما لم يكن  
وكان ما لم يشاء ووضحنا بطلان  
قوله في ذلك وسميناها القمامع  
لكتاب الخالدي في الارادة. (۳)

(ب) والفنا على الخالدي كتابا  
نقضنا فيه كتابا الفه في خلق  
الاعمال وتقدربرها عن رب  
العالمين. (۴)

(۱) معارف ص ۲۹۹-۲-۳ (۲) ایضا ص ۸ (۳) تبیین ص ۱۳۱-۹-۱۱ (۴) تبیین ص ۱۳-۱۳

افعال اللہ تعالیٰ کے یہاں کئے ہوئے ہیں  
اور اللہ تعالیٰ ہی کے ان کا اندازہ مقرر  
فرمایا ہے۔

تبیین کی ان توضیحات کا مسررہ کار تھی کے بیان سے موازنہ کیجئے اور خود فیصدہ کیجئے کہ  
انہوں نے ان کتابوں کے موضوع کو کہاں تک سمجھا ہے۔

خالدی کی کتابیں اس عہد کے جمہور معتزلہ کے انداز فکر پر تھیں، جو خلق اعمال کے مسررہ  
تھے، اسی موضوع پر خالدی نے اپنی وہ سری کتاب فی نفسی خلق الاعمال و تقدیرہا عن  
رب العالمین کو تصنیف کیا اور چونکہ امام اشعری خلق اعمال کے معتقد و موید تھے ہذا اشعری نے  
اس کتاب کا رد لکھا۔

ارادۃ باری تعالیٰ کی صفات شہیہ میں سے ہے لیکن مختلف تبیین نے اس کی ماہیت  
میں مختلف مسلک اختیار کیے تھے۔ چنانچہ ابوہنبلہ الجبالی اور اس کا لڑکا ابوہاشم، غیر ارادۃ باری کے  
حادث ہونے کے قائل تھے، امام رازی نے الاربعین میں لکھا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے مرید ہونے  
کا معنی کیا ہے اور کیا ہے کہ وہ حادث  
ہے اور اس تقدیر پر وہ حادث ارادہ  
موجود ہوگا، امر کی شکل میں نہیں اور یہ  
ابوہنبلہ، ابی ہاشم اور عبد الجبار ابن احمد  
مذہب ہے۔

اعلم ان المفہوم من کونہ تعالیٰ  
مریداً اما ان یکون محدثاً  
وعلیٰ هذا التقدير فہذہ الارادۃ  
المحدثۃ موجودۃ لا فی محل  
وہو قول ابی علی و ابی ہاشم  
وعبد الجبار بن احمد (۱)

اسی طرح جمہور معتزلہ کا مسلک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا خالق نہیں ہے بلکہ  
بندے اکثر اس کے خلاف مرضی گناہ کرتے ہیں، حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ نیک کام کریں تو اس کا  
کبھی وہ ایسی بات چاہتا ہے، جو واقع نہیں ہوتی اور کبھی وہ بات ہوتی ہے، جو وہ نہیں چاہتا۔

انہ بشاء ما لم یکن و کان ما لم  
یشاء  
اس نے وہ چیز چاہی جو واقع نہیں ہوئی  
اور وہ واقع ہوا جو اس نے نہیں چاہا۔

جمہور معتزلہ کے اسی مذہب کو امام اشعری نے مقالات الاسلامیین میں لکھا ہے۔

وزعمت المعتزلة كلها غير ابي  
 موسى المزوار انه لا يجوز ان  
 يكون الله سبحانه مریدا  
 للمعاصي على وجه في الوجوده  
 ان يكون موجودا ولا يجوز ان  
 يامر بما لا يريد ان يكون وان  
 ينهى عما يريد كونه وان الله  
 سبحانه قد اراد ما لم يكن و كان  
 ما لم يريد (۱)

اور تمام معتزلہ نے بجز ابی موسی المزوار  
 کے گمان کیا ہے کہ کسی نہج سے بھی یہ جائز  
 نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کا ارادہ  
 کرنے والا ہو (یعنی بندے جو گناہ  
 کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اس کا ارادہ  
 کرنے والا نہیں ٹھہرایا جاسکتا) اور نہ یہ  
 جائز ہے کہ اس چیز کا حکم دے جس کو وہ  
 نہیں چاہتا، کہ وہ واقع ہو اور اس چیز سے  
 منع کرے جس کا ہونا وہ نہیں چاہتا، اور  
 اللہ تعالیٰ نے وہ چیز چاہی جو واقع نہیں  
 ہوئی اور وہ واقع ہوا جس کا اس نے ارادہ  
 نہیں کیا۔

اور تمام معتزلہ سوائے فضیلیہ کے جو فضل  
 الرقاشی کے تابع ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
 ایک بات کو چاہتا ہے اور وہ واقع نہیں  
 ہوتی، اور ایسی بات واقع ہوتی ہے جس کا  
 وہ ارادہ نہیں کرتا۔

وكل المعتزلة الا الفضيلية  
 اصحاب فضل الرقاشي يقولون  
 ان الله سبحانه يريد امرا ولا  
 يكون وانه يكون ما لا يريد. (۲)

ارادہ باری تعالیٰ کے باب میں جمہور معتزلہ کے ان ہی مذاہب کو (یعنی حدوث ارادہ  
 باری تعالیٰ اور ان اللہ يريد امرا ولا يكون ويكون ما لا يريد) خالدی نے اختیار کیا، اور ان  
 کی تائید و تثبیت کے لئے ایک کتاب (کتاب نمبر ۲۳ مندرجہ فہرست مکار تھی) لکھی جس کے رد میں  
 امام اشعری نے "القامع لکتاب الخالدي في الارادة" تصنیف فرمائی۔

مگر مسٹر مکار تھی نے جو ترجمے کئے ہیں وہ نہ صرف مبہم بلکہ گمراہ کن اور ایک دوسرے کے  
 ساتھ متناقض ہیں۔

۲۴۔ الدافع للمہذب :- خالدی کی مہذب کے رد میں۔ (۱)

مگر اس سے کتاب کا موضوع متعین نہیں ہوتا۔ اصل میں ہے۔

ہم نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں خالدی کی کتاب "المہذب" کا جواب اس نے مقالات میں لکھی تھی، رد کیا ہے اور اس رد کا نام ہم نے "الدافع للمہذب" رکھا ہے۔

الفنا کتابا نقضنا فیہ کتابا  
لنخالدی فی المقالات سماہ  
المہذب سمینا نقضہ فیما نخالفہ  
فیہ من کتابہ (الدافع  
للمہذب) (۲)

مقالات سے مراد مختلف فرقوں کے اقوال و مذاہب کی دائرۃ المعارف یا انسائیکلو پیڈیا ہے جیسے خود امام اشعری کی "مقالات مسکین" (یا مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلیین) شکر ووریہ (جمل المقالات) کتاب "مقالات الفلاسفہ خاصہ" اتنی عبد میں ابوالقاسم بلخی اٹنی سے بھی "مقالات" مرتب کی، ادھر امام ابو منصور الماتریدی نے "مقالات مرتبہ" کی، امام اشعری نے سے پہلے زرقان نے مقالات پر کتاب لکھی تھی جس کا حوالہ امام صاحب اکثر مقالات الاسلامیین میں دیتے ہیں اور لوگوں نے بھی اس موضوع پر کتابیں تصنیف کی تھیں، ان میں سے الخالدی نے بھی ایک کتاب بنام "المہذب" مقالات پر تصنیف کی، امام اشعری نے اس کے جن حصوں سے اختلاف کیا، اس کے رد میں "الدافع للمہذب" لکھی۔

۲۶۔ بلخی کی اس کتاب کے رد میں جس میں اس نے ابن الراوندی کی غلطیاں دکھائی

ہیں۔ (۳)

یہ ترجمہ بھی مبہم اور گمراہ کن ہے، اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون بلخی اور ابن الراوندی کی

کوئی کتاب مراد ہے۔ اصل میں ہے۔

ہم نے بلخی کے خلاف ایک کتاب لکھی جس میں اس کی اس کتاب کا رد کیا جس کے متعلق اس نے ذکر کیا کہ اس نے اس میں ابن الراوندی کی ان غلطیوں کی

والفنا کتابا نقضنا بہ علی البلخی  
کتابا ذکر انہ اصلح بہ غلط ابن  
الراوندی فی الجدل (۴)

(۱) مؤلف ص ۲۹۹، سطر ۵ (۲) تبیین ص ۱۳۱، سطر ۱۲-۱۳ (۳) معارف ص ۲۹۹، سطر ۵ (۴) تبیین ص ۱۳۱

کی اصلاح کی ہے جو اس نے علم الجدل  
میں کی تھیں۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ابن الراوندی تیسری ہجری کا بہت بڑا ملحد اور جید عالم تھا، ابن خلکان  
نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

ابو الحسن احمد بن یحییٰ ابن اسحاق الراوندی  
ایک مشہور عالم تھا جو علم کلام میں ایک  
منفرد مذہب رکھتا تھا، اپنے زمانہ کے  
فلاسفہ میں سے تھا، اس کی مصنفہ کتابوں  
کی تعداد ایک سو چودہ کے قریب ہے۔

ابو الحسن احمد بن یحییٰ بن  
اسحاق الراوندی العالم  
المشہور له مقالة في علم الكلام  
وكان من الفضلاء في عصره وله  
من الكتب المصنفة نحو من مائة  
واربعة عشر كتابا (۲)

خود ابو القاسم الکعبی بلخی نے "محاسن خراسان" میں اس کے علم و فضل کے متعلق لکھا ہے۔

ابو القاسم الکعبی بلخی نے کتاب محاسن  
خراسان میں لکھا ہے کہ ابو الحسن احمد  
بن یحییٰ بن محمد بن اسحاق الراوندی میں  
مرو الروذ کا رہنے والا تھا، اس کے زمانہ  
میں اس کے ہم سرہاں میں کوئی علم کلام  
میں اس سے زیادہ عاقل اور عم کلام کے  
دقیق اور جلیل مسائل کا جاننے والا نہ تھا۔

قال ابو القاسم الكعبي البلخي  
في كتاب محاسن خراسان ابو  
الحسين احمد بن يحيى بن  
محمد بن اسحاق الراوندى من  
اهل مرو الروذ ولم يكن في  
نظرائه في زمنه احدق منه  
بالكلام والا اعرف بدقيقه  
وجليله

اس ابن الراوندی نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھیں، اس ضمن میں اس نے علم الجدل  
پر بھی ایک کتاب لکھی تھی، جو منطق کی وہ شاخ ہے جسے یونانی زبان میں طوبیقا (Topica) کہتے  
تھے، اس موضوع پر بعض متکلمین و فلاسفہ اسلام مثلاً احمد بن الطیب سرخسی، الفارابی اور خود امام  
اشعری نے بھی کتابیں لکھی تھیں، ابن الراوندی کی مختلف کتابوں کا رد ابو علی الجبائی، ابو الحسن الخیاط



اور ابوالقاسم اللخنی نے کیا، ان میں سے الخياط کی کتاب "الانتصار" جو اس نے ابن الراوندي کی کتاب "فضيحة المعتزلة" کے رد میں لکھی تھی، نیرگ کے اعتناء سے چھپ گئی ہے۔

بہر حال ابوالقاسم اللخنی نے ایک کتاب میں ابن الراوندي کی کتاب اجدل کی، اغاٹ کی اصلاح کی، لیکن یہ اصلاح بجائے خود سقیم تھی، لہذا امام ابوالحسن اشعری نے اس نام نہاد اصلاح کار دکھنا اور یہی زیر بحث کتاب ہے۔

(۲۸) کتاب الاستشهاد: جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ معتزلہ کے دلائل سے خدا کا علم،

قدرت اور دوسری صفات ثابت ہوتی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

یہ ترجمہ گمراہ کن حد تک مبہم ہے اصل میں ہے۔

ہم نے اصول استشہاد کے باب میں ایک کتاب تالیف کی جس میں ہم نے یہ دکھایا ہے کہ معتزلہ جو شاہد سے غائب پر استدلال و استشہاد کیا کرتے ہیں ان کے اس استدلال سے خود ان پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت اور دیگر صفات کا اثبات کریں (حالانکہ وہ ان سے منکر ہیں)

الفنا کتابا فی الاستشہاد ارینا فیہ  
کیف یلزم المعتزلة علی  
محجتہم فی الاستشہاد بالشاہد  
علی الغائب ان یشتوا علم اللہ  
وقدرتہ وسائر صفاتہ<sup>(۲)</sup>

یہ ہے اصول استشہاد کی حقیقت اور اس کی افادیت کے متعلق امام اشعری اور ان کے تبعین کا موقف، مگر مسٹر مکار تھی کے ترجمے سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام اشعری نے کوئی کتاب لکھی تھی، جسے ایک رنگین عنوان سے معنون کرنے کے لئے کتاب الاستشہاد کا نام دیا تھا، نیز معتزلہ جو دلائل دیتے تھے، اس سے خود صفات باری کا اثبات ہوتا ہے۔

لیکن یہ واقعہ نہیں ہے، بلکہ "استشہاد" دیگر منطقی اعمال کی طرح ایک خاص انداز استدلال کا نام تھا، جسے عموماً قیاس الغائب علی الشاہد کہتے تھے اور جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے لئے (جو جو اس سے غائب ہے) جب کوئی حکم ثابت کرنا چاہتے تھے، تو اس کو ممکنات پر (جو مشہود ہیں) قیاس کیا کرتے تھے کہ چونکہ یہ حکم شاہد کے لئے ثابت ہے اس لئے غائب کے لئے بھی ثابت ہوگا، چنانچہ شرح المواقف میں ہے۔

(۱) - عارف ص ۲۹۹ - ط ۹ - ۱۰ (۲) - تبیین ص ۱۳۱ - ط ۷ - ۱۹

الطریق الثانی من ذینک  
الطریقین الضعیفین قیاس الغائب  
علی الشاہدہ وانما یسلکونہ اذا  
حاولوا اثبات حکم للہ سبحانہ  
فیفسرنہ علی الممكنات قیاسا  
فقہیا ویطلقون اسم الغائب علیہ  
تعالی لکونہ غائبا عن العوالم (۱)

ان دو ضعیف طریقوں میں سے دوسرا  
طریقہ قیاس الغائب علی الشاہدہ ہے، اس  
طریقہ کو صرف اس وقت استعمال کرتے  
تھے جب اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی حکم  
ثابت کرنا چاہتے تھے تو اسے ممکنات پر  
بطور قیاس فقہی (Analogy) قیاس  
کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر اسم غائب  
کا اطلاق کرتے تھے، کیونکہ وہ عوالم  
سے غائب ہے۔

اشاعرہ اس کی افادیت کلیہ کے مقرر تھے، شرح المواقف میں ہے۔

وهو ای هذا الاثبات بطریق  
الیقین مشکل جدا (۲)

اور وہ یعنی اس باب کا یقینی طور پر ثابت  
کرنا بہت زیادہ مشکل ہے۔

نہیں یہ انداز استدلال بعض غیر مسلم مفکرین کا عموماً اور معتزلہ کا خصوصاً معمول بہ تھا اور وہ  
اکثر شہادت غائب پر استشہاد کے ذریعہ ثبوت قائم کیا کرتے تھے، اس لئے امام اشعری نے  
بطریق الزام ان پر حجت قائم کی کہ ان کے اس انداز استدلال (۳) کی صحت کی صورت میں ان پر  
لازم آتا ہے کہ وہ علم و قدرت اور دیگر صفات باری کا بھی اثبات کریں، مثلاً ہم شاہد ہیں دیکھتے ہیں  
کہ انسان عالم بھی ہے، متکلم بھی ہے، سمیع بھی ہے، بصیر بھی ہے، لہذا اگر غائب کو شاہد پر قیاس کیا  
جاسکتا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ علم، قدرت اور دیگر صفات سے متصف ہے (حالانکہ معتزلہ  
صفات باری کی نفی کرتے تھے)۔ (۴)

یہ الزامی انداز استدلال اشعری کا معمول بہ تھا، چنانچہ قاضی ابوبکر الباقالی اپنی کتاب  
التبہید (ص ۹۷، ۹۸) میں جب براہمہ نبوت کے محال ہونے کو قیاس الغائب علی الشاہد کے اصول  
پر ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کی اس تعلیل فی سدک تضعیف اسی الزامی انداز میں کرتے ہیں۔

فہاں قالوا الدلیل علی انہ لایجوز  
ان یرسل اللہ رسولا الی خلقہ انا  
پس اگر براہمہ یہ کہیں کہ اس بات کی  
دلیل کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ جائز نہیں

(۱) و (۲) شرح المواقف (۳) محجتہم الاستشہاد بالشاہد علی الغائب (۴) الفرق بین الفرق ص ۹۳

وجدنا الرسول في الشاهد  
والمعتول في جنس المرسل  
فيقال لهم فيجب على اعتلالكم  
مذا لا يكون الله سبحانه محتجا  
على الخلق ولا امر لهم بما  
وضع فيها عندكم من وجوب  
فعل الحسن وترك القبيح  
لان الله محتج الامر في الشاهد من  
حسب الامور المحتج عليه

ہے کہ وہ کسی کو مخلوق کی جانب رسول بنا کر  
نہیجے یہ ہے کہ شاہد و معتول میں تمیز کیجئے  
اور اس کی جنس سے ہوتا ہے۔ تو ان سے  
کہا جاسکتا کہ تمہارے استدلال پر لازم  
آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ مخلوق پر حجت قائم  
کرنے والا ہو نہ تمہیں تعلم دینے والا نہ یہ  
وہ اس اصول کے جو ان نے تمہارے  
قول کے مطابق ان میں وضع کر دیا ہے کہ  
اللہ تعالیٰ تم کو امر و نہی کرنے سے محتج ہے  
اور جس سے اللہ تعالیٰ محتج ہے وہ  
کرنے والا نہ تمہیں دینے والا ہی جنس سے  
ہوا کرتا ہے، جس سے وہ نہیں ہے تم  
کہا جاسکتا کہ ان پر نہ حجت قائم کی جاسکتی

اسی طرح اس سے ذرا قبل فرماتے ہیں۔

ويقال لزعم ان يثبت امر على  
قبح ذلك في الشاهد برحمكم  
فيجب ان تصور اعلى ان الفاعل  
للمال لا يفعاله الا لا جلاب منفعة  
او دفع ضررة او داع دعاه الي  
العمل وبعثه عليه والله تعالى جسيم  
مختلف فوحيد وقبول لذمراض  
وفي مكان دون مكان، لانكم لم  
تعقلوا فاعلا في الشاهد الا  
كذلك

اور ان سے کہا جائے گا کہ اگر تم اپنے کلام  
کے مطابق سوالیہ خیالات سے بات پر قائم  
کرتے ہو کہ شاہد میں یہ بات صحیح ہو تو تم  
پر واجب ہے کہ یہ ہی تسلیم کرو کہ فاعل  
عالم کی قائم ہے حصول یا کسی نقصان  
مکدور کر سکتا ہے، اس کی طرف سے  
جنس سے اس کا نام پڑتا ہے، اس سے  
کام نہیں کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ محتج ہے  
حیر رکھتا ہے اس کی اذیتوں کو نہ اللہ تعالیٰ  
تو اس مکان میں متمکن ہے کیونکہ شاہد  
میں تم ہی فاعل کا ان صفات کے متصف  
ہونے بغیر تصور نہیں کر سکتے۔

لیکن مسٹر مکار تھی کہتے ہیں ”کتاب ”شہاد“ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ”معتزلہ کے دلائل سے خدا کا علم، قدرت اور دوسری صفات ثابت ہوتی ہیں۔“  
معتزلہ کے دلائل بے شمار تھے، ان میں سے یہاں کون سے دلائل و انداز استدلال مراد ہیں، مسٹر مکار تھی کے ترجمے سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، حالانکہ تبیین ابن عساکر میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے۔

۴۹۔ شیخ پر ایک کتاب: اس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اشیاء بہر حال اشیاء ہیں، چاہے وہ معدوم ہوں،<sup>(۱)</sup> یہ ترجمہ مبہم ہی نہیں بلکہ یقیناً غلط ہے، اصل میں ہے۔

والفنا کتابا فی باب شیء وان  
الأشیاء هی اشیاء وان عدمت  
رجعنا عنه ونقضناه فمن دفع الیه  
فلا یعولن علیہ<sup>(۲)</sup>

اور ہم نے شیخ (کے مباحث) پر ایک  
کتاب تالیف کی (بالخصوص اس مسئلے  
میں) کہ اشیاء بہر حال اشیاء ہیں،  
اگرچہ معدوم ہوں ہم نے اس کتاب  
سے (بعد میں) رجوع کر لیا اور اس کی  
تردید لکھی، پس کسی کو ہماری کتاب سے تو  
اس پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔

یہ دو کتابیں ہیں، ایک امام اشعری کے زمانہ اعتزال کی اور دوسری اعتزال سے تائب ہونے کے بعد کی، پہلی کا نام ہے:

”کتاب فی باب شیء وان الاشیاء هی اشیاء وان عدمت“

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فلاسفہ میں افلاطون امثال مجردہ (Zogos) کا قائل تھا، بعد کے حکماء پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑا، چنانچہ جب افلاطونی اور ارسطاطالیسی فلسفوں میں تطبیق کی کوشش کی گئی، تو حکمائے متاخرین نے اعیان و حقائق کے وجود اور ماہیت میں تفریق و انفکاک کا اصول تراشا کہ ممکنات کا وجود ان کی ماہیت پر زائد ہوتا ہے، لہذا ماہیت وجود سے خالی ہو سکتی ہے، یعنی اعیان صفت وجود سے متصف ہوئے بغیر بھی اعیان بنے رہتے ہیں۔

تیسری اور چوتھی صدی کے معتزلیوں نے بھی فلاسفہ سے اس ”جواز تعری المناہیۃ عن الوجود“ کے مسئلے کو اخذ کر کے یہ موقف اختیار کیا کہ معدوم ممکن نفی محض نہیں ہے، بلکہ من وجہ ثابت۔

ان مفکرین معتزلہ میں ابوعلی الجبائی خصوصی اہمیت رکھتا ہے، وہ اپنے عہد کا سیدالطائف اور ایک مستقل مذہب ”الجبائیہ“ کا بانی تھا، اس کی بھی یہی رائے تھی، چنانچہ اٹھل میں امام رازی نے ”تفصیل قول الفلاسفہ والمعتزلہ فی المعدومات“ کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

زعم ابويعقوب الشحام و ابو علي  
الجبائى وابنه ابو هاشم ان  
المعدومات الممكنة قبل دخولها  
فى الوجود ذوات واعيان و  
حقائق<sup>(۱)</sup>

ابو يعقوب الشحام و ابو علي الجبائى اور (مؤخر  
الذکر کے) بیٹے ابو ہاشم کا گمان ہے کہ  
معدومات ممکنہ و وجود میں داخل ہونے  
(موجود ہونے) سے پہلے بھی ذوات اور  
اعیان اور حقائق ہوا کرتے ہیں۔

اسی الجبائی کے شاگرد رشید امام ابو الحسن الاشعری تھے، اس لئے وہ بھی اپنے زمانہ اعتزال میں اس عہد کے معتزلی متکلمین کی طرح اسی مسلک کے قائل تھے، اور اسی لئے انھوں نے ”کتاب فی باب شیء ان الاشياء هي اشياء وان عدمت“ کے نام سے وقت کے اس مروجہ مسئلے پر اپنے افکار کو قلم بند کیا۔

غرض یہ ایک کتاب ہے جو امام اشعری نے اپنے زمانہ اعتزال میں تصنیف کی تھی، لیکن ”ان الاشياء هي اشياء وان عدمت“ کا مسئلہ محض ایک دلچسپ حماقت ہی نہیں بلکہ اپنے اندر ایک خطرناک الحاد کو چھپائے ہوئے ہے، کیونکہ اگر اس مسئلے کو اس کی آخری حد تک سوچا جائے تو اس کا یہ طبعانہ منطقی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جو بعض معتزلہ کا مسلک بھی تھا کہ ”اس علم کے بعد کہ دنیا کا ایک پیدا کرنے والا ہے پھر بھی یہ شک باقی رہتا ہے کہ وہ صانع عالم موجود بھی ہے یا نہیں“ امام رازی کہتے ہیں۔

واتفقوا على انه بعد العلم بان  
للعالم صانعا عالما قادرا حيا  
حكيم ما مر سلا للرسول يمكننا  
الشك في انه هل هو موجود او  
لا الا ان نعرف ذلك بالدليل  
لانهم لما جوزوا اتصاف

اس پر معتزلہ کا اتفاق ہے کہ اس بات  
کے علم کے بعد بھی کہ عالم کا ایک صانع  
ہے جو عالم ہے، قادر ہے، حی (زندہ)  
ہے، حکیم ہے اور رسولوں کو بھیجنے والا ہے،  
ہمارے لئے یہ شک کرنا ممکن ہے کہ آیا وہ  
موجود ہے یا نہیں، الا یہ کہ ہم اس (صانع

عالم کے وجود) کو کسی (خارجی) دلیل سے جان لیں، کیونکہ جب معتزلہ نے یہ جائز قرار دیا کہ معدوم (بھی) صفت سے متصف ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علیت اور قادریت کی صفات سے متصف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ موجود بھی ہو۔

اتصاف ذات اللہ تعالیٰ بصفة العالمية والقادرية كونه موجوداً (۱)

اس لئے جب تیسری صدی کے اختتام پر امام اشعری اعتزال سے تائب ہوئے تو جہاں معتزلہ کی اور بدعات سے توبہ کی اس مسئلے سے بھی رجوع کیا، اور اپنے مسلک قدیم کی تردید میں ایک مستقل کتاب لکھی، چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

رجعنا عنه ونقضناه (۲)  
ہم نے اس کتاب سے رجوع کیا اور اس کی تردید لکھی۔

اس رجوع کا نتیجہ اشاعرہ کا مذہب ہنثار ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں عین ماہیت ہوا کرتا ہے، چنانچہ شرح المواقف میں ہے۔

المقصد سوم اس بحث میں کہ وجود نفس ماہیت ہے یا ماہیت کا جز ہے یا ماہیت پر زائد (ماہیت سے علیحدہ) ہے۔ پس یا تو سب میں یعنی واجب اور ممکن دونوں میں وجود نفس ماہیت ہوگا یا سب میں (واجب اور ممکن دونوں میں) ماہیت پر زائد ہوگا یا واجب میں نفس ماہیت ہوگا اور ممکن میں ماہیت پر زائد ہوگا۔ پس اس مسئلے میں تین مذہب ہو گئے، ان میں سے ایک شیخ ابی الحسن الاشعری اور معتزلہ میں سے ابی الحسین البصری کا مذہب

المقصد الثالث في ان الموجود نفس الماهية او جزءها او زائد عليها..... فاما ان يكون نفس الماهية في الكل اى الواجب والممكن جميعا او زائدا عليها في الكل او يكون نفس الماهية في الواجب زائدا عليها في الممكن..... فانحصرت المذاهب في ثلاثة احدها للشيخ ابي الحسن الاشعري و ابي الحسين البصرى من المعتزلة انه

نفس الحقیقة فی الكل ای  
الواجب والممکنات كافة

ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں  
نفس حقیقت (عین ماہیت) ہوتا ہے۔

غرض یہ نقض (تردید) ایک مستقل کتاب ہے، مگر مسٹر مکار تھی نے امام اشعری کی کتابوں کی آحاد اُلٹتے وقت دونوں کتابوں کو ایک ہی کتاب محسوس کیا، حالانکہ تبیین میں جو کچھ ”العمد“ سے نقل کیا گیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے دو مستقل کتابیں لکھی تھیں، پہلی ”ان الاشیاء ہی اشیاء وان عدمت“ کی تائید میں، اور دوسری اس کی تردید میں، لیکن جناب مستشرق کی ہمہ دانی نے دو کتابوں کو ایک کتاب بنا کر خلط مبحث کر دیا۔ ”شہنی پر ایک کتاب اس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اشیا، بہر حال اشیا، ہیں، چاہے وہ معدوم ہوں۔“

۶۷۔ جبائی کے سوالوں کے جواب میں۔<sup>(۱)</sup>

قارئین کرام کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر وہ کیا سوالات تھے جو الجبائی نے کئے تھے، مسٹر مکار تھی نے ان سوالات کی نوعیت سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، حالانکہ تبیین کی روایت کے مطابق امام صاحب نے ان سوالات کی نوعیت بھی کھول کر بیان کر دی ہے، اصل میں ہے۔

الفنا کتابا اجبنا فیہ عن مسائل  
الجبائی فی النظر والاستدلال  
وشرائطہ<sup>(۲)</sup>

ہم نے ایک کتاب تالیف کی جس میں  
الجبائی کے ان سوالات کا جواب دیا جو  
اس نے نظر و استدلال اور شرائط نظر کے  
سلسلے میں کئے تھے۔

غالباً مسٹر مکار تھی ”نظر“ اور ”استدلال“ کے مصداق سے کما حقہ واقف نہ تھے، اس لئے انھوں نے اس کو صاف اڑا دیا، حالانکہ نظر و شرائط نظر اور استدلال مفکرین اسلام کا خاص موضوع رہے ہیں، اور اصول و کلام کی تمام مستند کتابیں ان کی بحثوں سے معمور ہیں، مثال کے لئے شرح المواقف کو لیجئے، موقف اول کا مرصد خاص مسائل نظر کی، اور موقف سادس مسائل استدلال کی تبیین و توضیح اور بحث و تمحیص پر مشتمل ہے، اسی طرح قاضی بیضاوی کی طوابع الانوار کے مقدمہ میں ان مباحث کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس کی فصل ثالث میں نتج (استدلال) کا اور فصل رابع میں خصوصیت سے احکام نظر کا ذکر ہے، اسی طرح ابن حاجب (المتوفی ۶۳۶ھ) نے مختصر منتهی الاصول کے

(۱) معارف ص ۳۰۰ سطر ۱۸ (۲) تبیین ص ۳۴ سطر ۱۱۔۱۲

مقدمہ میں مسائل نظر و استدلال کو ذکر کیا ہے، (۱) اس کے علاوہ اور بہت سی تحریروں میں اس کا ذکر ہے مگر مستشرقانہ نگار نے اس کتاب کے موضوع کی اتنی توضیح بھی نہیں کی جتنی "تیسین کذب المفتری" کی ظاہر عبارت سے مستفاد ہو سکتی تھی۔

۶۹۔ کتاب فی الرد علی الفلاسفہ: اس میں تین مقالے ہیں، ابن قیس مناوی کے رد میں، ہیولی اور طبائع پر یقین رکھنے والوں کے رد میں اور ارسطو کے ان خیالات کے رد میں جو عالم اور افلاک سے متعلق ہیں۔ (۲)

یہ ترجمہ بھی گمراہ کن ہے۔ اگر قارئین کرام اس کا تبیین کذب المفتری کی اصل عبارت سے موازنہ فرمائیں گے، تو یہ چیز واضح ہو جائے گی تبیین میں ہے۔

اور ہم نے فلاسفہ کے رد میں ایک کتاب لکھی جو تین مقالوں پر مشتمل ہے، اس میں ہم نے ابن قیس دہری کے دلائل کا رد کیا ہے اور ان لوگوں پر جو ہیولی کے قائل ہیں یا طبائع کے قائل ہیں (مادہ پرست یا میٹریلسٹ) پر اعتراض کئے ہیں، اور ارسطو کی ان دلیلوں کی تردید کی ہے جو اس نے "کتاب السماء والعالم" میں بیان کی ہیں، اور یہ بیان کیا ہے کہ منجمین جو حوادث روزگار کے ستاروں کی جانب منسوب ہونے کے قائل ہیں اور جو نیک بختی اور بد بختی کے احکام کو ستاروں کی گردش سے متعلق سمجھتے ہیں ان پر ان کے اس قول کی بنا پر کیا اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔

الكتاب كتابا في الرد على الفلاسفة  
يشتمل على ثلاث مقالات ذكرنا  
فيها نقضى على ابن القيس  
الدهري وتكلمنا فيه على  
التساؤلين بالهيوولي والطبائع  
ونقضنا فيه علل ارسطاطاليس في  
السماء والعالم وبيننا ما عليهم في  
قولهم باضافة الاحداث بالنجوم  
وتعليق احكام السعادة والشقاوة  
بها (۳)

(۱) مؤلفہ المستفی اصول میں ۶۰۴ (۲) معارف ص ۳۰۰ ط ۱۹ ص ۳۰۱ ط ۲ (۳) تبیین ص ۱۳۳ ط ۱۲ ص ۱۷



چند چیزیں قابل غور ہیں۔

۱۔ مسٹر مکار تھی نے ”الدھری“ کا ترجمہ منادی (غالبا مادی) کیا ہے، حالانکہ وہ ہیرا اور مادہ پرستوں میں بڑا فرق ہے۔

۲۔ ”ارسطو کے ان خیالات کے رد میں جو عالم اور افلاک سے متعلق ہیں“ کاٹس انکر مسٹر مکار تھی نے اسلامیات کا مطالعہ کیا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ ”السما والالعالم“ ارسطو کی ایک کتاب کا نام ہے، جسے لاطینی زبان میں ”De coelo“ اور اصل یونانی میں ”OYQAVOV“ کہتے ہیں، ابن الندیم ”الفہرست“ میں ارسطو کی کتب طبیعیات کے ضمن میں لکھتا ہے۔

الکلام علی کتاب السماء  
والعالم وهو اربع مقالات نقل  
هذا الکتاب ابن البطریق  
واصله حنین (۱)

کتاب السماء، والعالم پر کلام: وہ چار  
مقالات پر مشتمل ہے، اس کتاب کا ابن  
البطریق نے نقل کیا اور ضمن نے اس  
ترجمہ کی اصلاح کی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ارسطو کی کتب طبیعیات میں دو کتابیں درج ہیں۔

”کتاب السماء والعالم والکلام علیہ وهو اربع مقالات نقل هذا الکلام  
ابن البطریق“ (۱)

یہ کتابیں بطریق قفطی نے ”الفہرست“ کے علاوہ ایک دوسرے حوالے سے ارسطو کی ”فہرست“  
دی ہے۔ (حوالہ شمس مسمی ”اللیلیوں کے کتب“ نام الفہرست کا حوالہ ہے) اس میں بھی اس کتاب  
کا ذکر ہے۔ ”کتاب فی السماء والارض“ اربع مقالات (۲)۔ اس کتاب کا ترجمہ ابن  
تیمنیس دوسرے لوگوں کے علاوہ ابن رشد الاندلسی نے بھی کیا، فقہ دار ابو المعارف حیدر آباد نے  
شائع کر دیا ہے، مگر تعجب ہے مسٹر مکار تھی ان سب حقائق سے نا آشنا ہیں اور بے درخی یہ لفظی ترجمہ  
کر دیا ہے کہ ”ان خیالات کے رد میں جو عالم اور افلاک سے متعلق ہیں۔“

۳۔ اس کتاب کے موضوع کا تیسرا جز، زمین کا رد ہے جو اس باب کے قائل تھے کہ  
حوادث روزگار گردش نجوم کا نتیجہ ہیں، اور نیک نجاتی کو ستاروں سے متعلق گروا لیتے تھے۔

فی قولہم بانفساۃ الاحداث  
بالنجوم وتعلیق الکلام المذکور  
والشقاۃ بہا

ان کے حوادث روزگار کو نجوم کی  
تعلیق سے منسوب کرنے کی  
پرکھ کر ان کو اس سے نفرت  
کھینچنے کے مقصد سے لکھا گیا ہے۔

(۱) الفہرست ابن الندیم ص ۳۵ (۲) اخبار النیسابوریہ ص ۳۵ (۳) ایضاً ص ۳۲

منجمین کی تردید متکلمین اسلام کا عام موضوع تھی، چنانچہ امام اشعری کے شاگرد کے شاگرد قاضی ابوبکر الباقلائی نے "التمہید" میں مفصل طور پر منجمین کا رد کیا ہے، اس باب کا نام ہے "باب الکلام علی المنجمین" امام اشعری نے بھی، اس کتاب کے اس جزء میں ان ایرادات و اعتراضات کو بیان کیا ہے، جو منجمین پر وارد ہو سکتے ہیں، لیکن مسنن مکار تھی نے اس کا ترجمہ تک کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

۷۶۔ ابوالہذیل کے رد میں حرکت کے سلسلے میں۔ (۱)

یہ ترجمہ اگر گمراہ کن نہیں تو حیران کن ضرور ہے، اس سے محض یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالہذیل العلاف یا تو حرکت کے وجود خارجی کا قائل تھا، یا منکر اور امام اشعری نے اس کو رد کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس کی تفصیل یہ ہے۔

متکلمین حدیث عالم کے قائل ہیں، یعنی سلسلہ حوادث کو ازل کی جانب سے منقطع ہونا چاہئے، اور وہی بدو آفرینش و تخلیق کائنات ہے، ابوالہذیل العلاف بھی اس عقیدے سے گرم مبلغ تھا، ایک مجلس مناظرہ میں اس سے کہا گیا کہ تم لوگ اس بات کے قائل ہو کہ سلسلہ حوادث ابد کی جہت میں لائی نہایت چلا جاتا ہے، مثلاً سکون بہشت ابد الابد تک نعیم جنت سے محفوظ ہوتے رہیں گے، تو جس طرح سلسلہ حوادث ابد کی جہت میں لائی نہایت جا سکتا ہے، اسی طرح ازل کی جہت میں بھی لائی نہایت جا سکتا ہے، لہذا عالم کے لئے حدیث زمانی (Creation in Time) ضروری نہیں، یہ سن کر ابوالہذیل سٹ پٹا گیا، اور کہنے لگا، نہیں، جس طرح حوادث کے سلسلہ کا ازل میں ممتدالی لانہایت ہونا، ناقابل تصور ہے، اسی طرح وہاں پر ممتدالی نہایت نہیں جا سکتا، پس، ہشتیوں اور دونخیوں کی حرکات کبھی نہ کہیں منقطع ہو جائیں گی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ نہ جنتی کسی مزید نعمت جنت سے محفوظ ہو سکیں گے اور نہ دوزخی کسی مزید عذاب دوزخ سے عذاب پائیں گے، چنانچہ شیرستانی نے لکھا ہے۔

پانچویں قائل اعتراضات ابوالہذیل العلاف کا یہ قول کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کی حرکات (کبھی نہ کبھی) منقطع ہو جائیں گی اور وہ دائم سکون کی حالت

الخصامة قوله ان حرکات اہل الجنت والذین تنقطع وانہم یصیرون الی سكون دائم جمودا وهذا یوجب من مذہب جہم اذ حکم

بفناء الجنة والنار وانما التزم  
ابوالهذیل هذا المذهب لانه لما  
الزم فی مسئله حدوث العالم ان  
الحوادث التي لا اول لها  
كالحوادث التي لا آخر لها اذ  
كل واحد لا تناهي. قال اني لا  
اقول بحركات لا تناهي آخراً  
كما لا اقول بحركات لا تناهي  
اولاً بل يصيرون الى سكون  
دائم (۱)

میں جامد بن جائیں گی۔ یہ قول جمع میں  
معتوان کے مذہب کے قریب قریب ہے  
کیونکہ اس نے بھی جنت اور دوزخ کے  
فنا ہو جانے کا حکم لگایا تھا، ابوالہذیل و  
اس مذہب کا اس طرح قائل ہونا پڑا کہ  
جب حدوث عالم کے مسئلے میں اسے یہ  
الزام دیا گیا کہ وہ حوادث جن کا آغاز نہ  
ہو ان حوادث کی طرح ہیں جن کا انجام نہ  
ہو، کیونکہ دونوں لا تناہی ہیں تو ابوالہذیل  
کہنے لگا کہ میں جس طرح ان حرکات کا  
قائل نہیں ہوں جو اپنے آغاز میں لا تناہی  
ہیں اسی طرح ان حرکات کا بھی قائل نہیں  
ہوں جو اپنے انجام میں لا تناہی ہیں بلکہ  
وہ دائمی سکون و جمود کی حالت میں منتہی  
ہو جائیں گی۔

یہ ابوالہذیل العلاف کا مذہب مشہور ہے، (۲) امام متکلمین نے اس کا رد کیا ہے وہ کہتے  
ہیں کہ حوادث اور حوادث مستقبلہ میں بنیادی فرق ہے، اور ایک کا قیاس دوسرے پر قیاس مع  
الفارق ہے، اس موضوع پر امام ابوالحسن الأشعری نے ایک کتاب تصنیف کی تھی، جس کا نام ابن  
فورک نے ”کتاب الرد فی الحركات علی ابی الہذیل“ بتایا ہے۔  
لیکن مسٹر مکار تھی نے کتاب کو ایک قسم کا فلسفہ طبیعیات کا مسئلہ بنا دیا ہے۔

۸۳۔ کتاب فی تشابہ القرآن: اس میں اشعری نے ملاحظہ اور معتزلہ کو ایک ہی زمرے  
میں شمار کر کے ان کا رد کیا ہے، اور ابن الراوندی کی کتاب التاج کا بھی رد ہے، (۳) اصل میں ہے۔  
و کتاب فی متشابه القرآن جمع  
فیہ بین المعتزلة والملحدین فیما  
کتاب فی تشابہ القرآن اس میں امام  
صاحب نے معتزلہ اور ملحدین دونوں کو

(۱) املل وائل للشہرستانی ج اول ص ۲۳ (۲) تبیین ص ۳۵ سطر ۱۹ (۳) معارف ص ۳۰۱ سطر ۱۰-۱۱

وہا عنون بہ فی مدعاہ الحدیث  
و نقص کتاب التاج علی ابن  
الراوندی (۱)

ایک گروہ محسوب کیا ہے کہ دونوں  
احادیث متشابہات پر طعن کرتے تھے،  
اور نقص کتاب التاج ابن راوندی کے

خلاف ہے۔

اس میں وہ باتیں قابل نمونہ ہیں (۱) مسٹر مکار تھی کے ترجمے سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی  
کہ امام اشعری نے ملاحظہ اور معترضہ لکھا ہے کہ اس کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے، کہ یہ دونوں کردہ احادیث متشابہات پر طعن کیا  
کرتے تھے، چنانچہ امام اشعری سے پہلے اور بعد میں بہت سے علماء اسلام نے ان مطاعن کا  
جواب دیا ہے، امام اشعری سے پہلے ابن قتیبہ نے ”تاویل مختلف الحدیث“ اسی موضوع پر لکھی تھی،  
اور امام اشعری کے بعد امام ابن نورک نے ”تاویل مشغف الحدیث“ لکھی، بہر حال امام اشعری نے  
اپنی اس کتاب میں معترضہ اور ملاحظہ کے ان مطاعن و اعتراضات کا جواب دیا ہے، جو وہ متشابہات  
قرآن و متشابہات حدیث پر وارد کیا کرتے تھے۔

۲۔ مسٹر مکار تھی نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں ابن راوندی کی کتاب کا بھی رد ہے،  
حالانکہ یہ ایک مستقل کتاب ہے، اس کا عنوان ”نقص کتاب علی ابن راوندی“ ہے، اور کتاب  
متشابہ القرآن میں جس کا موضوع متشابہات احادیث پر اعتراضات کا جواب ہے۔ ”کتاب  
التاج“ کا انضمام بالکل بے میل اور بے جوڑ ہے، کتاب التاج کا موضوع خود امام اشعری کے  
لفظوں میں قدم عالم کے عقیدے کی تائید ہے۔

کتاب التاج وهو الذی نصر فیہ  
القول بقدیم العالم (۲)

کتاب التاج وہ کتاب ہے جس  
میں (ابن راوندی) نے عالم کے قدیم  
ہونے کے عقیدے کی حمایت کی ہے۔

لیکن اس سے ایک جانب امام اشعری کے علم کلام کی نوعیت کے بارہ میں غلط فہمی پیدا ہوتی  
ہے اور دوسری جانب ان کتابوں کی تعداد بھی کم ہو جاتی ہے، یہ دو کتابیں ہوتی ہیں، مگر مسٹر مکار تھی  
نے ۸۳۔ کے ضمن میں دونوں کو ایک محسوب کیا ہے۔

۹۴۔ ایک رسالہ عقائد پر، اس بارے میں کہ آیا "خلق" کا استعمال صحیح ہے۔<sup>(۱)</sup>

یہ ایہام انتہائی گمراہ کن ہے "عقائد اور "خلق" کا استعارہ میں ایسا لگتا ہے، جیسا کہ اس فقرے کا کہ "خلق کا استعمال صحیح ہے" کیا مفہوم ہے؟ کیا اس میں اخلاق کی مثالیں ہیں یا انسانی کی مثالیں ہیں؟

اصل میں ہے۔

رسالة في الايمان وهاهنا يطلق  
عنايه اسم الخلق<sup>(۲)</sup>

ایک رسالہ ایمان (عقائد) کے بارے میں  
جس کا آغاز مخلوق کا نام لگتا ہے۔

یہ ایک سنگین اور سنگین کتاب ہے۔ اس میں  
اس باب میں تحت اختلاف ہے، ظاہر ہے کہ اس میں  
غیر مخلوق ہونے کے بارے میں مؤرخ الذکر میں سے  
اور انہ فرمائے تو اس امر کا کیا ہے کہ  
اس پر کلام ہے کہ مخلوق ہونے کے بارے میں  
۱۸۱ ج) "السائرۃ" میں لکھا ہے۔

المصنف في الثانية لم يتناول في  
اختلاف في الايمان وخلق في  
غير من طوائف ر الاول حسن اهل  
المصنف في الثاني من البعد  
بعد انما هم من ان اول العباد  
كلها من مخلوق لله تعالى و  
بعض مشائخ بغدادی كمال  
الفضل و المشيخ احمد عجل  
الرحمن الرحيم و قدامهم الله

اور اس کتاب میں  
جس کا آغاز مخلوق کا نام لگتا ہے۔  
قول میں لکھا ہے کہ  
المصنف في الثاني من البعد  
بعد انما هم من ان اول العباد  
كلها من مخلوق لله تعالى و  
بعض مشائخ بغدادی كمال  
الفضل و المشيخ احمد عجل  
الرحمن الرحيم و قدامهم الله

زیادہ مبالغہ کیا ہے اور ائمہ فرغانہ نے  
اس میں ان کا اتباع کیا اور اس شخص کی  
تکفیر کی جو خلق ایمان کا قائل ہو اور اس پر  
کلام باری کے مخلوق ہونے کا قائل  
ہونے کا الزام لگایا۔

فرغانہ فکفروا من قال بخلق  
الایمان والزموا علیہ خلق کلام  
اللہ تعالیٰ (۱)

غالباً قیام بغداد کے زمانہ میں جب امام اشعری کو متعصب حنابلہ کا مقابلہ درپیش تھا، مسئلہ  
خلق ایمان سے ان کا سابقہ پڑا، کیونکہ ان کا مشہور دشمن الاہوازی نے جو گروہ حشوہ سے تعلق رکھتا  
تھا، مسئلہ خلق ایمان کے باب میں امام اشعری کے موقف کو ان کے مطاعن کی فہرست میں محسوب کیا  
ہے اور اس اعتراض کو نقل کرتے ہوئے حافظ ابن عسا کر نے لکھا ہے۔

اور اہوازی نے مسئلہ ایمان کے بارے  
میں جو کچھ امام اشعری کی جانب منسوب  
کیا ہے وہ اس کی پچھلی بہتان تراشیوں  
کے مانند ہے۔

واما قوله فی مسئلة الایمان فمن  
جنس ما تقدم فیہ فی البہتان

اس لئے اس مسئلہ خاص میں امام اشعری نے زیر بحث رسالہ لکھا تھا، یہ رسالہ آج ناپید  
ہے، لیکن حافظ ابن عسا کر نے اس کا تفصیلی مطالعہ کیا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور میں امام ابو الحسن کی تصنیف کے ذریعہ  
اس مسئلے سے واقف ہوا اور اس کتاب  
میں ان کے (انداز) استدلال کو اس  
یسنیدہ تفصیل پر دلالت کرنے والا پایا۔

وقد وقفت علی ہذہ المسئلة من  
تصنیف ابی الحسن فوجدت  
استدلالہ فیہا یدل علی ہذا  
التفصیل الحسن (۲)

مسئلہ ایمان کے باب میں امام اشعری کا موقف بتقریح حافظ ابن عسا کر حسب ذیل ہے۔

امام ابو الحسن الاشعری علی الاطلاق ایمان  
کے قدیم ہونے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ  
وہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کے قدیم  
ہونے کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان

وابوالحسن لا یقول بقدم  
الایمان علی الاطلاق وانما یقول  
بقدم صفات العلیم الخلاق فمن  
اسماء ہ التی سمی بہ نفسہ

(۱) المسائلہ ص ۱۹۱ (۲) تبیین ابن عسا کر

”المومن“ قال سبحانه (الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن) ف قيل انه مشتق من الايمان وقيل بل هو ماخوذ من الامان فمن قال انه اشتق من الايمان فلانه صدق نفسه فقال (ومن اصدق من الله قيلا) ومن قاله انه ماخوذ من الامان فلانه امن اولياءه من ظلمه فلا يظلمهم فتبلا فابوالحسن نفي الخلق عن الايمان الذي هو صفة من صفات الرحمن فاما الايمان الذي هو صفة الانسان محدثا وصفته قديمة وهل يتصور ذلك الا من مسح بقاء الانسانية بهيمية<sup>(۱)</sup>

کے اسماء میں سے جن سے اس نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے ”المومن“ بھی ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے (الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن) چنانچہ کہا گیا کہ (لفظ مومن) ”ایمان“ سے مشتق ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ ایمان سے نہیں بلکہ امان سے مشتق ہے پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ لفظ ”مومن“ ایمان سے مشتق ہے تو اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی تصدیق کی ہے (اسے سچا بتایا ہے) ومن اصدق من الله قيلا اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ ”امان“ سے ماخوذ ہے تو اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اپنے ظلم سے بخوف بنا دیا ہے فلا يظلمهم فتبلا یعنی امام ابو الحسن الأشعری نے اس ایمان سے خلق کی نفی کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے رہا وہ جو انسان کی صفت ہے تو اس کا قائل ہونا سراسر بہتان ہے اور کیونکر ممکن ہے کہ انسان تو حادث ہو اور اس کی صفت قدیم ہو اور وہی شخص اس بات کا تصور کر سکتا ہے جس کی انسانیت مسخ ہو کر بہیبت بن گئی ہو۔

غرض: یہ بحث رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ ایمان پر کس صورت میں مخلوق ہونے کا اور کس صورت میں غیر مخلوق ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، مگر جناب مستشرق کی معراج تحقیق یہ ہے کہ ایک رسالہ عقائد پر اس بارے میں کہ آیا خالق کا استعمال صحیح ہے۔ یہ ہے ہشتہ نمونہ از خروارے، مستشرقین یورپ کی تحقیق انیق!!

# ابوالعلا معری کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیاں

مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم

ہمارے ہاں قدماء کے درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ مدرس خود مسئلہ پر زبانی تقریر کرتا تھا، طلبہ سنتے تھے، اور یادداشت لکھتے جاتے تھے، اس طریقہ درس کا نام الماتھا، آج کل یورپ کا طرز بھی یہی ہے، اور عموماً ہندوستانی کالجوں میں بھی اسی کی تقلید ہوتی ہے۔ اس طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ کم سے کم وقت میں الفاظ اور کسی خاص کتاب کی پابندی کے بغیر نفس مسئلہ حاضرین کے سامنے آجاتا ہے، طلبہ کا ذہن، عبارت الفاظ اور ضمیروں کی الجھن میں نہیں پڑ جاتا۔

ہم نے یہ چاہا ہے کہ دارالعلوم ندوہ کے جدید انصاب میں اس طریقہ درس کو دوبارہ زندہ کریں ہم نے چند لائق دوستوں کو اس سلسلہ کے آغاز کے لئے خطوط لکھے، تو سب سے پہلے مولانا فضل دوست مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی ادیب اور شہیل کارملا پور سے اس سلسلے کے سب سے پہلے آمادگی ظاہر کی، اور ۱۸ جون ۱۹۲۵ء کو لکھنؤ آ کر انہوں نے ہمارے عزیز طلبہ کے سامنے دو دن دو گھنٹے عنوان بالا پر املا کیا، اثنائے سخن اور آغاز کلام میں انہوں نے طلبہ کو اس علم کی جدوجہد سے مطلع کیا، جو وہ ہمارے علوم و فنون کی حفاظت اور اشاعت میں کر رہا ہے، اس کے ساتھ لڑی خواں طلبہ کو غیرت دلائی کہ وہ بلند دستی کے ساتھ ان خدمات کے ادا کرنے کے لئے کیوں اپنے کو آمادہ نہیں کرتے۔

طلبہ ندوہ عربی ادب و تاریخ میں ید طولیٰ رکتے ہیں اور اسی کے ساتھ قلمی کتابوں



یورپین مطبوعات اور علمائے یورپ کی کوششوں سے پوری طرح آگاہ ہیں، اس لئے اس مضمون میں وہ پوری کامیابی حاصل کر سکے ہیں، مشرق کے قدیم انجیال احباب تو مغرب کے کمال کے یکر منکر ہیں، لیکن جدید تعلیم یافتہ اشخاص اس کی ہر بات کو وحی آسمانی اور اس کے ہر مصنف کو معصوم لیتے ہیں کرتے ہیں، یہ افراط و تفریط ہے، پہلا جہل مطلق ہے، تو دوسری مرعوبیت اور دائمی غلامی، خطیب نے اس لئے خطبہ کا عنوان ”ابوالعلماء معری کے متعلق مستشرقین کی غلطیاں“ مقرر کیا، تاکہ علمائے یورپ کے محاسن اور معائب دونوں ہمارے طلبہ کے سامنے آجائیں، خدا کا شکر ہے کہ ایک طرف ہمارے عزیز طلبہ اور فاضل مدرسین نے خطیب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا، دوسری طرف ہمارے دوست نے طلبہ اور اساتذہ کے علمی ذوق و شوق، جدید معلومات کی تحصیل و طلب اور ان کے حسن مذاق اور ذوق سلیم کی پوری داد دی اور تسلیم کیا کہ یہ خصوصیتیں کسی اور عربی مدرسہ میں انہوں نے نہیں پائیں۔

ذیل میں اس حصہ کے تحریر شدہ حصہ کو ہم شائع کرتے ہیں، اور عربی خواں طلبہ کو اس کو دقت نگاہ کے ساتھ پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ (سید سلیمان ندوی)

خطیب نے تمہید و شکر یہ کے بعد کہا۔

اندلس کی کسی تاریخ میں کبھی کسی اندلسی فاضل کی شان میں متنبی کا یہ شعر نظر سے گذرا تھا۔

کبرت (۱) حول بیوتہم لما بدت منها الشمس و لیس فیہا المشرق

بات بھی یہی ہے اور اس بیت میں ایک ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ اہل اندلس ہر فضیلت کے بجا طور پر سزاوار ہیں، مادر و ہرنے ہر چند لیل و نہار کے ہزار ہا سیاہ و سفید ورق الٹ ڈالے، مگر کبھی ایسی وارفتہ علم قوم کو پھر اس جہاں میں نہ لاسکی اور نہ بظاہر توقع ہے کہ آئندہ لائے۔

سو اس وقت آفتاب علم کا بلا د مغرب سے طلوع ہونا کوئی اچنبھے کی چیز نہ تھی مگر افسوس کہ پھر وہ حالت نہ رہی اور وہ آفتاب پھر اپنے پرانے رخ یعنی مشرق سے نکلنے لگا، گلاب ہمارے کانوں میں کوئی سو سال سے وہی بھنھنا ہٹ محسوس ہو رہی ہے، جس کا باعث بجز اس افسوسناک امر کے اور کیا ہو سکتا ہے، کہ ہم نا اہل اخلاف نے ان فاضل اسلاف کی پیروی ترک کر دی اور ہمارا علمی ترکہ اغیار لے اڑے اور جس طرح ہم ملک سے تھی دست ہو گئے تھے، اسی طرح علم و فضل سے بھی

(۱) میں نے ان کے گمبوں کے پاس کھڑے ہو کر تعجب سے اللہ اکبر کہا، جب کہ ان میں سے سورج طلوع ہوا حالانکہ وہ کوئی مشرق میں نہ تھے بلکہ مغرب میں تھے۔

عاری ہونے لگے، اجانب بیدار تھے، انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کی پوری تربیت و نگہداشت کی حتیٰ کہ ان کی علمی خدمات کی صدائیں اپنی مسلسل گونج سے ہمارے کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں، مگر واہ رے ہماری غفلت کہ ہمیں اس گہری نیند سے نہ جاگنا تھا اور نہ جاگے، کابلی، تن آسانی اور سہل انگاری ہماری ممتاز خصوصیتیں ہو گئیں اور دنیا ہمیں طعنہ دینے لگی کہ یہ ہیں انہی نامور اسلاف کے ناکارہ اخلاف۔ حیف صد حیف۔

ادھر یورپ نے نہ صرف اپنے بلکہ ہمارے مخصوص علوم و فنون کی وہ بے لوث اور سرگرم علمی خدمتیں کیں، جو ان کے لئے ہمیشہ جلی حروف میں تمغائے امتیاز اور ہمارے لئے ننگ و عار کا ایک لازوال داغ بنی رہیں گی، جس کے مٹنے کی اگر لیل و نہار یہی ہے، تو کوئی قریبی توقع رکھنا سہی لا حاصل ہے، انہوں نے شرق و غرب کے ہزار باعمومی و خصوصی کتب خانے الٹ ڈالے، اور ہماری نادرہ روزگار کتابوں کا ایک ایک کر کے کھوج نکالا، پھر ان کا متعدد نسخوں سے مقابلہ کیا، ان کو ذیلی حواشی اور ملاحظیات سے آراستہ کیا یعنی کہ ہم سے ہماری زبان میں ہم کلام ہوئے اور ادھر اپنے ابنائے وطن کے لئے اپنی زبانوں میں ترجمے کئے۔

اور اس طرح اجانب و اقارب ہر دو کے دلوں میں اپنی سبقت کی مہر ثبت کر دی اور دونوں کی گردنیں اپنے احسان کے سامنے خم کر دیں، اور ہر مخالف و موافق کی زبان سے خراج تحسین و آفریں وصول کیا۔

میں گویا یورپ کی قصیدہ خوانی پر اتر آیا، اور اپنی انتہائی پستی کا ماتم کرنے پر، اس لئے اب ان باتوں کو یہیں چھوڑ کر اصل مطلب کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہوں یعنی یہ کہ اہل یورپ نے ہر چند کہ ہماری زبانوں کی بیش بہا خدمتیں کی ہیں، مگر چونکہ وہ ہماری فطری اور کسی عادات کی ترجمانی کے حقیقی اہل نہ تھے، اور گویا وہ اپنی لیاقت کے بل بوتے پر اور ہماری نالائقی سے فائدہ اٹھا کر ہمارا بوجھ اپنے دوش ہمت پر لینا چاہتے تھے اور اس طرح ہمارا کام خود انہوں نے سنبھالنا چاہا، اس لئے بتقاضائے سنت الہی ضروری تھا کہ حقیقی اجنبیت و مغایرت اور اکتسابی فضیلت و لیاقت خلقی خامی اور کمزوری کو ہمیشہ دبانے میں کامیاب نہ ہو۔

مگر افسوس جب کہ ہمیں سرے سے اصل ہی سے کوئی سروکار نہ تھا، تو ہم سے یہ امید کیسے وابستہ کی جاتی کہ ہم اصل و نقل میں تمیز کر سکیں، اس لئے ہم گم گشتگان بادیہ حیرت کے دلوں میں روز بروز یہ عقیدہ اور مستحکم ہوتا گیا کہ اجانب خدا نہ کرے کسی خارق فطرت اور مافوق العادۃ قوت

کے مالک ہیں، جو انھیں ہر دو میدانوں یعنی سیاست و ایانت میں کامیابی سے ہم کنار کر رہی ہیں اور گویا فطرتاً ہی ان محاسن سے محروم پیدا کئے گئے ہیں اس لئے بسکی اور عاجزی ہماری ہوسنی ہے، اور ہم اس کے ہو گئے ہیں، نہیں نہیں۔

انقصان ز قابل است و گرنہ علی الدوام  
فیض عنایتش ہمہ کس را برابر است

سچ پوچھے تو مفتوحین ہمیشہ اپنے اخلاقی امراض کا نکار سے ہیں و لکن فی علاقہ اسرار  
سونا گزیر تھا کہ ان کو یہ بات اچھی طرح نہیں نشین کرادی جاسکے کہ فہم سے ہرگز ہرگز ان  
کے بارے میں بخل سے کام نہیں لیا اور یہ مہار کی مہر کی پستی ان کی ہرگز نہیں  
باضعف و ناتوانی ہیچوں نسیم نوش باش  
جس طرح یہ ضرورت تھی وہاں کے نورانیہ میں کسی طرح ہم نہ تھی کہ ان گمراہوں کو راہ  
راست پر لایا جائے، اور ان کے اس بت پندار کو توڑا جائے، جس کا ظاہری اثر یہاں تک پہنچانے  
کہ وہ مشرق کے بے لوث اور مخلص خادمان عجم کی سرزنش شانہ مسالی کو باوجود کوشش سے ہر شمار ہو کر  
شان بے نیازی سے ٹکرا دینے کے عادی ہو گئے ہیں۔

اس سلسلہ کی پہلی بڑی معریت یعنی مسائل متعلقہ ابوالعلاء عربی ہیں، جن کا ایک حصہ  
بعنوان ”معری اور معارضہ قرآن“ معارف میں پہلے شائع ہو چکا ہے، اس کا سبب صرف یہ ہے کہ  
عاجز نے ان دنوں ابوالعلاء پر عربی میں ایک کتاب مسکن ”ابوالعلاء مالک“ لکھی ہے، اور چونکہ ابوالعلاء  
کے آزادانہ افکار و آراء اہل یورپ کو اس وجہ سے کہ ان سے زیادہ بھانپتے تھے، انھوں نے نہایت تنگ  
وہ اور کدو کاوش کر کے اس کے احوال و اخبار میں بہت مخصوص غیر مخصوص اور بھلی بری ہر قسم کی  
چھوٹی بڑی کتابیں جرمن، انگریز اور فرانس میں لکھوائی ہیں، ضرور معلوم ہو کہ  
سر دست اس مضمون کو چھپڑوں جو ایک حد تک ان کے لئے مایہ نازش اور ٹھکانہ ہوا ہے، اور اس  
میں ان سے اغلاط کے سرزد ہونے کا نسبتاً بہت تھوڑا امکان رہا تھا، میں ابوالعلاء کے مفصل اور  
نقد و تبصرہ کے لئے قارئین کو اپنی مذکورہ تالیف کا حال دوں گا جو اگر خدا کو منظور ہو اور حالات سے  
مساعدت کی تو کسی قریبی زمانہ میں نفل آئے۔

یہاں میرا مطلب صرف ان اغلاط کا ذکر اور تناقضات قلمی سے ہے، جو ابوالعلاء کے  
مغربی مشائخ سے اس کی زندگی کے کچھ میں سرزد ہوئے ہیں، بد قسمتی سے میں جرمن اور فرانس  
کتابوں سے احاطہ کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا، مگر چونکہ اہل یورپ نے اس سلسلہ میں ایک دوسرے کی

ترجمانی پر ہی قناعت کی ہے اس لئے میں نے الجملہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ان کے مضامین پر قدرے عبور ہے، اسی ترجمانی کا نتیجہ یہ اغلاط کا انبار ہے۔

اس لئے میں یہاں خصوصیت کے ساتھ مارگو لیوتھ اور نکلسن صاحبان کے مشترک اور مخصوص اغلاط ہی سے بحث کروں گا اور ناظرین اپنے طور پر یہ یقین کر لیں کہ پورا یورپ کم و بیش انہی اغلاط میں مبتلا ہے، مارگو لیوتھ نے رسائل معری مطبوعہ آسفورڈ ۱۸۹۸ء کے شروع میں ایک زبردست پر مغز اور پر مواد مقدمہ نہایت متین لہجہ میں لکھا ہے، جس کی صدائے بازگشت نکلسن کی ہسٹری آف عربک لٹریچر، آرکیکل انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اور اسٹڈیز ان اسلامک پوٹری ہے، میں نے چار کتابوں کے لئے علی الترتیب یہ علامات وضع کی ہیں (م۔ آداب۔ دائرہ، افکار) مارگو لیوتھ صاحب کا مقدمہ کل ۳۳ صفحات کا ہے اور نکلسن صاحب نے سوانح کے سلسلہ میں دو چار چھ صفحاتوں سے زیادہ کہیں نہیں لکھا، اس لئے یقیناً یہ اغلاط ناظرین کے لئے مایہ حیرت و استعجاب ہوں گی میں نے بہت سی معمولی اغلاط کو مطلقاً نظر انداز کر دیا ہے، مارگو لیوتھ صاحب نے ترجمہ رسائل اور تصنیح ترجمہ معری از مجتم اللادبا میں اور بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں مگر شاید وہ قارئین کی تصحیح وقت کا باعث بنیں، بشرط ضرورت میں ان کو بھی شائع کر سکتا ہوں، جس طرح نکلسن صاحب نے افکار معری کی ترجمانی اور الغفران کے ترجمہ میں لاتعداد اغلاط کا ارتکاب کیا ہے، ایک اور صاحب بھی ہیں، جنہوں نے انگریزی میں معری پر ایک مختصر مگر مستقل تالیف لکھی ہے، جو بے شمار اغلاط سے لبریز ہے اور چونکہ وہ عربی دانی کے خود بھی مدعی نہیں ہیں اس لئے گویا انہوں نے نہ ہمارے التفات کو اپنی طرف کھینچا اور نہ ہمارا وقت لیا، کہ جرح العجماء جبار

میرا مقصد نہ اپنے پچھلے اعتراف سے مکرنا ہے اور نہ ان مجاہد علم کی بے غرض کوششوں کی ناقدری کرنا بلکہ صرف حقائق کو اپنی اصلی شکل میں پیش کرنا ہے اور ان کے بیرونی لبادوں کو الٹ دینا ہے اور بس تاکہ آئندہ جو اصحاب اس سلسلہ میں کچھ کام کرنا چاہیں، وہ اپنے پیش رو مقلدین کی طرح پھر ان اغلاط کا شکار نہ ہوں اور ان کے مخلص کی یہ کوشش ان کے لئے کارآمد مواد فراہم کرے، اور سابق الذکر سلسلہ کی ایک کڑی ہو، جس پر جہاں تک مجھے علم ہے بہت کم لکھا گیا ہے، تاکہ پھر اس طرح ہماری مردہ غیرت و حمیت گدگدیاں لینے لگے اور ہم کسی مفید خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، مضمون کی خشکی پر میں محترم قارئین سے طالب غفو ہوں اور ملتی ہوں کہ خدا را وہ علمی ترقی کی راہ میں اس کو کوئی بڑی رکاوٹ نہ بنالیں، ورنہ پھر علوم کی قسمت معلوم!

مارگولیوتھ کے اغلاط

یہ اغلاط مختلف قسم کی ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو متعدد سرخیوں کے تحت ذیل میں ذکر کیا جائے۔

**علمی کم مائیگی** (۱) رسائل<sup>(۱)</sup> کے اس جملہ وانصرفت وماء وجہی فی سقاء غیر سرب مارقت منه قطرة فی طلب ادب ولامال ومنذ فارقت العشرين من العمر ما حدثت نفسي باجتماع علم من عراقی ولاشامی سے آپ یہ مطلب اخذ کرتے ہیں،<sup>(۲)</sup> اپنے ایک مکتوب الیہ کو لکھتا ہے کہ اسے اپنی عمر کے بیسویں سال سے کسی عراقی یا شامی سے نہ مال کی ضرورت ہوئی اور نہ علم کی۔

ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ ابوالعلا کے دونوں جملوں کو بری طرح گڈمڈ کر دینے کا نتیجہ ہے، ورنہ ابوالعلا نے بیس سال کی عمر سے پہلے بھی کسی سے مالی امداد نہ طلب کی تھی، صحیح ترجمہ یوں چاہئے، اور جب سے میں نے بیسواں سال چھوڑا، کبھی میرے جی میں یہ خیال نہ آیا کہ کسی عراقی یا شامی سے طلب علم کروں۔

۲۔ کتاب الا یک والغصون کی بابت جو ابوالعلا کی سب سے بڑی تصنیف ہے، ذہبی اور ابن خلکان کی بحوالہ ایک شاہد بینی یہ روایت ہے، وقد ذکر بعض الفضلاء انه وقف علی المجلد الاول منه بعد المائة قال ولا اعلم ما يعوزه بعد ذلك، یعنی مجھ سے ایک فاضل نے کہا کہ اس نے کتاب الا یک کی ایک سوا ایک جلد دیکھی ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں اور کتنی جلدوں کی کمی تھی، مگر مارگولیوتھ<sup>(۳)</sup> اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ وہ ۱۰۱ جلدوں کی کتاب تھی جس نے اور تمام کتابوں کو ناکارہ ثابت کر دیا، ان کے ترجمہ کے دنوں جزو غلط ہیں کہ فحوائے عبارت کا اقتضایہ ہے کہ ممکن ہے اس کی ہنوز اور کچھ جلدیں رہی ہوں، مگر مجھے علم نہیں، اعواز کے معنی ناکارہ کرنا، دنیا کی کسی لغت میں نہیں۔

۳۔ ابن فورجہ<sup>(۴)</sup> کا املا لکھتے ہیں (Ibn faurajah) حالانکہ یوں ہونا چاہئے، (Ibn furajjah) جس طرح صاحب فوات الوفيات نے ضبط کیا ہے تتمة الیتیمہ للشعالبی کے قلمی نسخہ<sup>(۵)</sup> محفوظہ بلیو تھک نیشنل پیرس میں اعراب وحرکت کے ساتھ موجود ہے، اس بات کی شائیں آئندہ بھی آئیں گی۔

(۱) ص ۳۲ (۲) ص ۱۵ (۳) ص ۲۹ (۴) ص ۲۶ (۵) اس کے فوٹو یہاں لاہور میں ہم نے چشم خود دیکھے ہیں۔

**تصحیفات شنیعہ** بعض اوقات ناکافی تامل کی بنا پر بری طرح الفاظ میں کتیریونت یا رد و بدل کر ڈالتے ہیں۔ مثلاً

۴۔ سویقۃ غالب کو جس کا ذکر آئندہ آئے گا<sup>(۱)</sup>، سویقۃ ابن غالب لکھا ہے، مگر یہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان و ابن خلکان

۵۔ ابوالیسر شاہ کو جس کا ذکر خریۃ القصر اوباء اور نکتۃ البیان وغیرہ میں بار بار آیا ہے، اور ابو العلاء کے بھائی ابوالعجد محمد کے پوتے کے پوتے ہیں، آپ<sup>(۲)</sup> ابوالنصر لکھتے ہیں۔

۶۔ اور منتخب الدولہ کو جس کا یہ لقب الظاہر الفاطمی نے ۳۲۰ھ سے کچھ پیشتر دے کر دمشق کا گورنر بنایا تھا، اور جس کا اصل نام امیر الجیوش انوشلین الدزبرنی تھا<sup>(۳)</sup>، آپ منتخب الدولہ بانٹا لکھتے ہیں، ملاحظہ ہو، ذیل تاریخ دمشق لابن القلاسی۔

۷۔ اغانی کے حوالہ<sup>(۴)</sup> سے راوی ہیں کہ ابوتام کی سفارش پر اہل معرہ نے نحری شاعر کا ایک ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، حالانکہ اغانی<sup>(۵)</sup> کے علاوہ وفیات<sup>(۶)</sup> میں بھی چار ہزار درہم ہیں نہ کہ ایک ہزار۔

۸۔ ایک جگہ لکھتے ہیں<sup>(۷)</sup> کہ قاضی عبدالوہاب الممالکی جب بغداد سے مصر کو روانہ ہوئے، اور دوسری<sup>(۸)</sup> جگہ کہ وہ مصر سے بغداد کو آنے حالانکہ مسافر اور سفر دونوں ایک ہی ہیں، پھر دونوں باتوں کے لئے حوالہ بھی ایک ہی دیا ہے یعنی ابن خلکان ۸۳۱ھ جو مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ میں ۳۰۴۱ پر واقع ہے، یہ صاف تناقض ہے سوچے سمجھے لکھ دینے کا نتیجہ ہے۔

**بے دلیل دعوے** عموماً اہل مغرب اور ان کے مقلدین دعوؤں کے بڑے شیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے استقرائیں غیر تام کے برتے پر فوراً اونٹ فیصلہ کر دیتے ہیں، جس پر سامع ان کے وسعت معلومات پر ائنتہت بدنداں رہ جاتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ فیصلہ میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتے، شاید اسی بنا پر ہماری منطق میں استخراج کو استقرائیں پر ترجیح دی گئی ہے، قاضی علی بن عبدالعزیز انجربانی کیا خوب کہتے ہیں۔

وما اعجبتنی قط دعویٰ عریضۃ وان قام فی تصدیقہا الف شاہد

مارگولیوٹھ صاحب ہر چند کہ اپنی سنجیدگی اور وسعت اطلاع کے باعث علمائے یورپ میں سب سے بہتر ہیں، مگر گردو پیش کے حالات سے صاف بچ نکلنا ان کے بس میں نہ تھا، اس لئے

حصہ رسدی وہ بھی دعاوی کے خون الوان سے زلہ چمیں ہوئے۔

۹۔ کہتے ہیں (۱) کہ معرہ کے شعراء کے نام جو کتب تاریخ میں ملتے ہیں، اس کی سیاسی اہمیت کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، پھر حاشیہ پر کوئی ۵ شعراء کے نام گنائے ہیں۔

یہ دعویٰ قلت تتبع کا نتیجہ ہے، حق تو یہ تھا کہ یوں لکھتے کہ وہ وہاں کی سیاسی اہمیت کی نسبت سے کہیں زیادہ ہیں، یہاں ناموں کی طول طویل فہرست پیش کرنا شاید کوئی دلچسپ مواد فراہم نہ کرتا اس لئے قارئین کو میں اپنی عربی کتاب کا حوالہ دوں گا، جس میں میں نے کوئی ۵ شعراء کا ذکر کیا ہے، جو بنو سلیمان، بنو الددیدہ، بنو عبد اللطیف، بنو ابی الحسین اور بنو المہناز وغیرہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۰۔ ایک جگہ (۲) مدعی ہیں کہ ابو العلاء بنیانی چلے جانے کے بعد بھی چند سال تک برائے نام بصارت سے متمتع رہا، کہ پھولوں اور حروف وغیرہ کی تعریف کرنا اس امر کی دلیل ہے۔ یہ دعویٰ پادر ہوا اور بلا دلیل ہے کہ وہ اس کے اثبات میں کوئی کتابی دستاویز نہیں پیش کر سکتے بلکہ خود ابو العلاء اس کی تکذیب کرتا ہے، اکثر مورخین اس سے ناقل ہیں کہ چیچک کے دنوں (جس سے عمر ۴ سال یہ نابینا ہو گیا تھا) مجھے چونکہ سرخ لباس پہنایا گیا تھا، اس لئے میں بجز سرخ سے اور کسی رنگ کو نہیں پہچانتا، سونا گزیر تھا کہ اگر چیچک کے بعد کسی قسم کی بصارت باقی رہی ہوتی تو وہ اور رنگوں کو بھی پہچان سکتے، اس کے دیوان سقط الزند میں ستاروں کے وصف میں جو نو بیہ قصیدہ ہے، وہ شاید مارگولیوتھ صاحب کی نظر سے نہیں گذرا جو آنکھ والوں کے بس سے بھی باہر ہے اور جس کے برابر حیرت انگیز اشعار شاید کسی اندھے نے نہ کہے ہوں، دیکھئے تنویر (۹۲×۱) اور نکبت الہمیان (۸۴) جا حظ نے عشی اور بشار دو اندھے شاعروں کے دو معمولی سے شعروں پر حیرت کا اظہار کیا ہے، صفدی اس واقعہ و نقل کر کے کہتا ہے کہ اگر جا حظ کہیں ابو العلاء کے نو بیہ قصیدہ کو سن پاتا تو خدا جانے اس کی حیرت کا کیا عالم ہوتا، ظاہر ہے کہ ضعیف بصارت اس درجہ ستاروں کی تشخیص پر قادر نہیں ہو سکتی تو لازمی طور پر یہ غیر معمولی دماغی قوی کا نتیجہ ہوگا، ہلال کونون سے تشبیہ و بیاض مستلزم بصارت نہیں کہ یہ تشبیہ ابو العلاء سے پہلے کی ہے، اور اندھوں کو یہ معلوم ہونا کہ ن گول ہوتا ہے، کوئی انوکھی بات نہیں۔

۱۱۔ کہتے ہیں (۳) کہ ابو العلاء نے بغداد پہنچ کر اپنا جہاز چھڑانے کے لئے قاضی ابو الطیب

الطبری کے کہنے پر امام ابو حامد الاسفرائینی کو اپنے عینیہ تصدیق سے مخاطب کیا۔

یہ دعویٰ نہ کوئی ثبوت رکھتا ہے، اور نہ ضرورت، اس لئے کہ ابوالعلا کے لئے ابوالطیب اور ابو حامد ہر دو فقیہ مساویانہ حیثیت رکھتے تھے یعنی کہ دونوں سے بغداد ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور پھر دونوں محض فقیہ تھے، ہاں اگر بالفرض کوئی ادیب ہوتا، تو وجہ ترجیح پیدا ہو جاتی، پھر اس کے لئے ابوالطیب کی ترجیحیت کی کیا حاجت تھی۔

۱۲۔ فرماتے ہیں <sup>(۱)</sup> الشریف الرضی کی علمی مجلس شاپور کی مجلس کے نمونہ پر قائم کی گئی تھی جس کا ابوالعلا نے نثر و نظم ہر دو میں تذکرہ کیا ہے، الخ۔

شاپور کے دارالعلم کا تو بے شک ابوالعلا نے تذکرہ کیا ہے، مگر رضی کی کوئی ایسی مجلس سرے سے تھی ہی نہیں، کسی تاریخ سے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، اور واقعہ یہ ہے کہ شاپور کے دارالعلم اور مرتضیٰ برادر رضی کی علمی محفل کے ہوتے ہوئے نو عمر الرضی کو ایک نئی محفل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی، ہاں یہ یاد رہے کہ شاپور رضی کے خسر تھے، اور رضی کے بڑے بھائی مرتضیٰ کی مجلس میں تو علماء کے ٹھٹھہ لگے رہا کرتے تھے، ہم نے اپنی کتاب میں ان کی مجلس کے چند دلچسپ واقعات قلم بند کئے ہیں، پھر ابوالعلا کا اس میں حصہ لینا بہت سی معتبر کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے، مگر رضی کی مجلس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا، اور نہ ابوالعلا کا اس سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ تشابہ سے مرتضیٰ کی جگہ رضی کا نام لکھ ڈالا ہو، جس طرح ابن تعزی بردی بھی ان سے پیشتر اسی تشابہ میں گرفتار ہو چکا ہے۔

۱۳۔ کہتے ہیں <sup>(۲)</sup> کہ ابوالعلا کے بغدادی دوست ابو احمد عبد السلام نحو و جغرافیہ میں شہرہ آفاق تھے اور حاشیہ پر مجتم البلدان کی فہرست کا حوالہ دیتے ہیں۔

میں نے نسبت ہر سوانح نگار سے بدرجہا زیادہ عبد السلام کے اخبار جمع کئے ہیں، مگر افسوس کہ مجھے اس کی جغرافیہ شہرت کا کہیں پتہ نہ چلا، شاید مجتم البلدان کی فہرست میں عبد السلام کا نام آنا ہی حضرت کے وہم کا باعث بنا ہے، مگر یہ تو فرمائیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عیسیٰ، موتی، امر، اتیس اور اعشی وغیرہ کا بھی تو ذکر ہے، کیا یہ بھی جغرافیہ میں شہرہ آفاق تھے؟ مجتم البلدان تو اولادب و تاریخ و انساب کی کتاب ہے، اور ثانیاً جغرافیہ کی، ہاں اگر بجائے جغرافیہ، لغت و ادب و شعر و تفسیر کا نام لیا جائے، تو قرین صواب ہو، صاحب ذکر کی (صفحہ ۱۶۷) نے بھی

(۱) م۔ ۲۴۰۔ پھر نکلسن کو بھی اسی غلطی میں آداب صفحہ ۳۱۴ میں گرفتار پایا (۲) م۔ ۲۴۴



مارگولیوتھ کی کورانہ تقلید کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، صاحب الصوت البعید فی علم تقویم البلدان، دیکھئے، ایک نے رائی کے برابر غلطی کی تھی، جس کو دوسرے نے پہاڑ کے برابر بنا دیا، یہ میں علی التالیف کے نتیجے نتائج۔

۱۴۔ کہتے ہیں (۱) کہ بغداد سے واپس ہوتے ہوئے ابوالعلا موصول تک تو کشتی میں آیا اور پھر سائنڈی پر سوار ہوا۔

یہ دعویٰ باادبیل ہونے کے علاوہ خود ابوالعلا کی شہادت کے خلاف ہے کہ وہ رخصت ہوتے ہوئے اہل بغداد کو اس طرح مخاطب کرتا ہے۔

اذا اط نسع قلست والعلوم کما رسی  
اجد کمولم تفہموا طرب النسع  
وانسی لیسنا من مہاء دحملہ؟  
علی الخمس من بعد المفاوز والرابع (۲)

نسع یعنی شگ، دحملہ یعنی بڑے، ہیں اور مفاوز یعنی مہیب بیابانوں سے کشتی کو کیا نہ نکالے اور پھر اغلب میں ہے کہ ابوالعلا کو اپنی کشتی بنوز واپس ہی نہ ملی تھی، پھر اس میں نہ کیونکر کرتا؟ اچھا چلئے یوں ہی سہی مگر موصول میں اپنی کشتی کو کس کے پاس چھوڑتا اور کیوں، رسائل (۳) کے لفظ و سرت عن بغداد سیرا تخط ابلہ و تنط نسوعہ و توقع الفرق سفند ان کسی یعنی نتیجہ تک نہیں پہنچاتے۔

۱۵۔ کہتے ہیں (۴) کہ پچھلے محققین بطاہر ابوالعلا کی قبر کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے، حالانکہ اس کی قبر کا مقام معرہ میں بانگل شہور و معروف ہے، ایک شاہدینشی نے ۱۹۰۵ء میں معرہ کی سیاحت کی تھی، کہتا ہے کہ اس کی قبر شہر کے ایک گوشہ میں محل تکریم و تعظیم بنی ہوئی ہے، اور کوئی خط میں اس پر ایک کتبہ کندہ ہے، اور اس کے قرب و جوار میں اس کے ایک شاگرد کا مزار ہے، اور دونوں کے مقابل ایک گنبد میں شیخ محمد غباری کی تربت ہے، ہمارے ایک دوست نے لکھا ہے کہ مصر کے جریدہ العمادین میں یہ چھپا تھا کہ معرہ کے رئیس نورس پاشا نے اس کے مزار کی اصلاح کرائی اور وہاں بچوں کے لئے ایک کتبہ کھول دیا ہے۔

نا کافی تامل اور سہل انگاری کے نتائج | گاہ گاہ نا کافی تامل اور فتران غوررسی کی بنا پر

(۱) م ۲۸ (۲) جب راہ میں کوئی آسمہ چرچا لے لیتا ہے تو میں یوں کہتا ہوں: ملامت کو کب ہوتی، ہاں یہ تو کبھی نہ آتی  
اشتیاق کو نہیں سمجھ، و رودشت بیابانوں کے بعد جب کہ جانوروں کو پانی پینے دو، ہمارے پاس پانی پانچواں  
کندہ چلے تھے ہمیں آب و جلد کا جریدہ کیونکر نہیں ہے؟ (۳) م ۳۲ (۴) م ۳۳

بعض عجیب و غریب اہام کا شکار ہو گئے ہیں، مثلاً

۱۶۔ کہتے ہیں <sup>(۱)</sup> اس کے رسائل وغیرہ میں کہیں اس کے دونوں بھائی ابوالبیشم اور (ابوالمجد) محمد کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

ہاں ابوالبیشم کا اس کی اپنی تالیفات میں بے شک کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر محمد کا ذکر تو موجود ہے، دیکھئے رسائل صفحہ ۱۱۲ پر اس کو وہ ان لفظوں میں یاد کرتا ہے، واما سیدی ابوالمجد فشغلہ من قلة الفائدة يكاد يمنع نومہ ان یعنی برادر ابوالمجد تو شب و روز دوسروں کی کار براری میں منہمک رہتے ہیں، تعجب ہے کہ خود رسائل کا طابع و ناشر و مترجم یہ کہے کہ اس کا نہیں ذکر نہیں اس غفلت کے باعث بظاہر دو ہیں۔

(الف) مارگولیوتھ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ محمد مذکور کی کنیت ابوالمجد ہے، حالانکہ ادباً اور خرید و وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے۔

(ب) انھوں نے ابوالمجد <sup>(۲)</sup> سے کسی مستملی (کاتب) کو مراد لیا ہے، احتمالاً مگر یہ احتمال باطل ہے، اس لئے کہ مامون کے خط میں مستملی کا ذکر بے محل ہے، اور پھر اس کو بلنظ سیدی یعنی میرے آقا یاد کرنا اور بھی ناموزوں اور یہ دونوں باتیں ابوالمجد محمد پر خوب چسپاں ہیں، اس لئے کہ وہ بڑے بھائی تھے اور ساتویں صدی ہجری تک ان کے سلسلہ نسب کی بقا کا ثبوت بذریعہ شجرہ ہم نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔

۱۷۔ کہتے ہیں <sup>(۳)</sup> کہ بغداد میں المغربی اور ابوالقاسم بن جلبات سے اس کے تعلقات نے اندرونی دائرہ میں اس کے داخلہ کی راہ کو صاف کر دیا۔

باوجود کاوش ہمیں کہیں نہیں معلوم ہوا کہ ابن جلبات بنوز بقید حیات ہوں، ان کا پتہ بجز نقطہ کے میمبہ کے اور کہیں سے نہیں چلتا یتیمۃ الدھر میں مذکور ہے، کہ وہ شاپور کی مجلس کا شاعر تھا، اور یہ کہتا ہے کہ عند الدولہ نے بغداد میں اس کو ایک نہایت جلیل القدر منصب پر فائز کیا تھا، عند الدولہ کی وفات کے بعد وہ اس منصب سے معزول کئے گئے، جس کا نتیجہ بظاہر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ (معرہ میں) خانہ نشین ہو گئے ہوں۔

المغربی کے متعلق مارگولیوتھ نے بہت کچھ غلطیاں کی ہیں ان کو بنوز یہی معلوم نہیں کہ یہاں وہ المغربی ہیں، ایک تو باپ یعنی ابوالحسن علی اور دوسرا فرزند یعنی ابوالقاسم الحسین جو ابوالعلاء

کا گہرا دوست اور اس کی فضیلت کا محترف ہے، ابوالقاسم الحسین اس وقت تک سرسہ سے بغداد پہنچا ہی نہ تھا، پھر اس کے اہل بغداد سے تعلقات کے کیا معنی، ابوالقاسم شام میں پیدا ہوا، از پھر عفو ان شباب میں اپنے باپ کے ہمراہ مصر چلا گیا جہاں شباب کے بقیہ اہم گزارے، پھر جب الحاکم العلوی نے اس کے باپ کو ۴۰۰ھ میں قتل کر دیا، تو یہ بھاگ کر تہران میں مشرف صاحب رند کے یہاں پہنچا، اور چند سال حاکم کے خلاف مصروف سازش رہا، پھر کتبہ کے چند سال بعد بغداد کے اطراف میں پہنچا، جس طرح بلا اختلاف تمام عربی ماہرین شاید ابن اثیر القاسمی اور ابن الاثیر وغیرہ۔

۱۸۔ کہتے ہیں (المغربی نے جسیر کہ نامی لشکر حلب کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، عام اہل مصر کو اپنے ایک سیاسی نقطہ سے مخاطب کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام اہل مصر مصریوں کے ساتھ مل گئے پھر جب ان پر حلبی (آل حمدان) حملہ آور ہوئے تو مصر نے انھیں بچانے آئے۔ اس غلطی کے کھولنے کا محل کوئی اور موقع تھا مگر تسلسل محنت کے لئے ہم نے یہیں ذکر کیا۔ قول چنداویام کا مجموعہ ہے، (۱) دونوں مغربیوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی کہ بتواتر پر پڑی و سیاسیات ابوالحسن تھا اور خط لکھنے والا ابوالقاسم جو باعکس مغرب کی طرح سیاسیات میں حصہ لینے کا اہل نہ تھا، ملاحظہ ہو معری کا وفیات الاعیان وغیرہ نیز اس کا حال زبانا اور کم لے یہ رسالہ مصر سے لیا تھا نہ کہ حلب سے، ملاحظہ ہو معری کا رد جوابی رسالہ جس کا نام رسالہ الجہ ہے، صفحہ ۹۰ اور انھیں مصریوں اور اوق البتیہ بمصر (۲) یہ غلط ہے کہ اہل مصر و حمدانیوں کو پھر ذکر عربیوں کی طرف مائل ہوں۔ اس لئے کہ اسی زمانہ میں یعنی ۴۰۰ھ میں ابوالاعلیٰ نے سقوط امویہ و تصدیق اس سے سید الدولہ بصرہ کی دولت کی مدد میں تیار کیا تھا، ملاحظہ ہو قلی نسیم جو وہ طبع تک پیشکش میں کی نیز ابوالاعلیٰ نے مصریوں سے نفرت ظاہر کرنے کے لئے بیسیوں اشعار کہے ہیں، جوابی کتاب میں ۲۰ کے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

يقولون<sup>(۳)</sup> في المصر العدول وانما  
ولست بمختار لقومي كونهم  
حقيقة ما قالوا العدول عن الحق  
قضاة ولا وضع الشهادة في ردي

(۱) ترجمہ رسائل، بعد کو دیکھا کہ یہ دعویٰ نطس نے بھی دائرہ فحہ ۵۷ میں کیا ہے (۲) کہتے ہیں مصر میں تھا ابوالاعلیٰ ہیں، سچ پوچھو تو باطل پرست ہیں، بھائی میں تو اپنی قوم کے لئے بھی یہ بات پسند نہ کروں گا کہ وہ انصاف منصف سمجھالیں، یاد آتا، یزوں پر شہادتیں دیتے پھرتے۔

نیز ابوالعلا حمدانیوں کی طرف اپنے میاں بایں الفاظ ظاہر کرتا ہے: (۱)

لا تامنن فوارساً من عامر  
الابذمة فارس من وائل

تبریزی کہتے ہیں کہ ملوک حلب وغیرہ آل وائل سے ہیں، اور ملوک عراق اور الجزائرہ اہل عامر بن صعصعہ سے، تو گویا وہ عامر سے شکایت ظاہر کرتا ہے، اور وائل کا شکر یہ، پھر اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وائل کا ایک سوار عامر کے چند سواروں کے برابر ہے، الخ (د) ابوالعلا کے رسالہ الخ کو سیاسیات سے کوئی سروکار نہیں، جس طرح ہم نے اس کے مضمون سے اپنی کتاب میں بالتفصیل بحث کی ہے۔

**لطیفہ** ڈاکٹر طرہ مصری نے اس موقع پر مار گولیو تھ کے رد کرنے کی بڑی کوشش کی ہے، مگر آنجناب والد کا نام ابوالحسن الحسین بن علی المغربی بتاتے ہیں، جو باپ اور بیٹے کے نام کا مجموعہ ہے، (دیکھو ذکر ص ۱۵۹)

۱۹۔ ابوالحمد عبدالسلام کی بابت فرماتے ہیں کہ اس نے ابن السیرانی کے لکچر سنے تھے، جس کو آپ نے چھوٹے سیرانی کے نام سے یاد کیا ہے۔

یہ سراسر غلط ہے، اس لئے کہ ابوالحمد سیرانی کے شاگرد تھے نہ کہ ابن السیرانی کے، جس طرح آئندہ حکایت بالتصریح دلالت کرتی ہے۔

اصلاح المنطق (۲) کے ایک نسخہ سے منقول ہے کہ ابوالعلا معری کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالسلام البصری نے کہا (جو بغداد کے دارالعلم کے لائبریرین اور میرے مخلص دوست تھے) کہ میں ابوسعید سیرانی کی مجلس میں اس وقت حاضر تھا جب کہ قاری ان سے اصلاح المنطق لابن السکیت پڑھتے ہوئے اس بیت پر پہنچا:

ومطوية (۳) الاقرب اما نهارها  
فسکیت واما لیلها فذمیل

تو ابوسعید بولے اس کو مطویۃ بالکسر بنا لو کہ یہ واؤ رب ہے، میں نے کہا ایہا الشیخ! پہلا شعر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بالرفع ہو اور وہ یہ ہے کہ

اتاک (۴) بی اللہ الذی انزل الہدی  
ونور واسلام علیک دلیل

(۱) سقط ۱۵۷ x ۱ تا عامر کے سواروں سے کبھی مطمئن نہ ہو جائیں، جب تک کسی وائلی سوار کی ضمانت نہ ہو  
(۲) ابن خلکان ۳۵۰ x ۲ (۳) اور باریک کمر والی ساڈنی جو شب دروز بلکی اور پھرتلی چال چلتی ہے، (۴) مجھے تم تک وہ خدا لایا ہے جس نے ہدایت اتاری ہے، اور نور اور اسلام جس نے تم تک میری راہ نمائی کی ہے۔

و مطویہ الخ تو انھوں نے بالرفع بنوادیاء، اس موقع پر ان کے صاحبزادہ ابو محمد (ابن السیرانی) حاضر تھے، وہ بگڑے اور فوراً اٹھ کر اپنی گھی کی دکان فروخت کر کے طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے، تا آنکہ وہ جلیل القدر فاضل بن گئے اور اصلاح المنطق کی شرح تیار کی، ابو العلاء کہتے ہیں مجھ سے اس شخص نے کہا جس نے انھیں یہ شرح لکھتے ہوئے دیکھا تھا کہ اس کی تصنیف کے وقت ان کے پیش نظر چار سو کتابیں تھیں، یہ اشعار تہذیب الاصلاح کے نسخہ مطبوعہ کے صفحہ ۱۵ پر واقع ہیں، یوں بھی عبدالسلام اور ابن السیرانی قریباً ہم سن ہیں۔

۲۰۔ کہتے ہیں <sup>(۱)</sup> کہ ابو العلاء کو اس کے ماموں (ابوطاہر) نے شرح کتاب سیبویہ للسیرانی کے نقل کرانے کے لئے لکھا، جب کہ ابو العلاء بغداد میں تھا الخ۔

مارگولیوتھ صاحب کی یہ وہ فاش اور مہمل غلطی ہے، جس نے رسائل کے دسویں اور سوانح کے بیسویں حصہ کا ستیاناس کر دیا ہے، اسی بنا پر وہ ابو بکر احمد <sup>(۲)</sup> (کذا اور درست محمد ہے، دیکھو رسائل ص ۴۵) الصابونی کو ابو العلاء کے بغدادی احباب میں شمار کرتے ہیں، اور پھر رسائل ۱۰، ۱۱، ۱۵ کے تراجم میں بری طرح خبط کر دیا ہے، تعجب ہے کہ ہمارے مصری نابینا ادیب عالم ڈاکٹر طحسین نے بھی چشم بصیرت دانہ کی اور اندھا دھند مارگولیوتھ کے پیچھے ہوئے۔ <sup>(۳)</sup>

اس غلطی کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عنوان رسالہ ۱۰ کے یہ الفاظ ہیں و کتب السی ابی طاہر المشرف بن سبیکہ وهو ببغداد یدکر له امر شرح السیرانی وما جرى فیہ من التعب، ممکن ہے کہ یہ غلطی جامع رسائل کی ہو جس طرح خود مارگولیوتھ نے اس غلطی سے ایک اور <sup>(۴)</sup> جگہ نسبت دی ہے، مگر جامع کی بہ نسبت خود مارگولیوتھ صاحب غلطی سے نسبت دئے جانے کے کہیں زیادہ اہل ہیں کہ صرف اس زعم پر کہ ابو العلاء کی رحلت بغداد ثابت ہے انھوں نے بتقاضائے ظاہر مضامین محتویہ سے آنکھیں بند کر کے ہو کی ضمیر کا مرجع ابو العلاء کو گردانا ہے نحاۃ نے کیا خوب کہا ہے کہ ضماہر مبہمات میں سے ہیں، میری رائے تو یہ ہے کہ بجائے معارف کے ان کو نکرات میں شمار کیا جائے، تاکہ پھر قلیل البصاۃ لوگ ایسی غلطیوں سے محفوظ رہیں، مگر جائے حیرت ہے کہ مارگولیوتھ یہ بھول گئے ہوں کہ یہ چاروں رسائل متعلقہ شرح ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں، اور عنوان رسالہ ۱۲ و ۱۳ میں یہ تصریح موجود ہے، کہ خود ابوطاہر بغداد سے واپس آئے تھے، حالانکہ مارگولیوتھ تو ان کو حلب میں بٹھلا کر ان کے ہاتھوں ابو العلاء کی طرف یعنی بغداد کی طرف

شرح کے لئے خط لکھوا رہے ہیں، یہی نہیں بلکہ مضامین کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی، رسالہ ۱۰ میں ہے کہ ”آپ نے جو نسخہ کی تحصیل کی کیفیت لکھی ہے، اس کو میں سمجھ گیا آپ بڑے مہربان ہیں اور میں ناحق بار خاطر بناتا ہوں، آپ نے حسب معمول کرم کیا اور میں ناحق بھڑ ہوا“

اسی رسالہ میں ابو عمر و استرآبادی کا تذکرہ ہے، جن کی طرف اسی مطلب کے لئے رقعہ نمبر ۱۱ لکھا گیا ہے، اگر ابو العلاء خود بغداد میں ہوتا تو ابو عمرو کی طرف رقعہ کیوں بھیجتا پھر رسالہ نمبر ۱۰ کے اختتام پر ہے، میں آپ کی طرف وہ سلام بھیجتا ہوں جس سے کاغذ معطر اور آپ کے خشک راستے سرسبز ہو جائیں۔ میں مارگولیو تھ ہی کے خواب پر قانع ہوں، اس لئے وہی بتائیں کہ خشک راستے متمم کے ہوتے ہیں یا مسافر کے، رسالہ نمبر ۱۲ میں جس کے عنوان میں ابو طالب کے بغداد سے واپس آنے کا تصریحاً ذکر ہے، ابو العلاء لکھتا ہے ”براہ کرم مجھے یہ تو بتائیے کہ میری فرمائش پر آپ نے کتنی رقم صرف کی ہے تاکہ میں فوراً رسالہ کر دوں کہ اگر میں خود بھی موجود ہوتا تو مجھے آپ کے برابر کبھی مطلب برآری میں کامیابی نہ ہوتی۔“ العجب ثم العجب بن جہاد کی وجہ کہ جب نفس رسالہ اور اس کے عنوان ہر دو میں ابو طالب کے بغداد سے واپس ہونے کا ذکر ہے، تو مارگولیو تھ صاحب ابو العلاء کو کیوں بغداد بھیج رہے ہیں، ابو العلاء نے رحلت بغداد میں اپنے ماموں کے جہاز پر سفر کیا تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دریائے فرات میں ایک مخصوص جہاز اپنے تجارتی اغراض کی خاطر ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے، جس کا بظاہر مارگولیو تھ نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ ابو العلاء کے لئے یہ جہاز عمدہ مہیا کیا گیا تھا، جس کا کوئی ثبوت نہیں، نیز عقلاً بھی یہ خیال بے معنی ہے کہ ایک شخص اپنے اس سفر کے لئے جس سے وہ واپسی کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو جس طرح مارگولیو تھ کو بھی تسلیم ہے، ایک مستقل جہاز بنوائے، ابو العلاء اپنے ماموں کی دائمی سیاحت کے متعلق کہتا ہے:

کاس بنی سبکة فوق طیر

یجوبون الغوائر والنجادا

ابا الاسکندر الملک اقتدیتم

فما تضعون فی بلد و سادا

یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ بیچارہ غریب ابو طاہر جو بجز تجارت کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا شرح سیرانی کو جو نحو کی انتہائی کتاب ہے، کیا کرتا؟ ہاں ابو العلاء کو بیشک اس کی سخت ضرورت تھی، کہ وہ ابھی ابھی تصنیف ہوئی تھی، اور بنو ز شام میں اس کے نسخے عام طور پر نہیں ملتے تھے سونا گزیر ہے کہ شرح کے لئے ابو العلاء نے اپنی رحلت بغداد سے پیشتر ابو طاہر کو لکھا ہو، ورنہ بغداد میں تو اس نے شرح کے بیسوں نسخے دیکھے ہوں گے، جس طرح وہ اس کے کثیر نسخوں کے بغداد میں پائے

جانے کا خود<sup>(۱)</sup> ہی ذکر کرتا ہے، اور یوں بھی بغداد سے واپس ہو کر ابو العلاء کو کتب نحو کا اتنا شوق نہ رہا تھا جس طرح لزوم میں خود ہی کہتا ہے (ملاحظہ ہو ہماری کتاب) اگر یہ کہا جائے کہ بغیر سابقہ ملاقات کے وہ ان اصحاب کو شرح کی تحصیل کی زحمت کیونکر دے سکتا تھا، تو ہم کہیں گے کہ قبل از رحلت بغداد ابو العلاء کے اہل بغداد سے دوستانہ تعلقات موجود تھے، (ملاحظہ ہو اس کا رقعہ قاضی<sup>(۲)</sup> ابو الطیب کی طرف) یہ بات<sup>(۳)</sup> مارگو لیوتھ کو بھی تسلیم ہے کہ بعد ازیں ابو الطاہر کے بہت سے احباب تھے، جنہیں ہمیشہ وہ بذریعہ خطوط ابو العلاء کی خاطر مدارات کی تاکید کرتا رہتا اور یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابو الطاہر عموماً بغداد آیا جایا کرتا تھا۔

۲۱۔ کہتے ہیں<sup>(۴)</sup> کہ ابو العلاء جب بغداد جاتے ہوئے دریائے فرات میں کشتی پر سوار ہوا تو انبار تک کشتی صحیح و سلامت پہنچ گئی، جہاں سے ایک اور نہر دریائے دجلہ سے جا ملتی ہے اور بغداد پہنچاتی ہے، مگر چونکہ یہ راستہ اس موسم میں ناقابل سفر تھا اس لئے کسی اور راہ (صراط) سے قادیسیہ پہنچی، الخ۔

مارگو لیوتھ صاحب کی تحریر میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز غلطی شاید اور کوئی نہ ہو، بھلا قادیسیہ سے جو باد یہ میں واقع ہے، اور کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے، کشتی سے کیا سروکار، کیا یہاں بھی یورپ کے آلات جراثیم کی مدد سے کشتی کو خشکی پر چلا دیں گے، بہت اچھا مگر اس خشکی کے شہر پر ٹیکس وصول کرنے والے کہاں سے آئے کہ وہ تو بندرگانوں پر متعین ہوتے ہیں کیا انہیں وائریس کے ذریعہ یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ابو العلاء کی کشتی قوت اعجاز کی مدد سے خشکی پر چلنے والی ہے۔ یہ لفظ فارسیہ ہے، بالفاواراء جو نہر عیسی کے کنارے محول کے بعد بغداد سے دو فرسنگ کی مسافت پر ایک گانوں ہے، تبریزی کی شرح السقط سکی ایضاً السقط وضوئہ میں یہ لفظ اسی طرح بالفاواراء ہے، یہاں قادیسیہ نام کا ایک گانوں جو سامرا کے قریب نہر دجلہ پر واقع ہے، مراد نہیں لیا جاسکتا کہ جب ابو العلاء کے لئے یہ ممکن ہے کہ بغداد کے ایک قریبی اسٹیشن پر اتر سکے، تو دور جانے سے کیا فائدہ، افسوس کہ ڈاکٹر طہ نے بھی مارگو لیوتھ کی کورانہ پیروی کی ہے، (دیکھو کبری ص ۱۲۰)

اشتباہ کا باعث سقط کے یہ دو بیت ہیں:

سارت فزارت بنا الانبار سالمة      تزحی وتدفع فی موج و دفاع

(۱) رسائل سنہ ۳۸۱ ذکانت عند طلاب العلم بمدينة السلام کشجر العری لا یسقط ورفہ الخ

(۲) رسائل ۶۲ (۳) ایضاً ص ۳۱ (۴) ص ۲۱

والقادیسیہ ادتھا الی نفر طافوا بہا فاناخوها بجمعہ  
تمام نسخ سقط اور طبعہ تنویر میں بھی یہ قادیسیہ ہی ہے، اور یہ تصحیف و تحریف کوئی آج کی نہیں  
بلکہ اب سے کوئی ساڑھے آٹھ سو سال پیشتر شیخ برہان الدین ابوالمظفر ناصر الدین ابن ابی المکارم  
عبدالسید المطرزی بھی (جو سقط کو اپنے والد سے اور وہ ابوالمکارم الابہری سے جو ابوالعلا کے مشہور  
ترین شاگرد ہیں، روایت کرتے ہیں) اسی تحریف میں مبتلا ہو گئے تھے حتیٰ کہ ایک فاضل نے انھیں  
ٹوکا کہ حضرت یہ الفارسیہ ہے، نہ کہ القادیسیہ مگر جب وہ بھند ہوئے تو وہ ان کو خوارزم کے ایک علامہ  
کے پاس لے گیا، جس نے اس فاضل کے حق میں فیصلہ کیا، غلطی تو بارع سے بھی سرزد ہوئی تھی، مگر  
انھوں نے ابوالعلا کے جہاز کو کشتی پر چڑھانے کی جانکاہ زحمت نہ اٹھائی، یہ مہم مارگو لیو تھ صاحب  
ہی نے سر کی۔

۲۲۔ یہ امر مسلم ہے کہ ابوالعلا کے ایک لائبریرین ابومنصور نامی سے دوستانہ تعلقات  
موجود تھے، جن کا ثبوت رسالہ نمبر ۱۹ سے ملتا ہے، جس میں علاوہ طول طویل دوستانہ اشتیاق کے اس  
امر کا بھی اظہار ہے کہ میں نے ایک لڑومیہ قصیدہ بحر طویل میں بھیجا تھا نہ معلوم وہ پہنچایا نہیں۔

یا قوت اور ابن حجر دونوں بزرگوں نے ابومنصور محمد بن طاہر بن حمد الخازن کا ترجمہ دیا ہے،  
جو تونچی صغیر کے تلمیذ تھے، اور ان کی ولادت ۳۱۸ھ اور وفات ۵۱۰ھ میں واقع ہوئی تھی، یا قوت نے  
غرس النعمہ کی کتاب سے ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے کہ شاپور بن ازد شیروزیر بہاء الدولہ دیلمی  
کے کتب خانہ میں ابومنصور نامی ایک لائبریرین متعین تھے شاپور کی وفات کے بعد کتب خانہ کی  
سرپرستی شریف مرتضیٰ کے متعلق ہوئی، انھوں نے ابومنصور کے ساتھ ابو عبد اللہ بن حمد کو متعین کیا،  
ابو عبد اللہ آفت کا پرکالہ تھا، ہمیشہ ابومنصور کی تضحیک کی فکر میں رہا کرتا تھا، حتیٰ کہ اس نے ابومنصور  
سے کہا کہ حضرت کتابیں تو اب تباہ ہو گئیں، وہ بولے کیوں؟ کہا پسوؤں کی خباثت سے لہذا آپ  
فوراً سید مرتضیٰ کو اطلاع دیں تاکہ وہ آپ کو پسوؤں کے فنا کرنے کی دوا دیں، جو ان کے یہاں ہمیشہ  
تیار رہتی ہے، یہ بھولے بھالے فرشتے لپکے ہوئے سید مرتضیٰ کے ہاں آدھمکے، اور مؤدبانہ طور پر  
ماجر ا عرض کیا، اس پر مرتضیٰ نے کہا ”ارے پسوؤں سے ارے پسوؤں سے! خدا ابن حمد کو سنوارے  
است ہمیشہ شرارت و تمسخر ہی سوچتی ہے، آپ جائیں اور آئندہ کبھی ابن حمد کی نہ سنیں۔“ یا قوت نے  
اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس میں ابن حمد کی کنیت بجائے ابومنصور کے ابو عبد اللہ بتائی گئی  
ہے، نیز اس پر کہ ابن حمد کی ولادت ۳۱۸ھ میں ہوتی ہے اور مرتضیٰ کی وفات ۳۳۶ھ میں سوا بن حمد



تیرہ چودہ سال کی عمر میں کیونکر اس عہدہ جلیلہ پر متمکن ہو سکتا تھا۔

اب ذرا مارگو لیو تھ صاحب کے چار دعوے سنئے جو حیرت انگیزی میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں (۱) علاوہ رسالہ نمبر ۱۹ کے سقط (۱) کا طائیہ قصیدہ جس کا عنوان ”بنام خازن دارالعلم بغداد ہے“ انہی کو مخاطب کرتا ہے اور (ب) رسالہ نمبر (۲) ۱۹ میں جس قصیدہ کے ارسال کا ذکر ہے اس سے یہی طائیہ مراد ہے (ج) ابوالعلا (۳) کا ابو منصور وہی ہے، جس کا یاقوت نے بنام محمد ابن حمد الخ کا ترجمہ دیا ہے (د) یاقوت (۴) کا تعدد کنیت پر شک ظاہر کرنا سراسر وہم ہے۔

یہ تھا دعویٰ فارغہ کا مجموعہ، حیرت ہے کہ ان میں نہ عقل سے کام لیا گیا ہے اور نہ علم سے، بھلا جب وہ ادباء میں اپنی آنکھوں سے اس کا سنہ ولادت ۴۱۸ھ کو دیکھ رہے ہیں اور پھر خود ہی مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ابوالعلا بغداد میں اس ابو منصور سے ملا تھا، ۳۹۹ھ میں تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی ولادت سے ۱۹ سال پیشتر کم از کم جوان ہو کر ابوالعلا کا دوست بنا، ان ہذا الا اختلاق سقط کا طائیہ رسالہ نمبر ۱۹ کے مذکورہ لزومیہ سے کیونکر مراد ہو سکتا ہے کہ طائیہ سقط میں ہے، جس میں لزوم کے دو شعر بھی نہیں ہیں، ربا طائیہ کا مخاطب تو ابو منصور کے بجائے ابو احمد عبدالسلام کا ہونا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے، جن کا ابوالعلا کی تالیفات میں بارہا ذکر آیا ہے، اور یاقوت کو وہم سے نسبت دینا محض خالی خولی دعویٰ کی بنا پر کیونکر روا ہو سکتا ہے، آئیے اب یہ ناچیز نو سو سال کے کثیف پردوں کو چشم زدن میں الٹ دیتا ہے، ولله الحمد علی ذلک۔

یہاں تین تاریخی شخص ہیں (۱) ابوالعلا کے دوست ابو منصور، خازن دارالکتب القدیمة جن کا نام بتصریح ابوالعلا محمد بن علی ہے، اور جو صاحب السعیل کی مجلس میں آمد و رفت رکھتے تھے اور بڑے زبردست ادیب و لغوی تھے، انھوں نے لغت میں الشامل لکھی ہے، جو ۴۱۶ھ میں ان سے پڑھی گئی تھی، اصل میں یہ رے کے باشندے تھے، مگر اصفہان میں ایک عرصہ رہے تھے، غرض النعمہ کی حکایت میں ابو منصور سے یہی مراد ہیں۔ (ب) ابو منصور ابن حمد جن کا ترجمہ یاقوت اور ابن حجر نے دیا ہے، ان کو ابوالعلا سے ذاتی طور پر کوئی واسطہ نہیں، ہاں ان کے نام کا محمد ہونا نیز ان کے نام کے ساتھ خازن کا استعمال ہونا، یقیناً وہم کا باعث بنا ہے، ہم جزماً کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس کتب خانہ کے خازن تھے، یا سرے سے ان کو خازنی سے نسبت دینا ہی وہم ہے۔ (ج) ابو منصور ابن حمد کے برادر ابو غالب ابن حمد الخازن، ان کا نام بھی بد قسمتی سے محمد ہی ہے، پزیر گیگ یونٹورٹی

(۱) حاشیہ ۳ ترجمہ رسالہ نمبر ۱۹ (۲) ایضاً (۳) حاشیہ مجملہ الادباء ۶۶×۳۵۸ (۴) ایضاً ایضاً ۳۶۰×

لابری میں شعرابی ذہل انجی کا ایک نہایت قدیم نسخہ محفوظ ہے، جس کے اول و آخر کے ورقوں پر متعدد ائمہ کے خطوط سماع ثبت ہیں، جن میں ان ابو غالب الخازن نے قاضی تنوخی صغیر سے دیوان مذکور پڑھتے ہوئے تمام شرکائے درس علماء کے اسماء دئے، جن میں ان کے برادر ابو منصور ابن حمد کا نام بھی بدون لفظ خازن مذکور ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ ابو غالب خازن ہو، جس طرح ان خطوط میں موجود ہے، اور ابو منصور نہ ہو، اور اس کو اپنے سابق کے ساتھ اتحاد اسمی کی بنا پر خواہ مخواہ غلطی سے خازن بنا دیا گیا ہو، بظاہر غرس النعمہ کا ابو عبداللہ ابن حمد یہی ابو غالب ہو، جس طرح ابو غالب کے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو منصور ابن حمد کا برادر بزرگ ہے، سو ممکن ہے کہ اس کی دو کلتیں ہوں یا اس صورت یا قوت کا کم سنی کا اشکال بھی رفع ہو جائے گا کہ ہم نے ابو منصور صاحب ابی العلاء کے ساتھ دوہرا خازن اس کسب کے برادر مہتر ابو غالب کو قرار دیا ہے، فتخلصت قاعة من قوب ولله الحمد خطوط سماع کے فوٹو کے لئے ملاحظہ ہو، جرنل آ، ا، اس ۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۹۱۰ء میں نے یہ مضمون ایک معقول اضافہ کے ساتھ اپنے مضمون مطبوعہ اور نیل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۲۵ء سے لیا ہے۔

۲۳۔ کہتے ہیں (۱) کہ وہ بغداد کے ایک پرانے حصہ سویتہ ابن غالب میں ٹھہرا۔

یہ بیان نا کافی اور موہم ہے، حاشیہ میں وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے، سویتہ ابن غالب کی تصحیح ہم نے پہلے کر دی ہے یعنی کہ وہ سویتہ غالب ہے، بے شک ابو العلاء بغداد پہنچتے ہی سویتہ ابن غالب میں ٹھہرا تھا، جس طرح حکایت (۲) ابو الطیب میں موجود ہے، مگر پھر مستقل قیام کے لئے شاپور کے دارالعلم متصل دارالکتب القدیمہ میں منتقل ہو گیا تھا، جو قطیعة الفقہاء واقعہ کرخ بغداد میں تھا، ہماری ویل مہیار دیلمی کے یہ ابیات ہیں:

نزلسنا فی بنی ساسان دورا

بہا تسلی بیوتک فی قضاہ

اذا ما الضیم رابک فاستنجزی

ذری سابور وانتجعی بقاعہ

اور خود ابو العلاء کے یہ ابیات (در بغداد)

وغنت لنا فی دار سابور قبنة

من الورق مطراب الا صائل میہال

قاضی تنوخی کو لکھتا ہے، بعد از رجوع

ایسام واصلتنی ودا و تکرمه

وبالقطفیعة داری تحفر النهر

بمجله الفقہاء لا یعشو الفتی

ناری ولا نیضو المطی عزائمی

تعب انگریز تو یہ ہے کہ مارگولیو تھ نے کرخ یعنی نئے بغداد سے نکال کر اس کو ایک پڑا سے حصہ ہی میں مقیم رکھا، حالانکہ اس نے کرخ کی یاد میں لزومہ سقط میں بہت سے ابیات کہے ہیں۔ چنانچہ بغداد سے روانہ ہوتے ہوئے وہ اہل کرخ کو ان الفاظ میں مخاطب کرتا ہے:

وما الفصحاء والصيد واليد ودارها  
بافصيح فخر لا من امانكم لدا كعب

اس بحث کا تسلسل ہماری اصل کتاب میں ملے گا۔

بعض الفاظ اہل مشرق کے عادات سے ماہر ہونے کا

عادات مشرق سے بے گانگی

نتیجہ ہیں مثلاً

۲۴۔ کہتے ہیں<sup>(۱)</sup> کہ ابو العلاء بار بار اپنے وطن کی جو دماغی اور دماغی حالت بیان کرتا ہے۔ وہ قابل افسوس ہے، لیکن اس کی تصدیق اور کئی نے نہیں کی، پھر فرماتے ہیں کہ ہم معرہ کے لوگوں کی بابت جو سمجھ جانتے ہیں، وہ اس امر کا متعلق ہے کہ ہم، ہاں کی دماغی حالت کا اندازہ ابو العلاء کے اپنے بیان سے زیادہ کریں گے، گویا آپ ابو العلاء کے وطن سے متعلق خود ابو العلاء سے زیادہ واقف ہیں اور وہ اپنے بیان میں کاذب ہے، سبحان اللہ وہ بیچارہ شریفی ہے، اس نفسی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، یعنی کہ خود اپنے کو اور اپنے سے متعلق ہر شے کو اس کی موجودہ حالت سے کلمہ ظاہر کرتا ہے، ابو العلاء میں کہتا ہے:

اتساء لون جهولا ان يفيدكم  
وتحللتمون سسنا حضر عها يسس

کیا مارگولیو تھ صاحب ابو العلاء کو جاہل نہیں کے، یا دوسرے کے بیان کی مدد پر اس کی تکذیب کو اٹھ کھڑے ہوں گے، نیز ابو العلاء کا رخ نظر اتنا بلند تھا کہ معرہ اس کے لئے کافی جو انہوں نے فراہم کرنے کے قابل نہ تھا، اس لئے وہ ابتدائے شباب ہی سے اغوار طرز ابلیس جیسا تھا۔

كلفنا<sup>(۲)</sup> بالعراق ونحن شرح  
فلمنم بهسا الا كهسولا

بہت سے الفاظ میں تعصب یا ملی منافرت کا نتیجہ ہیں، مثلاً

۲۵۔ انھوں نے ابو العلاء کے غیر معمولی حافظہ کے متعلق جو حکایات مشہور ہیں، ان کی بلاوجہ تکذیب کی ہے<sup>(۳)</sup>، حالانکہ بعض تو روایت و درایت ہر دو احوال پر صحیح اترتی ہیں، ایسے حکایت کے راوی تو تبریزی ہیں، جو ابو العلاء کے خاص الخاص شاگرد ہیں، اور ان کی بابت علمائے رجال کا یہ قول ہے، وکان ثقة فیما یرویہ، تبریزی سے معافی صاحب انساب راوی ہیں،

(۱) ۹۲م (۲) ہم آغاز شباب ہی سے بغداد کے مشتاق تھے، مگر ہمیں ادھیڑ پن میں جا کر وہاں پہنچے (۳) ۱۵۰

جو دو ایک واسطے<sup>(۱)</sup> سے ان تک پہنچتے ہیں، و کلہم ثقات ہم نے اپنی کتاب میں ان سے کہیں زیادہ محیر العقول واقعات اسمعی اور امام بخاری کے حافظ کے متعلق نقل کئے ہیں تو کیا مار گولیو تھے صاحب ان کی بھی تکذیب کریں گے:

اکمل امریء الفی اباه مقصرا معاد لاهل المکر مات الاوائل<sup>(۲)</sup>

ملت اسلامیہ اور خاصہ عرب جس فطری مزیت پر اقوام عالم کو پیش دے سکتے ہیں، وہ یہی غیر معمولی حافظ ہے، جس نے انغیث و اکبم کی فصل حفظ و عمیان اور نکت الہمیان و مقدمہ الصحیح المنہجی کا مطالعہ کیا ہے، وہ کیسے ابو العلاء کے حافظ کی تکذیب کرے گا، جس کو اس کے معاصر ابن القاری نے نہ صرف یہی کہ زور دار الفاظ میں تسلیم کیا ہے، بلکہ اس کی بنا پر ابو العلاء کو ابن خالو یہ ابو علی الفارسی اور ابو الطیب اللغوی وغیرہ پر ترجیح دی ہے۔

ولم تنزل قلة الانصاف قاطعة بین الرحال وان كانوا ذوی رحم<sup>(۳)</sup>

ہاں اگر سردیر حمالک میں باعث کثافت اخلاط و امشاج و غلظ طبیعت و مزاج ایسی نادر مثالیں نہ ملیں تو نہ سہی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دیدہ و دانستہ اوروں کے فضائل سے انکار کیا جائے کہ ممالک گرم سیر نے بحمد اللہ ہر زمانہ میں مافوق العادۃ حافظ کی صد ہا نادر مثالیں پیش کی ہیں، ابھی کوئی دس پندرہ سال کا عرصہ ہوا ہوگا کہ اخباروں نے ایک مدراسی لڑکی کا حال چھاپا تھا، جس نے قریباً دس برس کی عمر میں علاوہ کئی بولیوں کے سنسکرت کی چند منظوم کتابیں بھی از بر کر لی تھیں، اور جس چیز کو وہ ایک بار سن پاتی تھی، اس کو کبھی نہ بھولتی، اس لئے ڈاکٹروں کے مشورے سے روزانہ اس کو ایک تنبا کمرے میں بند کر دیا جاتا تھا تا کہ ادھر ادھر کی آوازیں اس کے دماغ کو مشوش نہ کریں کیا مار گولیو تھے صاحب کوئی ایسا آدمی اپنی قوم میں بتائیں گے جس کو دس لاکھ حدیثوں کے برابر نثر عبارت یاد ہو۔

۲۶۔ کہتے ہیں<sup>(۴)</sup> کہ وہ قصہ جس میں یہ ہے کہ جب ابو العلاء اپنی رحلت شام میں لاذقیہ کی طرف سے گذرا تو ایک مسیحی راہب نے اسلام کی طرف سے اس کے دل میں کچھ شکوک پیدا کر دئے، جن سے وہ اپنے تئیں تادم زیست نجات نہ دے سکا، ممکن ہے درست ہو مگر اسلامی روایات میں راہب کا نام اس درجہ مطعون چلا آتا ہے کہ وہ ہمیں اس قصہ کو نگاہ شک سے دیکھتے ہیں

(۱) یعنی کہ السمعانی عن الجوالیقی من التبریزی (۲) کیا ہر وہ شخص جس کے اسلاف کو تاہ کارہوں، کارگذار اسلاف

۱۰۔ لوگوں سے مخاصمت مول لے گا (۳) بے انصافی ہمیشہ لوگوں میں قطع تعلقات کا باعث بنتی ہے، خواہ وہ تہ

۱۱۔ یہی کیوں نہ ہو (۴) م ۱۶

حق بجانب ٹھہراتا ہے۔

گویا آپ ایک بدیہی بات کو جو روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے، اپنے پارہو استدلال سے نظری بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ اس قصہ کا راوی ذہبی ہے، اور اغلباً قفطی سے جو ابوالعلا کا ہم وطن ہے، لزوم میں ایسے صدہا بیات ہیں جو ابوالعلا کی احبار اور بہان سے غیر معمولی واقفیت اور دلچسپی کا پتہ دیتے ہیں، ملاحظہ ہو میری تالیف نظر ثانی النجوم من اللزوم، سو اسلامی روایات کا اس میں کیا قصور آپ اپنی حیات میں جو اعمال کرتے ہیں، ان کا حقیقی عکس یہاں دیکھ لیں۔

ہے یہ گنبد کی صد جیسی کہے ویسی سے

۲۷ و ۲۸۔ (۱) دو اور جگہوں پر حضرت نے مسیحیت کے عشق میں ایسی باتیں لکھی ہیں جن کا

یہاں ذکر کرنا اور پھر رد کرنا ناقص قارئین کے وقت و ضائع کرنا تھا۔

۲۹۔ (۲) آپ فرماتے ہیں کہ ابوالعلا نے اپنی طویل عزالت (۳۰۰-۳۳۹) کو علاوہ تعلیم و

تصنیف کے مشغلہ کے شطرنج و زردھیلنے میں صرف کیا، الخ

یہ بات بتاتی ہے کہ مار و لیو تھ صاحب نے بنو ز ابوالعلا کو پہنچانا ہی نہیں ہے، بیشک ثعالبی

نے یہ قصہ نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو تئمة الیتیمة، نسخہ خطیہ جس جس کے الفاظ یہ ہیں، کان (۳)

حدثنی ابو الحسن الدلفی المصیصی الشاعر وهو من لقیته قدیما و حدیثا فی

مدۃ ثلاثین سنة قال لقیته بمعرة العمان عجا من العجب رایت اعمی شاعرا

ظریفا یلعب بالشطرنج و النرد و یدخل فی کل فن من الجد و الهزل الخ مگر شاید فی

مدۃ ثلاثین سنة کو بالکل بھول گئے۔ ثعالبی کی وفات ۴۲۹ھ میں ہوئی تھی اور یقین ہے کہ اس

نے وفات سے پہلے تمہ تیار کیا ہوگا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ابوالحسن الدلفی نے ابوالعلا کو قریباً ۳۵۵ھ

میں دیکھا ہو بلکہ اس سے بھی پیشتر، ابوالعلا اس سے زیادہ عاقل تھا کہ اپنی عزالت کے قیمتی وقت کو

عبث ضائع کرے و ہو القائل

جنیت ذنبا والھی خاطر ی دسن

عشرین حولا فلما نیہ اعتذارا

اس غلطی کا محل نمبر ۲۳ کے بعد تھا، مگر سہوا یہاں درج ہو گئی۔

(۱) م۔ ص ۳۵ و ۱۷ (۲) م۔ ۳۰ (۳) مجھ سے ابوالحسن الدلفی نے بیان کیا تھا جس سے میں بہت پہلے اور ابھی نہیں

کوئی تیس سال کی مدت میں ملا ہوں کہ میں نے معرہ میں ایک حیرت انگیز بات دیکھی یعنی کہ ایسا شریف الشیخ نابینا

کو دیکھا، جو شطرنج اور زرد کھیلتا تھا، اور سنجیدگی اور مزاح کے ہر باب میں دسترس رکھتا تھا۔

## نکلسن کے اغلاط

۳۰۔ دائرہ (۱) میں لکھتے ہیں کہ ابو العلاء بغداد سے واپس آ کر ۳۰ سال عزالت میں رہا اور ۳۱ (۲) میں کہتے ہیں کہ وہ بعد از ربوع پچاس سال گیا۔

حیرت سب کہ ایک شخص کی دوربائیں ہوں اور دونوں باہم دگرمتناقض، واقعہ یہ ہے کہ بعد از رجوع وہ ۳۸ سال اور قریباً ایک ماہ عزالت تریخی میں گیا، اس لئے کہ وہ خود رسائل (۳) میں لکھتے ہیں کہ ۲۴ رمضان ۳۰۰ھ کو بغداد سے روانہ ہو گیا، سو بظاہر اوائل ذی الحجہ یا اواخر ذی القعدہ میں معرہ ہو گیا ہوگا، یہاں وہ ربیع الاول ۳۰۹ھ میں مراہ جس طرح تمام مورخین نے باخلاف لکھا ہے، یعنی حارثی، عباسی، ابوالفداء، یافعی، ابن الاثیر، ابن الانباری، معانی، یاقوت، ابن خاکان اور سیوطی ذمیرہ سے۔

۳۱۔ آداب (۴) میں ہے کہ وہ ۸۴ سال کی عمر میں مراہ اس قول کی تکذیب کے لئے ہمیں جملہ سابق الذکر مؤلفین کی کتاب کی درجہ مردانی کی ضرورت نہیں، بلکہ خود نکلسن دائرہ (۵) میں اپنے قول کی اس طرح تکذیب کرتا ہے یعنی کہ وہ ۳۶۳ھ میں پیدا ہوا اور ۳۴۹ھ میں مراہ ظاہر ہے کہ اس حساب سے اس کی عمر ۸۶ سال کی ہوتی ہے، وہو الصواب جس طرح مجملہ الادباء (۶) میں تصریحاً مذکور ہے، وعاش ستا وثمانین سنہاں مگر یہ یاد رہے کہ مارگولیوتھ نے ستا و شینا لکھا ہے، جو ناقابل معافی نصحیف ہے، ابوالبرکات (۷) ابن الانباری راوی ہیں کہ ابو بکر الصوفی نے اس حدیث کو جب روایت کیا، من صام رمضان و اتبعہ شینا من شوال الخ تو محمد بن العباس نے کہا، ایہا الشیخ، یہ نیچے کے نقطے اوپر لگا لیجئے، مگر وہ کچھ نہ سمجھے تو پھر کہا کہ اس کو ستا بنا لیجئے چنانچہ انہوں نے بنا لیا، کیا میں مارگولیوتھ صاحب سے بھی یہی توقع رکھوں، چند کے لئے عربی میں علی العموم لفظ نیف آتا ہے نہ کہ شی۔

۳۲۔ دائرہ (۸) میں ہے کہ ابو العلاء ۳۰۱ھ تک معرہ میں رہا، اور پھر بغداد جانے کا ارادہ کیا، اس مہمل غلطی کی تکذیب کے لئے مارگولیوتھ (۹) کا یہ قول جو عربی تواریخ میں بھی بالاتفاق موجود ہے بہت کافی ہے، یعنی ابوالعلاء ۳۹۸ھ میں معرہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوا اور ۳۰۰ھ میں معرہ واپس آ گیا۔

(۱) ۷۶م (۲) ۴۷م (۳) ۲۲۳ (۴) ۲۲۳ (۵) ۷۶، ۷۵ (۶) ۷۰، ۷۱ (۷) نزہۃ الالباء ص ۳۲۳ (۸) ۷۵م

۳۳۔ دائرہ (۱) میں لکھتے ہیں کہ سقظ کی بہترین شرح خود ابو العلاء کی شرح نسو، السقظ ہے اور اس کے شاگرد تہریزی کی شرح بھی نکھی ہے۔

اس دعویٰ کی تکذیب کے لئے مارگولیوٹھ (۲) کا یہ قول کافی ہے کہ تہریزی کی شرح نہ واحد شرح ہے نہ بہترین اور ابن خلدان (۳) کا یہ قول کہ ابن السید البطلیوسی کی شرح خود ابو العلاء کی شرح سے بہتر ہے۔

آداب (۴) میں لکھتے ہیں کہ ابو العلاء کی وفات سے دس سال پیشتر ناصر خسرو و معرہ پہنچا اور دائرہ (۵) میں ہے کہ ناصر خسرو اس کی وفات سے سیرہ سال پہلے ۴۳۹ھ میں معرہ پہنچا، دونوں قول متناقض ہیں نیز ناصر خسرو جب ۴۳۸ھ میں معرہ پہنچا تھا، ملاحظہ ہو اس کا سفر نامہ (۶) ابو العلاء کی وفات سے دس سال پیشتر، صاحب ذکرئی کہتے (۷) ہیں کہ وہ ۴۲۸ھ میں پہنچا تھا اور اس سنہ و اسماء اعداد میں لکھا ہے، اور پھر اس پر اپنے خیالات و مستنبحات کی اونچی عمارتیں کھڑی کی ہیں، سبحان اللہ چہ خوب، صاحب ذکرئی تو فارسی نہ جاننے کا خود ہی معترف ہے مگر نکلسن صاحب تو فارسی کے پروفیسر تھے۔

افکار (۸) میں ہے کہ ابو العلاء کے زیادہ تر رسائل بغداد سے واپس آ کر لکھے گئے ہیں، میں نے بہت غور کیا ہے، جس طرح مجھ سے پہلے، مارگولیوٹھ صاحب نے بھی کافی زحمت اٹھائی ہے مگر یہ حکم ہم سے بن نہیں آیا، ابو العلاء کے بیشتر رسائل کے متعلق بولی حتمی حکم لگانا دوران کار ہے، اور بیشتر واپس تر ہر دو قسم کے رسائل کی تعداد قریباً مساوی ہے۔

۳۶۔ افکار اور دائرہ میں رہن آئین کا المالیوں ہے Rahnulmahbasyan اور

چاہئے یوں Rahnulmahbisyan

۳۷۔ کہتے ہیں (۹) کہ وہ اپنے والد کی وفات کے وقت ۱۴ برس کا تھا صاحب ذکرئی (۱۰)

نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

مگر قرین قیاس یہ ہے کہ اس کو تقریباً ۱۵ سال کا فرض کیا جائے بشمول سن ولادت یعنی

۳۶۳ھ اس کے والد ۳۷۷ھ میں مرے تھے، جس طرح خریدہ اور ادباء میں ہے۔

۳۸۔ آداب (۱۱) میں ہے کہ ابو العلاء رحلت شام سے واپس آ کر تارحلت بغداد ۱۵ سال

(۱) ۷۶، (۲) ۳۵، (۳) ۲۶۵، (۴) ۲۲۳، (۵) ۶، (۶) مطبوعہ برلین ص ۱۵، (۷) ۲۲، (۸) ۲۸

(۹) افکار ۳۵، (۱۰) ۱۴۸، (۱۱) ۳۱۳

معرہ میں مقیم رہا۔

انسب یہ ہے کہ ۱۵ سال ۹ ماہ کیا جائے، یا تقریباً ۱۶ سال۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

۳۹۔ آداب<sup>(۱)</sup> میں ہے کہ وہ اپنی رحلت شام سے بیس سال کی عمر میں معرہ واپس پہنچا، مجھے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، بلکہ اس کا صنعا میں ایک سال رہ کر گوشت نہ کھانا، جس کے راوی ابن حجر ہیں، یقیناً اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ۲۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنے ملک میں سیاحت کرتا رہا تھا، بخلاف ۲۰ سال کی عمر کو ختم ہونے سے اس لئے نسبت دی ہے کہ خود ابو العلاء رسائل میں لکھتا ہے کہ میں نے ۲۰ سال کے بعد کسی کے سامنے زانوے ادب نہ نہیں کیے مگر یہ استثنائاً غلط ہے، اس لئے کہ ممکن بلکہ انطباق ہے کہ وہ اس عمر کے بعد بعض اوقات سے کتب نہ بغرض تعلیم سیاحت کرتا رہا۔

۴۰۔ آداب<sup>(۲)</sup> میں جب ابو العلاء کے ایک بیت واقع لزوم ۲۰ x ۲۸۰ طبع اول مصر جو لزوم طبع دوم مصر ۲۰ x ۲۳۲ میں واقع ہے۔

غداوت ابن وقتی ما تقضى نسبة  
وما هو آت لا احس له طعاما  
کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ابو العلاء اپنے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے عصر کا (ممتاز) فرزند ہوں۔

مگر ان کا یہ ترجمہ سراسر غلط ہے، ابو العلاء کا خیال یہ ہے کہ انسان موجودہ حالات کی بنا پر قیاس کیا جاتا ہے، ماضی ماضی اور آئندہ کے متعلق کوئی حتمی حکم نہیں لگایا جاسکتا، ہمارے پاس اس کے ثبوت میں لزوم کے یہ ابیات ہیں۔

انت ابن وقتک والماضی حدیث کری  
ولا حلاوة للباقی الذی غربا  
حمد الآن فیما نحن فیہ و خلیا  
غدا فہو لہ یقدم و اعس فقد مرا  
گویا ابو العلاء نے قریباً ابن الوقت سے وہی معنی مراد لئے ہیں جو وہ اپنی نذیر احمد مرحوم نے اپنی کتاب کو ابن الوقت کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اگر نکلن صاحب سابق الذکر ہم معنی ابیات پر غور کر لیتے تو اس غلطی سے بچ جاتے۔



## مارگولیوتھ اور نکلسن کے مشترکہ اغلاط

۳۱۔ مارگولیوتھ (۱) لکھتا ہے، ابوالعلا کا نہال اور دھیال دونوں مذہبی خیالات میں آزاد تھے جن کا اثر ابوالعلا پر بھی پڑا، اس نظم سے جو صفدی نے نقل کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انہی کی اقتداء میں جج نہیں کیا، اس اور نکلسن (۲) کا ہے کہ یہ نقیقت کہ نہ اس کے والد نے جج کیا، نہ اس کے بچپان اور مامووں نے جن کو وہ اپنے لئے بطور مثال پیش کرتا ہے، اس کے مذہبی معتقدات کی تشکیل میں ابیت سے خالی نہیں۔

عصبیت کی اس سے بڑھ کر مثال پیش کرنا ناممکن ہے، اس لئے کہ اسی حکایت کو جس میں مندرجہ ذیل اشعار بھی موجود ہیں۔

قالوهرمت ولم تطرق تہامة في	مشاة وفد ولا ركبان اجسمالي
فقلت انى خسير والذین لهم	لراى راوا غير فرض الحج اعنالي
ما حج جدى ولم يحجج ابى واخى	ولا ابن عمى ولم يعرف منى خالى
وحج عنہم قضاء بعد ما ارتحلوا	قوم سيقضون عنى بعد ترحالى

خود مارگولیوتھ نے ایک اور جگہ بہارت سنت تسمیرا میں لکھا ہے (۳) اور یہاں اس کے ایک جزو سے ایک برے واقعہ پر استشہاد کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا منصفانہ بددیانتی کی اس سے زیادہ بھدنی نظیر کہیں اور مل سکتی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ ہر امر لغو اور سبب ثبوت ہے، جس طرح صاحب ذکر نے بھی اس کی سخت تردید کی ہے اور اس کا اصل ماخذ یعنی العظیم الغزالی، نہ غزالی کی تصنیف ہے اور نہ اس عالم کی، بلکہ وہ تو اس نالائق جاہل کی جو عربی کے دو حرف بھی نہیں جانتا، گھڑت سے اس طرح مولانا شبلی نے بھی الغزالی میں انکار کیا ہے، الغزالی ابوالعلا کی وفات کے کئی سال بعد ہجرت سے آئے ہیں، مگر اس کتاب میں وہ ایک اور جگہ مدعی ہیں کہ خود ابوالعلا کے مجھے دیکھنے کا شہادہ ہے میں اس پر طرہ یہ کہ وہ اشعار بشار اور جریر کے ہیں، جو ابوالعلا سے نہیں سوسالی پہلے تو سوسالی

چہ خوش گنت است سعدی در زانجا  
الایہا السائس اور کتابہ

(۱) ص ۱۱۰ (۲) ص ۲۵ (۳) ص ۲۳

بے شک ابوالعلا نے حج نہیں کیا تھا، جس کا باعث بظاہر اس کی معذوری تھی ہم اس مدعی کے اثبات کے لئے لزوم کے چند اشعار پیش کرتے ہیں۔

(۱) اردت الی ارض الحجاز تحملا  
فعاقتک عنہ عانقات الحواجز  
من خوف بارتک امتطیت نجیبة  
عادات بسیرک مثل قوس الباری  
فاذا اوردت منی فغایات المنی  
ملقی جرآنم فی الحیاء کبار

(۲) ان یسمعوا ریبة طاروا بها فرحا  
عنی وما سمعوا من صالح دفنوا  
صم اذا سمعوا خیرا ذکرت به  
وان ذکرت بشر عندهم اذنوا

ہاں ابوالعلا ان حجاج کا سخت دشمن تھا جو حج کر کے اپنے اعمال قبیحہ کی فہرست میں بے دھڑک اضافہ کرنے لگتے تھے، کہ

اصبح الشیخ ماردًا بعد ما حج واستلم

(۳) سقط میں حجاج کے بدرقہ روکی زبان سے ایک لامیہ کہا ہے، جو پچیس ہمتوں کو بیت العتیق کی طرف ان الفاظ میں گدگدیاں لے کر اٹھاتا ہے۔

(۴) وسریت تحت امدجنا  
فی فتیة تزجی الی البی  
تبغی بمسکة حاجة  
حتی قضیت طوافها  
وسمعت عند صباحها  
ترجو رضا الملک الذی  
ت مسمار سا اھوالھا  
ت الحرام نعالھا  
قدر العزیز مالھا  
سبعاً وزرت جبالھا  
ومسانھا اھلالھا  
منح الملوک جلالھا

(۱) تو نے حجاج کے سفر کا ارادہ کیا مگر کچھ عوائق مانع ہوئے تو اپنے خالق کے خوف سے اس ناقہ پر سوار ہو گیا جو عمان کی طرح خمیدہ ہوئی، سوار تو منی میں پہنچا تو انتہائی تمنائے بڑے بنا ہوں کی مغفرت ہوئی۔ (۲) اگر وہ میری کوئی برائی سے پاتے ہیں تو خنداں خنداں اسے لے اڑتے ہیں اور اگر کوئی بھلائی ہوتی ہے تو اس کو دفن کر دیتے ہیں، اگر میرا نعرہ سے مذکور، تو بہرے سے سن جاتے ہیں اگر شہر سے ہو تو کان دھرتے ہیں۔ (۳)  $2 \times 329$  (۴) اور تو اندھیرنی کھنڈوں میں بڑی مشقتیں جھیل کر راتوں رات چل پڑا ہے، ان جوان کے ساتھ جو بیت الحرام کی طرف پیادہ پا جا رہے ہیں تو ایک ضرورت سے مکہ جاتا ہے، جس سے مقصد ذات الہی ہے، حتیٰ کہ تو نے پورے سات طواف کر لئے اور وہاں کے پہاڑ دیکھے اور تو نے صبح و شام تیبیہ کی بلند آواز سنی، بڑی تمنا اس خدا کی رضا ہوئی تھی، جس نے بادشاہوں و جنابوں بخش ہے۔

(۳۶) مارگولیوتھ (۱) کہتا ہے کہ ابوالعلا نے قرآن کا پہلی بار منظر کر لیا اور نکلسن (۲)

آداب میں کہ ابوالعلا کو قرآن کے کلام الہی ہونے میں کلام تھا، اسی بنا پر محمد کے پہلی بار منظر کر لیا، اور ایک برابر کی کتاب تیار کی الخ، ان کے علاوہ براؤن نے لٹریچر کی دہائی آف پریشیا میں بھی اس خیال کو دہرایا ہے، اور اصل میں یہ زعم فاسد گولڈزیہر نے زو، ڈی، ایم، جی کے مضمون کے ذریعہ تمام یورپ میں پھونک دیا ہے، جس کا ہم اپنے مضمون مطبوعہ معارف فروری ۱۹۲۵ء میں پورا کر چکے ہیں، مگر ہم یہاں خود ابوالعلا کی شہادت درج کرتے ہیں قرآن کے اعجاز کے متعلق نقل کرتے ہیں، جو الفصول کی تصنیف کے قریباً پندرہ سال بعد کی ہے، برٹش انڈیا سوسائٹی کے اجلاس ۱۸۷۸ء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس کتاب نے جو مسلمانوں کو اسلام کی طرف متوجہ کیا ہے اس کا اعجاز کے ذریعہ سب کو مبہوت کر دیا ہے۔ الخ

(۳۷) مارگولیوتھ بحوالہ تاریخ اسلام براؤن کے کہتا ہے (۱۸۸۳ء میں)

شام کی رحلت سے واپس آیا، تو اسے ایک وقت میں سے سوال کیا گیا کہ تم نے کونسا سفر کیا ہے، اپنے الفاظ یہ ہیں (۵) : "لہ وقف يحصل منه في العام نحو ثلثين ديناراً نحو مئتي دينار

نجد منہ النصف - واتفق انه عورس في الموقف المذكور من جزيرة امير حجاز فاسافر الى بغداد الخ نکلسن (۶) نے دو جگہ اس طرح لکھا ہے "آداب" (۷) میں لکھا ہے

تہ کہ اس کی بحران میں دیناروں کے اور کوئی آمدنی نہ تھی اور انہوں نے یہ کہہ کر شاپور سے کچھ رقم بھی آمدنی ہوئی، جو اس کو ہمیشہ تعلیم حاصل ہوتی رہتا ہے، یہ وہی رقم ہے جو اس نے اپنے

مگر اس سے بڑھ کر حیرت انگیز یہ تا قاض ہے کہ خود افکار (۸) ہی میں لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے افکار سے معتد بہ رقم ملتی تھی، پہلے حوالہ افکار میں "شاید اور کچھ" یہ دوسری بات تھی اور دوسری بات

ان کی بجائے "معتد بہ" کا زبردست لفظ ہے، حالانکہ دونوں نواسے ایک ہی کتاب کے ہیں، درحقیقت یہ مارگولیوتھ (۹) کی تقلید ہے، جو کہتا ہے کہ یہ بات کوئی خلاف حقیقت نہیں کہ وہ اپنے

طلبہ اپنے استاد کو اپنی عقیدت کا ثبوت دے بغیر واپس نہ جاتے تھے، پھر مارگولیوتھ ایک اور جگہ لکھتے ہیں (۱۰) کہ ابوالعلا کی تعلیم قدرتی طور پر عربی ہی زندگی کے لئے تیار تھی، ایک اور جگہ (۱۱)

ہے کہ ہر چند ابوالعلا بار بار یہ خیال دہراتا ہے کہ اس کی نقیصہ مسد کی لٹ میں نہیں تیار کی گئی۔

(۱) ۳۶۲ (۲) ۲۱۸ (۳) الفخر ان ۱۵۸ (۴) ۱۵۷ (۵) ۱۴۹ (۶) الفخر ان ۲۱۸ (۷) ۳۱۳ (۸) ۱۲۵ (۹)

(۱۰) ۳۳۰ (۱۱) ۱۸۴

پھر ڈاکٹر ریوسٹ ناقل ہیں کہ سقظ کا پہلا تمیذہ سعید الدولہ نبیرہ سیف الدولہ کی مدح میں ہے الخ  
یعنی گویا بقول مارگولیتو تھ یہ قسیدہ ابوالعلا کے طالب زرہونے کی اٹل شہادت ہے، مارگولیتو تھ بہت  
بے تاب نظر آتے ہیں کہ کس طرح ابوالعلا کو طماع شعراء کی صف میں لاکھڑا کریں۔

محققین یہ ہے کہ مذکورہ بالا رقم ۲۵ دینار تھی، جس کا بیشتر حصہ نہ کہ نصف اس کا خادم لے  
جاتا تھا، بقصر ابوالعلا<sup>(۱)</sup> میں برخلاف ذہبی کے یہ کہوں گا کہ یہ قلیل رقم اس کو بغداد سے واپس  
ہونے کے بعد ملتی تھی کہ خود ابوالعلا تصریحاً اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ سفر بغداد سے پہلے کچھ  
ثروت رکھتا تھا<sup>(۲)</sup>، اور ظاہر ہے کہ ۲۵ دینار کو ثروت سے نہیں تعبیر کیا جاسکتا، مگر مارگولیتو تھ اور نکلسن  
کی یہ اپنی ایجاد ہے کہ یہ حقیر رقم اس کو رحلت شام کے بعد سے ملنے لگی، ذہبی کی عبارت ہرگز اس  
مفہوم پر نہیں دلالت کرتی، بلکہ بظاہر اس رحلت سے پہلے بھی اس کو مذکورہ رقم ملتی ہوگی، رہتی یہ  
بات کہ اسے اپنے طلبہ سے کوئی اجرت ملتی ہو، تو یہ حکم عادات مشرق اور حالات ابوالعلا سے ناواقف  
ہونے کی دلیل ہے، کیا ابوالعلا ان دونوں کی طرح کیمبرج اور آکسفورڈ کا کوئی پروفیسر تھا یا متفرق  
شائقین کو ٹیوشنوں پر پڑھاتا پھرتا تھا، نہیں بلکہ ابوالعلا اپنے طلبہ کی امداد کیا کرتا تھا، ذہبی راوی<sup>(۳)</sup>  
ہیں کہ وہ ان طلبہ سے جو اس کی طرف رحلت کر کے آتے یہ عذر کیا کرتا کہ وہ بے بضاعت ہے، اور  
معرہ کے متمول لوگ تو بخل کے لئے مشہور ہی ہیں اور اس بات پر اس کو سخت تاسف تھا، میں نے  
نروم میں اسی معنی میں چند ابیات دیکھے ہیں:

یزورنی القوم هذا ارضه يمن  
من البلاد وهذا داره الطبس  
قالوا سمعنا حديثا عنك قلت لهم  
لا يبعد الله الا عشر البسوا  
اعاننا الله كل في معيشة  
يلقى العناء قدرى فوقنا دبس  
ماذا تريدون لا مال تيسرلى  
فيستماح ولا علم فيقتبس

لوگ میرے پاس آتے ہیں، ایک یمن کا  
ہے، دوسرا طبس (خراسان کا ایک ضلع)  
کا، کہتے ہیں ہم نے تمہارا شہر سنا ہے  
میں کہتا ہوں خدا طمع کا روں و دور کرے۔  
خدا ہم سب کی دست گیری کرے کہ ہر  
ایک اپنی گد ران میں زمت برداشت کر  
رہا ہے، سوا آسمان ہم پر برس!  
تم چاہتے کیا ہو کہ نہ میرے پاس مال ہے

(۱) رقم ۱۱۰۱، ۲۰۱ (۲) - سقظ مع تنویر ۱۹۰۲ء میری بغداد سے واپسی کا باعث حالات والدہ اور فقدان ثروت تھ  
خدا نے دونوں کو میری واپسی سے پہلے زندہ رکھا مگر اس کے بعد دونوں پر موت کا حکم صادر کر دیا۔ (۳) - ۱۳۰

جس کو مانگو اور نہ علم جس سے استفید ہو، کیا  
تم ایک جاہل سے افادہ چاہتے ہو، اور کیا  
بے دودھ کی اونٹنی کو دوہتے ہو، جس کا  
پستان خشک ہے، میں بد نصیب ہوں جو  
تمہاری اعانت نہیں کر سکتا، ہاں زمانہ کی  
گردشیں تنگ حال کر دیتی ہیں۔

اتساء لون جهولا ان يفد كمو  
وتحلبون سفيا ضرعها يس  
انا الشقى بانى لا اطيع لكم  
معونة وصروف الدهر تحتبس

قفطی راوی ہیں، ایک روز طلبہ نے مل کر ابو العلاء سے حلب کے تربوز کی خواہش کی،  
ابو العلاء نے آدمی بھیج کر وہ منگائے، جن کو ان سب نے مل کر کھایا، اور کچھ حصہ ابو العلاء کے لئے الگ  
کر دیا، جو یونہی پڑے پڑے سوکھ گیا، اور ابو العلاء نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا، یہ حکایت نص صریح  
ہے کہ ابو العلاء طلبہ کی امداد کرتا تھا نہ کہ علی العکس، اسی طرح ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (۳۱۵x۳) میں  
ابو العلاء کے شاگرد رشید تبریزی سے روایت کی ہے کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں خطیب بغدادی  
سے ادب کی کتابیں پڑھا کرتا تھا، ایک روز خطیب میرے حجرہ میں آکر مجھے ۵ دینار دے گئے، اور  
کہا ان کی قلمیں خرید لانا، پھر ایک مرتبہ اور اسی طرح قریباً اتنی ہی رقم دے گئے۔

مارگولیوتھ اور نکلسن ہردو نے وقف کا ترجمہ کہیں ٹرسٹ فنڈ سے اور کہیں پنشن سے کیا  
ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ابو العلاء کے چند مکانات تھے، جن سے کرایہ آتا تھا، اور کچھ زمین تھی جو  
سالانہ کچھ پھل دیا کرتی تھی، جس طرح خود ابو العلاء کے اپنے بیابوں سے ہم نے اپنی کتاب میں  
ثابت کیا ہے ظاہر ہے کہ ایسی آمدنی پر ہردو لفظوں کا اطلاق مشکل ہے۔

یہ قول بھی کتنا پورا ہوا ہے کہ ابو العلاء کی تعلیم زرطلبی کے لئے ہو، حالانکہ سینکڑوں جگہ وہ اس  
سے انکاری ہے، نیز ذہبی<sup>(۱)</sup> وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ بڑا عالی ہمت تھا کسی کا احسان نہ اٹھاتا، ورنہ اگر  
شاعری اور مدح خوانی کو ذریعہ معاش بنانا چاہتا تو اسے یقیناً دنیوی ریاست حاصل ہو جاتی، ہمیں  
ان استدلالوں کی بھی ضرورت نہیں ہے، کہ ابو العلاء کی پوری زندگی قناعت کا بہترین نمونہ اور مثال  
ہے، گویا مارگولیوتھ صاحب اس کو یورپ کی لچائی ہوئی اور مادہ پرست آنکھوں سے اپنی طرح جوغ  
البحر میں بتلا دیکھتے ہیں، حالانکہ ابو العلاء اپنے لڑکپن کے قصائد کے "تعمق خود متقدمہ" سقط میں  
کہتا ہے۔

”میں نے اپنی مدح سے رؤسا کے کانوں کو دستک نہیں دی، نہ کسی سے صلہ ملنے کی طمع میں یہ تعریفیں لکھی ہیں، میرا مقصد تو صرف طبع آزمائی اور مشق سخن تھا، بس! اللہ کے ہزار ہا شکر ہیں کہ اس نے قوت لایموت سے میرا پردہ ڈھانک رکھا ہے، اور مجھے وہ قناعت بخشی ہے جو میرے لئے ایک بڑی ثروت کے برابر ہے۔“

کیا یہ دونوں صاحبان ابوالاعلا سے راست بازی میں کچھ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، میں مانتا ہوں کہ ریو صاحب نے سچ کہا ہے، جس طرح سقط نسخہ پیرس کے عنوان میں ہے کہ اس کا پہلا قصیدہ سعید الدولہ کی مدح میں ہے، مگر اسے کاش کہ یہ مدعی اسی قصیدہ کے عنوان پر نظر ڈالتا، اس میں ہے (ولم یکن من طلاب الفوائد) اور مطبوعہ نسخوں میں من طلاب الرفد اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ سقط کی مدح زرطلبی کے لئے ہیں، صاف ہٹ دھرمی، مکابرہ اور عصیت جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے، یہ اس کے لڑکپن کا ہیبت ہے۔

قناعت<sup>(۱)</sup> فخلت ان النجم دونی وسیان التقنع والجهاد

۴۷۔ دونوں<sup>(۲)</sup> صاحب کہتے ہیں کہ ابوالاعلا کا سفر بغداد تلاش معاش یا قسمت آزمائی یا

طلب ملازمت کے لئے تھا، مگر ابوالاعلا تو خود بغداد میں اور وہاں سے پلٹ کر بھی یہ کہہ رہا ہے۔

سیطلبنی رزقی الذی لو طلبته مجھے میری رزق خود ہی ڈھونڈے گی کہ

لما زادوا دنیا حظوظ و اقبال میرے ڈھونڈنے سے وہ کسی طرح بڑھے گی

نہیں اس لئے کہ دنیا بخت، اقبال کا نام ہے،

رحلت لم آت قروشا ازاولہ میں بغداد سے واپس ہوا میں مہذب صاحب

البطیخہ اور قروش صاحب موصل سے روزی

مانگنے نہ آیا تھا۔ اس شخص کے لئے جو خوگر

قناعت ہو بھیک مانگنے سے تو مرجانا کہیں

بہتر ہے۔ ساحل دجلہ میں بہت سے

(فیاض) شریف تھے جن کی بارش کا میں

منتظر نہ رہا حالانکہ وہ ابر کی طرح ریزان تھے۔

وانی تیممت العراق لغير ما  
تیممہ غیلان عند بلال  
میں اس مقصد سے بغداد نہ گیا تھا جس  
سے ذوالرمہ بلال بن ابی بردہ بن ابی  
موکی الاشعری کے ہاں پہنچا تھا۔

ناظرین مختار ہیں، چاہیں ابوالعلا کی تصدیق کریں اور چاہیں اس کے مادہ پرست سوانح  
نگاروں کی، پھر دونوں صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے انکاری اشعار سے تو ابوالعلا گویا خود اپنے مقصد کو  
شکست دیتا تھا، اے سبحان اللہ! شاید آپ نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے، ہلا شققت عن قلبہ  
۲۸۔ دونوں<sup>(۱)</sup> کہتے ہیں کہ ابوالعلا بغداد سے واپس آ کر دیکھیٹیرین یعنی منتفق علی  
النبات بنا، الخ

یہ قول ابوالعلا کے اپنے بیان کے خلاف ہے، وہ صاف لکھتا ہے<sup>(۲)</sup>، جب ناچیز کی عمر  
۳۰ سال کو پہنچی تو اس نے مدۃ العمر کا روزہ اور اقتناع علی النبات شروع کر دیا، یعنی کہ ۳۹۳ھ رحلت  
بغداد سے کوئی ساڑھے پانچ سال پیشتر، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک زبردست بیرونی شہادت  
بھی موجود ہے، قال ابن حجر انه بقى فى صنعاء سنة لا ياكل اللحم یعنی بقول ابن حجر  
وہ صنعاء شام میں ایک سال گوشت خوری سے مجتنب رہا، یہ متفق علیہ ہے کہ وہ بغداد سے واپس  
آ کر پھر اپنے کنج تنہائی سے کہیں باہر نہیں نکلا، اس لئے یہ صنعاء کی رحلت حتماً قبل از رحلت بغداد  
واقع ہوئی ہے، یہ غلطی کہ ابوالعلا کے جین ازم یا برہمن ازم سے ملتے ہوئے خیالات بغداد سے  
پنٹ کر بروئے کار آئے ہیں، قریب فریب تمام سوانح نگاروں کی مشترکہ لغزش ہے، ہاں یہ سچ ہے  
کہ ان خیالات کا علم دنیا کو بعد ہی کو ہوا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ان کی سخت پابندی واپس آ کر  
ہی کی ہو، جب کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے راہ عمل سوچ چکا۔

۳۹۔ دونوں فرماتے ہیں<sup>(۳)</sup> کہ وہ جاتے ہوئے حلب سے روانہ ہوا، مگر افسوس کہ خود  
مسافر ان کی تصدیق کرنے کو تیار نہیں وہ تو صاف کہتا ہے۔<sup>(۴)</sup>

مانکبت حلب فى الابداء  
والانكفاء الا الخ  
میں بغداد جاتے اور آتے حلب سے اسی  
لئے روگرداں رہا، الخ

ناظرین کے لئے یہ بات مایہ حیرت ہوگی کہ ناشر و ترجمان رسائل ایسا کہے۔

۵۰۔ رسائل نمبر ۸ میں ۵۰ کنبذۃ کنبذۃ فنیق النجوم یعنی کہ ستاروں کے سائڈ کی سی عزالت،

(۱) ۳۶-۱ آداب ۳۱۵ دائرہ ۷ (۲) ادبا، ۱۹۹ (۳) م-۱۲۱: فکر ۱۲۶ (۴) رسائل ص ۲۹

اس میں مارگولیوتھ اور نکلسن ہر دو فنیق کو کوئی ستارہ سمجھے بیٹھے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

یہ زعم غلط ہے، فنیق نام کا دنیا میں کوئی ستارا نہیں، اصل میں فنیق سائنڈاؤنٹ کو کہتے ہیں، اور چونکہ آئیل تمام ستاروں سے الگ تھلک اور مستبعد نظر آتا ہے، اس لئے اس کو مجازاً فنیق کہہ دیتے ہیں، کتاب الازمہ<sup>(۲)</sup> میں امام ابوعلی مرزوقی چند اشعار دیتے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے۔

شامیۃ الاسبیلا کسانہ  
فنیق غدا عن شولہ وهو جافر<sup>(۳)</sup>

یہ ایک مارگولیوتھ کی غلطی ہے، جس کا ذکر پہلے رہ گیا تھا۔

۵۔ داعی الدعاۃ<sup>(۴)</sup> نے مصر سے ابو العلاء سے گوشت خوردی کے ترک پر غلط و کتابت کی۔

یہ صحیح نہیں کہ داعی الدعاۃ خود کہتا ہے<sup>(۵)</sup> فلما رمیت بی المرامی الی الشام

وسمعت ان الشیخ وفقہ اللہ تعالی الخ یہ پوری عبارت کوئی شک کی گنجائش نہیں چھوڑتی،

صاحب ذکر نے بھی مارگولیوتھ کی اندھی تقلید کی ہے۔ (دیکھو ذکر ص ۶۵)

حیرت در حیرت

یا قوت نے فلک المعالی سے نقل کیا ہے<sup>(۶)</sup> کہ بعض نادان دگ موت و خدا کی طرف سے

ظلم خیال کرتے ہیں، معری بھی انہی میں سے ہے، خدا نے اس پر داعی الدعاۃ کو مسلط کر دیا، اور دونوں

میں کچھ رسائل دائر ہوئے، جن کا انجام اس پر ہوا کہ داعی نے اس واقعہ کے بعد اس کو حلب میں آنے

کے لئے لکھا تا کہ اگر وہ اسلام لائے تو اسے بیت المال سے ایک گران قدر رقم دی جائے، جب ابو العلاء

کو یہ معلوم ہوا کہ یا مجھے قتل کیا جائے گا، یا جبراً مسلمان بنا لیا جائے گا تو خود ہی زہر کھا کر مر گیا۔

فلک المعالی ابو یعلیٰ ابن البہاریہ کی تالیف ہے، ملاحظہ ہو، کشف الظنون یا قوت نے اس

سے جا بجا نقل کیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ایسا صوفیہ لائبریری قسطنطنیہ میں موجود ہے، دیکھو اس کے

دفتر مطبوعہ ۱۳۱۴ھ کلبر ۱۵، ابن البہاریہ ایک نہایت گندہ دہن اور بد زبان شاعر ہے، تمام

مورخین کا اتفاق ہے کہ کوئی بھلا آدمی اس کی جھوٹے نہیں بچا، دیکھو ابن خکان وغیرہ، ایسی حالت

میں ابو العلاء کا اس کی مذمت سے نہ بچ سکا اس کی فضیلت کی دلیل ہے۔

واذا<sup>(۷)</sup> اتک مذمتی من ناقص  
فیہی الشہادۃ لی بانی کامل

(۱) ترجمہ رسائل ۳۳ و افکار ۴ (۲) ۳۲۲x۲ (۳) ۳۲۳ و (۴) ۳۲۱ (۵) وہ سارے ستارے شامی ہیں جو آئیل کے (جو

بنانی ہے) کو زیادہ کوئی سائنڈ ہے جو فنیق چھوڑ کر سائنڈیوں سے الگ تھلک ہو گیا ہو (۴) ۳۹ و جرنل آراء۔

ایس حاشیہ نمبر ۳۳ ص ۳۱۴ ۱۹۰۲ء (۵) ادباء الخ (۶) ادبا ۱۹۴x۱ (۷) جب تم کو کسی ناقص شخص کی زبان سے

یہ برائی پہنچے تو وہ گویا میری فضیلت کی پختہ دلیل ہے۔



خیر اس کا تو ہم نے اپنی کتاب میں پورے طور پر رد کر دیا ہے، اس طرح ابوالعلاء کے زہر کھا کر مر جانے کا، کسی مورخ نے ذکر نہیں کیا، اور ابن البہار یہ ثقہ نہیں، لہذا یہ قول مردود ہے۔  
اب سنی ڈاکٹر طحسین<sup>(۱)</sup> مذکور الصدر قصہ کو غرس النعمہ کے نام سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ”اس مہمل واقعہ کی خود یا قوت ہی نے تکذیب کر دی ہے، اور حیرت اس پر ہے کہ فریچ مستشرق سلامون نے یا قوت کی عبارت کا مطلب بالکل نہیں سمجھا، اور یہ خیال کیا کہ خود یا قوت ہی اس قول کا قائل ہے، اس لئے اسے چارہ پر ناحق لے دے کی ہے، اگر وہ یا قوت کی عبارت پر ذرہ غور کرتا تو اپنے تئیں رد کی اس طویل زحمت سے چھڑا لیتا۔“

ناچیز کہتا ہے کہ ایک سلامون کی غلطی سے یا قوت کی طرف اس قول و منسوب کیا، مگر یا حضرت آپ بھی ذرا اپنے سر بیان میں منھ ڈالنے کہ آپ بھی مصیبت نہیں میرا، بیچارے غرس النعمہ کو اس حکایت سے کیا سروکار، ذرا میرے لکھنے سے پھر انعم اللہ ان کا مطالعہ کیجئے اور ہاں یہ یاد رہے کہ فلک المعانی ابن البہار یہ کی کتاب ہے، نہ کہ غرس النعمہ کی، کیا آپ کچھ اجازت دے لیں گے کہ میں اس مقام پر ہمارے متفقہ دوست کا ایک بیت پڑھوں۔

وبصیر<sup>(۲)</sup> الاقوام مثلی اعمی  
فیلمسراشی حندس نتصامہ

راقم کو زندگی میں یہ مشغلہ بالکل نہیں بھاتا کہ اوروں کی طرح انہوں پر زبان شکن و راز کر کے اپنے لئے راستہ صاف کرے، مگر چونکہ مستشرقین کا موماً ہمارے ہاں آج تک ایک ہی پہلو دکھایا گیا ہے، اس لئے تقاضائے سنت الہی ضرورتاً کہ یہ باب مضامین سے سراسر خالی نہ رکھا جائے، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ انسان کا کوئی کام خامیوں سے خالی نہیں رہ سکتا، اس لئے میں اپنے نو بری بنا کر بازار مصر میں نہیں پیش کر سکتا، ہاں یہ خیال میرے لئے فی الجملہ مایہ ظمانیت ہے کہ حتی المقدور میں نے دعویٰ سے اپنے تئیں بچایا ہے، نیز یہ کہ اگر خدا کو منظور ہو تو ہمارے ملک کے مہبوت احواس مدعیان علم مستشرقین کو آئندہ پر مسومیت سے نسبت دینے کی جسارت نہ کر سکیں گے۔

یہی نہیں، بلکہ مضمون بہت سی انوکھی تحقیقات پر مشتمل ہے، اس لئے امید ہے کہ صحابان

حق اس کے حقیقی فوائد پر نظر رکھیں گے۔

یلاہ السنن فیہما المستطاب من المصنف

الا لیل (۳) من شاء ما شاء انما

(۱) لاری ص ۲۲۵ (۱) قوم کا دینا بھی میری طرح اندھا ہی ہے اور قوم انداز سے تیار باہم ہرگز نہیں آسکتا۔

(۲) جو جس کسی کے تئیں آئے جو اسے کہ انسان اسی امر میں قابل سزاؤں ہو گا، جسے وہ اس سے سزا دے گا۔

# اسلامی علوم و فنون اور مستشرقین یورپ

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

اس وقت یورپ اس قدر تمدن دنیا پر چھایا ہوا ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک زمانے میں یورپ نے مسلمانوں کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا اور اپنی زبان میں اسلامی علوم و فنون کے ترنت کئے تھے، تو لوگوں کو تعجب ہوتا ہے، بلکہ اس کو مبالغہ سمجھتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یورپ کا ابتداً ان سے مسلمانوں سے علمی تعلقات پیدا ہو گئے تھے، آٹھویں صدی عیسوی میں جب کہ تمام یورپ جہالت، تعصب، توہمات اور خرافات کا مرکز بنا ہوا تھا، مسلمانوں کی علمی و تمدنی ترقی کا فنون ان شباب تھا، بغداد میں حکماء، فلاسفہ، شاعر، متکلم سب کے سب علمی ترقی میں مصروف تھے، ہارون رشید کا عصر خلافت علوم و فنون کی اکاڈمی بنا ہوا تھا، اس ترقی کی شہرت کی بنا پر اکثر سلاطین وقت ہارون رشید سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے، انہی میں ایک شارایمان بھی تھا، یہ اگرچہ اپنی علمی وسعت کے لحاظ سے بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ تھا، پھر بھی علمی و تمدنی حیثیت سے اس کو یورپ اور اسلامی ملکوں میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا تھا، یورپ میں اس وقت صرف مذہبی تعصبات جاری تھی اور وہ بھی صرف گرجوں تک محدود تھی، اس تعلیم کے ذریعہ خرافات و اوبام کی تلقین کی جاتی تھی، شارایمان پہلا شخص ہے، جس نے اس دماغی تنزل کو محسوس کیا اور خلیفہ اسلام ہارون رشید کی تمہید میں اپنے دربار میں علماء، حکماء اور شعراء کو جمع کیا، ان میں کون سب سے زیادہ نامور ہے، یہ شاعر بھی تھا، رہنما لوم بھی، اس نے خود عربوں سے یا ان یہودیوں سے جنہوں نے عرب علماء سے تعلیم حاصل کی تھی، اسلامی علوم و فنون پڑھے تھے، عبرانی اور لاطینی زبانوں کا بہت بڑا ماہر تھا، اس کے ذریعہ یورپ میں علمی دور شروع ہوا۔

یورپ میں اگرچہ اس سے بہت پہلے مسلمانوں کا علمی و تمدنی اثر قائم ہو چکا تھا، مسلمان

پہلی ہی صدی میں جنوبی فرانس میں اقامت گزریں ہو گئے تھے، انہوں نے پورے یورپ میں آزادی و حریت کی روح پیدا کر دی تھی، لیکن کلیسا کی سخت گیریاں بھی قائم تھیں، اس لئے وہاں کوئی آزادانہ صدا بلند نہیں ہو سکتی تھی، پھر بھی شارلیمان نے روشن خیال علماء کی مدد سے تمام گرجوں میں مذہبی علوم کے ساتھ موسیقی، ہندسہ، نجوم اور منطق وغیرہ کی کتابیں داخل نصاب کیں، لیکن شارلیمان کے بعد اس کی علمی اصلاحات کا خاتمہ ہو گیا، اور کلیسا کی جابرانہ حکومت پھر قائم ہو گئی اور وہ ان اصلاحات کو گوارا نہیں کر سکتا تھا، شارلیمان کے پوتے شارل نے نویں صدی میں جب اپنے دادا شارلیمان کے نقش قدم پر چلنا چاہا اور ایک انگریز عالم سے جو عبرانی، یونانی، عربی زبانوں اور طب اور فلسفہ کا بڑا ماہر تھا، مسلمانوں کے علوم و فنون کا اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کی خواہش کی تو اس سے تمام یورپ سوچ گیا، اور کلیسا نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، تاہم ان رکاوٹوں کے باوجود آزادی کی روح برابر ترقی کرتی گئی اور جب اندلس میں مسلمانوں نے اپنے عظیم الشان مدارس قائم کئے اور وہ تمام دنیا کی علمی ترقیوں کا کعبہ امید بن گیا، تو اس کا اثر یورپ پر پڑے بغیر نہیں، ہاں چنانچہ بہت سے لوگوں نے مسلمانوں کے ان مدرسوں میں علوم و فنون حاصل کئے جن میں ایک جبر برٹ بھی تھا، جو نویں صدی کے آخر میں پوپ ہو گیا تھا، اس نے اسلامی علوم و فنون کے تراجم کو اس قدر وسعت دی کہ یورپ میں علمی بہار آ گئی، لیکن خود یہاں کے لوگوں نے اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کے لئے کوئی مدرسہ قائم نہیں کیا تھا، شارلیمان نے قائم کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہیں ہوا، فریڈرک ثانی پہلا شخص ہے، جس نے یورپ میں اسلامی علوم و فنون کے مدارس قائم کئے، فریڈرک ثانی ۲۶ دسمبر ۱۱۹۴ء میں پیدا ہوا اور ہرم میں تعلیم و تربیت پائی، ہرم اس وقت عرب سما سے بھرا ہوا تھا، اس بنا پر اس کو ابتدا ہی سے بے تعصبی کے ساتھ علمی ذوق کو ترقی دینے کا سونپ ملا۔ اس کی بے تعصبی کا اظہار اس کے علمی کارناموں ہی سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ذاتی زندگی بھی اس کا بہترین مظہر تھی، چنانچہ اس کے باہی کارہ مسلمان ہوتے تھے، ان کے جو قلعے اور عمارتیں تھیں کرائی تھیں ان میں اندلس کی عمارتوں کی طرح عربی طرز تعمیر کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا، پھر ان کے قلعے سے بے تعصبی سے کام لینے کے لئے زمانہ نے پہلے ہی سے اس کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا، چنانچہ جب مسلمانوں نے اندلس کو فتح کیا اور فرانس میں داخل ہوئے تو آزاد خیالی اور لٹریچر نے فرانس پر بھی بہت نمایاں اثر ڈالا بالخصوص شاعری پر اس کا خاص اثر پڑا، فرانس کے شعراء پہلے جو اشعار کہتے تھے ان میں قافیہ کی پابندی نہیں ہوتی تھی، لیکن عرب شعراء کی تقلید اور تنوع میں وہ بھی

قافیہ کی پابندی کرنے لگے، خود عربی اشعار اور رجز وہاں کے لوگوں کی زبانوں پر اس قدر چڑھ گئے کہ وہاں کے فقراء عربی اشعار پڑھ پڑھ کر بھیک مانگتے تھے صلیبی لڑائیوں نے بھی مسلمانوں کے شاندار تمدن و تہذیب کا جو نمونہ یورپ کے سامنے پیش کیا تھا، اس نے بھی اچھا خاصا اثر ڈالا، اور یورپ کے لوگ اس سے متاثر ہوئے۔

جب اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا، اور ان کے بڑے بڑے شہر عیسائیوں کے قبضہ میں آ گئے، تو مسلمان وہاں سے نکل کر جنوبی فرانس میں پھیل گئے، مسلمانوں کے اس انتقال مکانی سے مونبیلیہ یونیورسٹی پر خاص اثر پڑا، اہل یورپ نے مونبیلیہ میں ایک طبی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی، جب ان کو اندلس کے عرب علماء سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا تو یہ مدرسہ مذہبی اور علمی آزادی فکر کے لحاظ سے تمام یورپ کی دماغی ترقی کا مرکز بن گیا۔

سسلی و بھی جب مسلمانوں نے فتح کیا تو اس پر بھی ان کے تمدن کا رنگ چڑھ گیا، سسلی چونکہ وسط یورپ میں واقع تھا، اس بنا پر یورپ کی مختلف قومیں اسی رنگ میں رنگ گئیں، نورمانیوں نے جب سسلی کو فتح کیا، تو یہاں کے تمدن میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا ہوا، بلکہ اس زمانہ میں مسلمان علمی دائرے سے نکل کر سیاست کے میدان میں بھی آ گئے، خصوصاً فوجی اور انتظامی معاملات میں ان پر پورا بھروسہ کیا جاتا تھا، جنگی جہاز تو بالکل ان کے ہاتھ میں تھے، ان کے اثر سے جہاز سے متعلق بہت سے الفاظ اور اصطلاحات یورپ کی زبانوں میں آ گئے، جو اب تک موجود ہیں، مثلاً امیرال یورپ کی زبانوں کا ایک متداول لفظ ہے، حالانکہ یہ لفظ امیر البحر کی بگڑی ہوئی شکل ہے، بہر حال سسلی کے شہروں سے لے کر دہات تک میں عربی تمدن کا اثر نمایاں تھا، خصوصاً اس کے دو شہر بلرم اور ساون تو عربی تمدن کا مرکز تھے۔

ان تمام قدرتی اسباب سے فریڈرک ثانی کو فائدہ اٹھانے کا خوب موقع ملا، چنانچہ اس نے دو عظیم الشان مدرسوں کی بنیاد ڈالی، ان میں پہلا مدرسہ نابولی کا ہے، فریڈرک نے اس میں وہاں کے مقامی علماء کے علاوہ عرب پروفیسر بھی مقرر کئے، کتب خانوں سے بھی اس کے مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا ہوئے، چنانچہ اس نے مصر، اندلس، شام اور گرجوں کے تمام کتب خانوں کو ملا کر ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا، نابولی بحر متوسط کے وسط میں تھا، اس بنا پر پورے براعظم یورپ کے تمام اطراف و جوانب سے نہایت کثرت سے طالب العلم آتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے، غرباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی، سالرن کا ڈیکل کالج بہت وسیع اور بلند تھا، اس کے

مقابلہ میں نابولی کا مدرسہ کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا، سالرن کے اس کالج کو سب سے پہلے آٹھویں صدی میں بعض عرب اور یہود علماء نے قائم کیا تھا، لیکن اس کی اصلی ترقی فریڈرک ثانی کے عہد میں ہوئی، اس میں اس وقت کی تمام مروجہ زبانوں مثلاً الاٹینی، یونانی، جرمن، عربی، عبرانی میں تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ کسی زبان کا جاننے والا بھی تعلیم سے محروم نہ رہے، تعلیم کا طرز یہ تھا کہ تمام علوم و فنون پر لکچر دئے جاتے تھے، علم التشریح کی بھی تعلیم ہوتی تھی، چونکہ عیسائی مردہ آدمیوں کے جسموں کو چھونا ناجائز سمجھتے تھے، اس لئے اس قسم کے تجربات بجائے انسانی جسموں کے بندروں کے جسموں پر کئے جاتے تھے، جو تمام جانوروں میں انسانوں سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں، لیکن کبھی کبھی پوشیدہ طور پر انسان کے جسم کی بھی تشریح کی جاتی تھی، داخلہ کے لئے کسی خاص مذہب کی قید نہ تھی، ہر مذہب کے اساتذہ بھی اس میں رکھے جاتے تھے اور ہر مذہب کے طلبہ بھی اس میں داخلہ لے سکتے تھے۔

اس میڈیکل کالج میں خاص طور سے ہر مرض کے اسپیشلسٹ بھی تیار کئے جاتے تھے، بعض صرف آنکھ کے امراض کا علاج کرتے تھے، بعضوں کو مثلاً نہ کے امراض میں کمال ہوتا تھا، بعض صرف نباتات کے خواص کی واقفیت رکھتے تھے، ان کے تمام تجربات ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دئے گئے ہیں، جن کا نام رجمین سینینٹس ہے، محققین کا بیان ہے کہ یہ کتاب اسحاق بن سلیمان کے تجربات سے ماخوذ ہے، جو قرطبہ کا مشہور حکیم تھا، اس کتاب میں امراض کی تشخیص، اعضائے انسانی کی تشریح، اصول حفظان صحت، کواکب کا تعلق صحت و مرض کے ساتھ، غرض اس قسم کے مفید مباحث درج ہیں، اس مدرسہ نے اس قدر ترقی کی کہ خود حکومت نے عطاروں کی نگرانی اپنے ذمہ لے لی، کہ وہ عطاری کے ساتھ طبابت نہ کرنے پائیں، جس سے خاص اطباء کے حقوق میں دست اندازی ہوتی تھی، اس مدرسہ کی سرپرستی میں متعدد شفاخانے قائم تھے، جن پر بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں، ان میں پہلا شفاخانہ خاص ان اصولوں کے مطابق قائم کیا گیا تھا جو اندلس میں خلفائے بنی امیہ کے شفاخانوں کا سنگ بنیاد تھے، لیکن یورپ کو ان مدارس کے علاوہ مسلمانوں کی تصنیفات کے تراجم سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا، یورپ میں تراجم کا ذوق سب سے پہلے جربرٹ نے پیدا کیا اور پھیلا یا، جو ۹۹۹ء میں عیسائیوں کا سب سے بڑا پوپ گذرا ہے اور جو بابا سلوٹرٹانی کے نام سے مشہور ہے، اس نے تراجم کی اشاعت میں ایسی سرگرمی دکھائی کہ اہل یورپ نے اس پر یہ تہمت لگائی کہ اس نے اپنی روح شیطانوں کے ہاتھ بیچ ڈالی ہے، اس کے بعد ہرمان <sup>مقتد</sup> <sup>مستطین</sup>

افریتی، افلاطون طیہوری، اذلاء ماطی، یوحنا شمیلی، کوندیسیائی، ہرمان الدلانی، مرقس طلیطلی، کریمونی، فیلیوف، ارمنکو، اسکاٹ، فراغوث غرض کہ نہایت کثرت سے مترجمین پیدا ہو گئے، ان مترجمین میں اگرچہ اٹالین، فرانسیسی اور انگریز بھی تھے، لیکن عربی تصنیفات کا ترجمہ عموماً لیٹن زبان میں کیا جاتا تھا، ان مترجمین نے جن کتابوں کے ترجمے کئے ان کی تعداد تقریباً ۳۰۰ تک پہنچی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تعداد	علم
۹۰	فلسفہ و طبیعات
۷۰	ریاضی و نجوم
۹۰	طب
۴۰	کیمیاء وغیرہ

تراجم کا یہ ذوق روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ ۱۱۳۰ء میں لارڈ بشپ رایموند کی سرپرستی میں طلیطلہ میں تراجم کا ایک خاص محکمہ قائم ہوا، جس کے ذریعہ یورپ میں تراجم کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، ڈاکٹر لوکارک نے اپنی کتاب تاریخ علم طب عربی میں لکھا ہے کہ عربی کی صرف ۳۰۰ طبی کتابوں کا ترجمہ لیٹن زبان میں کیا گیا، پندرہویں صدی تک یورپ میں کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، اس کی تمام دماغی ترقیوں کا دارومدار انہی تراجم پر رہا، ڈاکٹر گساولی بان کا بیان ہے کہ یورپ میں چھ سو برس تک انہی تراجم کے ذریعہ سے تعلیم ہوتی رہی، بالخصوص طب میں ابن سینا کی تصنیفات اٹھارہویں صدی تک موینلیہ کی یونیورسٹی میں پڑھانی جاتی تھیں۔

عربی زبان سے جن کتابوں کا ترجمہ یورپ میں کیا گیا، ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک تو وہ کتابیں ہیں، جن کو خود اہل عرب نے یونانی زبان سے ترجمہ کیا تھا، یورپ میں اگرچہ ان کتابوں کا ترجمہ عربی تراجم کے ذریعہ ہوا، لیکن یہ کتابیں اصل مصنفین کی طرف منسوب کر دی گئیں، یہ کتابیں زیادہ تر ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس، اقلیدس، ارشمیدس کی تصنیفات تھیں۔

دوسری وہ کتابیں ہیں جن کو ان علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد خود علمائے اسلام نے تصنیف کیا تھا، ہم اس موقع پر ان مصنفین کی ایک فہرست درج کرتے ہیں، جن کی تصنیفات کا ترجمہ یورپ کی زبانوں میں کیا گیا۔

شمار	نام مصنف	کیفیت
۱	ابوالحسن فلکی	اس کی تمام تصنیفات علم الفلک میں تھیں، اس کی کتاب اوائل و اواخر کے بعض اجزاء کا ترجمہ مورخ سید یونے کیا اور ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔
۲	ابوالوفاجوز جانی بتانی	یہ بہت بڑا ہیئت داں تھا، سید یونے اس کی تمام تصنیفات کا ترجمہ کیا اور یہ تمام ترجمے ۱۸۴۰ء میں پیرس سے شائع ہوئے
۳	یعقوب کنڈی	اس کی ایک طبی تصنیف کا لیٹن زبان میں ترجمہ ہوا، اور ۱۵۳۱ء اور ۱۶۰۳ء کے درمیان متعدد بار شائع ہوا۔
۴	موکی خوارزمی	اس نے جبر و مقابلہ میں ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا ترجمہ علامہ روزن نے ۱۸۳۱ء میں انگریزی زبان میں کیا، اس سے پہلے بارہویں صدی میں علامہ رودولف دی بروج نے اس کا ترجمہ لیٹن میں کیا تھا۔
۵	ابوالحسن الفرغالی	اس نے علم الفلک میں ایک کتاب لکھی تھی جس کے لیٹن میں تین ترجمے کئے گئے، ایک ترجمہ یوحنا اشبیلی نے بارہویں صدی میں کیا تھا، جو ۱۴۹۳ء میں فراری سے شائع ہوا اور اخیر میں ۱۶۹۹ء میں بھی چھاپا گیا۔
۶	ابونصر فارابی	اس کی کتابوں کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا، لیکن ان کی اشاعت نہیں ہوئی۔
۷	ابن رشد	وہ طب، فلسفہ، ہیئت، تمام فنون کا جامع تھا، اس کی اکثر طبی تصنیفات کا لیٹن میں ترجمہ ہوا اور ۱۵۵۲ء میں یہ تراجم مختلف عنوانات سے شائع کئے گئے۔

۸	ابن سینا	قانون اس کی مشہور تصنیف ہے، لاطینی زبان میں یہ کتاب ترجمہ ہو کر بار بار چھپی، اس کی پہلی اشاعت مقام بندقیہ سے ۱۴۸۴ء میں ہوئی تھی، ابن سینا کی تصنیفات کی شرحیں تو اٹھارہویں صدی کے آخر تک شائع ہوتی رہیں۔
۹	قسطنطین افریقی	یہ وہ شخص ہے جس نے اٹلی میں عربی طب کو روانہ دیا اس نے اپنی تمام کتابیں لیٹن زبان میں لکھی تھیں جن کا ماخذ طب عربی تھی، یہ کتابیں ۱۵۳۶ء میں مقام بال سے شائع ہوئیں۔
۱۰	جابر بن حیان	کیمسٹری کا بہت بڑا عالم تھا، پیرس کے پبلک کتب خانہ میں لیٹن زبان میں اس کی چھ کتابیں موجود ہیں، اس کی اکثر کتابوں کی اشاعت ہوئی، سب سے پہلے اس کی کتابیں ۱۴۹۰ء میں چھاپی گئیں اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں لیٹن سے فریچ میں ان کا ترجمہ ہوا، اس کی کتابوں کے انگریزی میں ترجمے ہوئے اور ۱۶۶۸ء میں ان کی اشاعت ہوئی۔
۱۱	جابر فلکی	یہ دوسرا شخص ہے، اشبیلیہ میں رہتا تھا، ہینٹ میں اس نے ایک مفید کتاب لکھی تھی، جس کا لیٹن میں ترجمہ ہوا۔
۱۲	عباس	اس نے طب میں پچاس اجزاء میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مالکی تھا لیٹن میں اس کا ترجمہ ہوا اور مقام وینس سے ۱۴۹۲ء میں شائع ہوئی۔
۱۳	حسن بن الہیثم	یہ ریاضی کا بہت بڑا عالم تھا، اس کی کتابوں کا لیٹن میں ترجمہ ہو کر ۱۵۷۱ء میں شائع ہوا، اس نے ہندسہ میں ایک کتاب لکھی تھی، سید یونے اس کا خلاصہ شائع کیا۔



۱۴	ابن العوام اندلسی	علم النباتات کا ماہر تھا، اس نے فن زراعت پر ایک کتاب لکھی تھی، موسیو کلیمان مولیہ نے فرینچ میں اس کا ترجمہ کر دیا، اور ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا۔
۱۵	قزوینی	ہیئت، جغرافیہ، تاریخ طبیعی کا عالم تھا، اس کی کتاب عجائب المخلوقات کا فرینچ میں ترجمہ ہوا اور ۱۸۰۵ء میں پیرس سے شائع ہوا، حال میں اس کے ہیئت کے ایک رسالہ کا جرمن زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔
۱۶	ضیاء ابن بیطار اندلسی	علم النباتات میں مہارت رکھتا تھا، اس کی ایک کتاب مفردات کا ترجمہ ڈاکٹر لوکلرک نے دو جلدوں میں کیا اور ۱۸۷۷ء میں پیرس سے شائع ہوا۔
۱۷	ابن یونس	یہ ہیئت داں تھا، زنج حاکمی جو ہیئت میں بے مثل تصنیف ہے، اس کی تالیف ہے، علامہ کوسان دو برسفال نے اس کے بعد اجزاء کا ترجمہ کیا اور ۱۸۰۴ء میں پیرس سے شائع ہوا۔
۱۸	یحییٰ بن ماسویہ	بہت بڑا طبیب تھا، خواص ادویہ میں اس کی بہت سی کتابیں ہیں، جو بار بار چھپ چکی ہیں، لیٹن میں اس کی کتابوں کا ترجمہ ہوا اور مقام بندقیہ ۱۳۷۱ء میں شائع ہوا۔
۱۹	محقق طوسی	اس نے ایک زنج مرتب کی تھی، اس کا خلاصہ لیٹن زبان میں ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا اور ۱۶۵۲ء میں بھی چھاپا گیا۔
۲۰	الغ بیگ	یہ تیمورنگ کا پوتا اور ریاضی کا بہت بڑا عالم تھا اس نے ایک زنج مرتب کی تھی جو اسی کے نام سے مشہور ہے، لیٹن میں اس کا ترجمہ ہوا اور ۱۶۶۵ء میں آکسفورڈ سے اور ۱۸۴۷ء میں پیرس سے اس کی اشاعت ہوئی۔

۲۱	زکریا رازی	طیب اور بہت بڑا مصنف تھا، اس کی تصنیفات کی تعداد ۲۲۶ تک پہنچی ہے، اس کی اہم کتابوں کا لیٹن میں ترجمہ ہوا، اور ۱۳۸۶ء میں ان کی اشاعت ہوئی، چچک کے متعلق اس کا ایک رسالہ تھا جو ۱۷۴۵ء و ۱۷۶۶ء میں لیٹن زبان میں چھاپا گیا، آج تک علم کیمیا میں اس کی تین کتابوں کے ترجمے متداول ہیں۔
۲۲	ثابت بن قرہ	یہ پہلا شخص ہے جس نے جبر و مقابلہ اور ہندسہ میں تطبیق دی، سیدیونے اس کی تصنیفات کا خلاصہ شائع کیا ہے۔

مصنفین کی صراحت کے ساتھ ہم ان تمام تصنیفات کی ایک مفصل فہرست درج کرتے ہیں، جن کا ترجمہ یورپ کی زبانوں میں ہوا، یہ فہرست اگرچہ جامع اور مکمل نہیں ہے، تاہم اس سے اس امر کا اندازہ ہوگا کہ یورپ کس قدر مسلمانوں کا گراں بار احسان ہے۔

شمار	نام کتاب	مصنف	مترجم
۱	السمع والبصر	یعقوب کندی	کریسونی
۲	الغایہ	”	”
۳	الاحکام	”	”
۴	التوحید	”	”
۵	الاسباب المختلفہ	”	نامعلوم
۶	مستقبل العرذہ	”	”
۷	خصائص العناصر	فارابی	”
۸	السمع الطبيعي	”	کریسونی
۹	المنطق	”	”
۱۰	مطلع العلم	”	کندیانچی
۱۱	اقسام الفلک	”	”

شمار	کتاب	مصنف	مترجم
۱۲	العلوم	فارابی	کریموئی
۱۳	العقل والمعقول	،،	ہم معلوم
۱۴	الکیمیا	،،	،،
۱۵	الحاوی	زکریا رازی	نبرا نوت
۱۶	المختصری	،،	کریموئی
۱۷	الضوء	،،	،،
۱۸	الابتسام	،،	،،
۱۹	المدخل فی الطب	،،	،،
۲۰	الاغذیہ	،،	،،
۲۱	علم الفاضل	،،	ہم معلوم
۲۲	امراض الجلد	،،	،،
۲۳	التریاق	،،	،،
۲۴	الجدری والحصیہ	،،	،،
۲۵	القانون	ابن سینا	مریموئی
۲۶	قلب الانسان	،،	سید عرف
۲۷	الارجموزہ فی الطب	،،	ارجموزہ
۲۸	شرحها	،،	،،
۲۹	الشراب	،،	الیا محسن
۳۰	النفس اشبیلی	،،	اشبیلی
۳۱	ما بعد الطبیعیہ	،،	کوندیسیافی
۳۲	الطبیعیات	،،	،،
۳۳	اسماء العام	،،	،،
۳۴	مختارہ الحیوان	،،	اسکات

شمار	کتاب	مصنف	مترجم
۳۵	التعریفات	ابن سینا	نامعلوم
۳۶	الکیمیا	“	“
۳۷	المجرا لفلسفی	“	“
۳۸	الحدود	“	“
۳۹	المنطق	“	“
۴۰	الفلسفۃ الاولی	“	“
۴۱	الکلیات	ابن رشد	ارمنکو
۴۲	شرح ارجوزہ ابن سینا	“	“
۴۳	الادویۃ المفردہ	ابن سینا	مانن
۴۴	التریاق	“	نامعلوم
۴۵	السموم	“	“
۴۶	شرح السماء والعالم	“	اسکاٹ
۴۷	شرح النفس	“	“
۴۸	القوی الطبیعیہ	“	“
۴۹	الرحم	“	“
۵۰	المجسطی	ثابت بن قرہ	“
۵۱	الاوزان	“	“
۵۲	ترکیب الدوائر	“	“
۵۳	التصور	“	عبدی
۵۴	السیارات	“	نامعلوم
۵۵	الثوابت	“	“
۵۶	التقارب والتباعد	“	“
۵۷	الدائرۃ الشمس	“	“

شمار	کتاب	مصنف	مترجم
۵۸	التناسب	ثابت بن قرہ	نامعلوم
۵۹	احکام النجوم	ماشاء اللہ	اشبیلی
۶۰	احکام القرائات والهمازجات	“	“
۶۱	الاسطرلاب	“	نامعلوم
۶۲	الدائرہ	“	کریمونی
۶۳	البول	اسحاق الاسرائیلی	قسطنطین
۶۴	الحمیات	“	“
۶۵	العناصر	“	کریمونی
۶۶	الاغذیہ	“	“
۶۷	الحدود	“	“
۶۸	الجراحة	زہراوی	“
۶۹	الرق	“	سمعان الجحوی
۷۰	النظر والعمل	“	نامعلوم
۷۱	التصريف	“	“
۷۲	الملکی	علی بن عباس	قسطنطین
۷۳	تقویم الابدان	ابن جزلہ	فراغوت
۷۴	الصحة	ابن بطلان	“
۷۵	تذکرۃ الکھالین	عیسیٰ بن علی	نامعلوم
۷۶	التیسیر ابن زہر	ابن زہر	نیافینوس
۷۷	البساط	سرائیوں	سمعان الجحوی
۷۸	صناعة جالینوس	ابن رضوان	کریمونی
۷۹	الکتب الاربعہ	“	یامرفونس
۸۰	الطبیعة وماوراءها	امام غزالی	کوندیسائی

شمار	کتاب	مصنف	مترجم
۸۱	الزئج	خوارزمی	ادلارا الباطلی
۸۲	المدخل	،،	،،
۸۳	الجبر	،،	کریمونی
۸۴	الهندسہ	اولاد شاکر	،،
۸۵	یئبوع الحیاء	ابن جبرئیل	کوندیسیانی
۸۶	حرکات النجوم	البتانی	الطیبوری
۸۷	مئة مسأله	،،	نامعلوم
۸۸	الزئج	،،	اوبرت الترنینی
۸۹	القانون	،،	یامرفونس
۹۰	الجبر	ابو عیسیٰ خجا	کریمونی
۹۱	الاسطراب	ابن صفا	نامعلوم
۹۲	المثلثات الکرویه	جابر بن افرح	،،
۹۳	النصرانیة والاسلام	الیتروچی	اسکاٹ
۹۴	زاد المسافر	ابن الجزاء	قسطنطین
۹۵	المدخل فی النجوم	القبیس	اشبیلی
۹۶	الشفق	ابن یثم	کریمونی
۹۷	المختصر	سرایون	،،
۹۸	الحیات	ماسویہ	نامعلوم
۹۹	الجراحة	،،	فراغوت
۱۰۰	الایساغوجی	حنین	نامعلوم
۱۰۱	المنطق	السرخی	،،
۱۰۲	النفس والروح	قسطن بن لوقا	اشبیلی
۱۰۳	التعدادید	،،	فیلنوف

شمار	کتاب	مصنف	مترجم
۱۰۴	اللابوت	جابر	کریمونی
۱۰۵	الانواء	ابن العوام	،
۱۰۶	الزنج	للزرقانی	،
۱۰۷	السموم	المیمونی	المسینی
۱۰۸	انجوم	الفرغانی	کریمونی و اشبیلی
۱۰۹	زہرا انجوم	البلخی	اشبیلی
۱۱۰	الاختیار	،	نامعلوم
۱۱۱	الرد	،	،

یہ ان کتابوں کی فہرست ہے، جن کو خود مسلمانوں نے تصنیف کیا تھا، لیکن وہ کتابیں جن کا مسلمانوں نے یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا، مثلاً الجسطی، کتاب الحواس وغیرہ اس سے الگ ہیں شاید کہا جائے کہ یہ کتابیں اگرچہ مسلمانوں کی تصنیف ہیں، لیکن یہ مسلمانوں کی کتابیں نہیں ہیں، مسلمانوں کے اصلی علوم و فنون حدیث، تفسیر، فقہ، ادب، باغیت، فصاحت وغیرہ ہیں اور ان تمام کتابوں میں ایک کتاب بھی اس موضوع پر نہیں ہے لیکن یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، مسلمانوں نے صرف یونانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہی نہیں کئے بلکہ ان پر اضافہ کیا، ان کی حک و اصلاح کی، جدید مسائل پیدا کئے، مختصر یہ کہ ان علوم کو گویا خاص اپنا فن بنا لیا، اس بنا پر ان تراجم کے ذریعہ سے یورپ میں جو عقلی علوم کا ذخیرہ پہنچا، وہ گویا خاص مسلمانوں کی تحقیقات کا لب لباب تھا، اس کے علاوہ مسلمانوں نے جن کتابوں کے لفظی ترجمے کئے تھے، ان میں بعض کتابوں کی اصل ضائع ہو گئی حکمائے یونان میں تموفارس ارسلوس، نیلادس، ثادون کی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے اور ان کی اصل کتابیں ضائع ہو گئیں، کلید و دمنہ کا ترجمہ ابن مقفع نے فارسی سے عربی میں کیا، اور اصل نسخہ غائب ہو گیا، کتاب الفداۃ النبطیہ کا ترجمہ ابن وحشیہ نے سریانی سے کیا اور اصل کتاب برباد ہو گئی، اس بنا پر یورپ کو ان حکماء کے اصول اور ان کتابوں کی اطلاع صرف مسلمانوں ہی کے تراجم سے ہوئی، بہر حال یورپ مسلمانوں کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا، لیکن اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے صرف اسی پر فخر کافی نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ جس طرح زمانہ قدیم میں ہم سے یورپ نے سیکھا تھا، اسی طرح ہم اس زمانہ میں یورپ سے سیکھیں، قدیم زمانہ

میں فلسفہ کا دائرہ محدود تھا، اب یورپ نے ہر چیز کو فلسفہ بنا دیا ہے، اس لئے فلسفہ کے ان تمام اقسام کو اپنی زبان میں لانا چاہئے، ہندوستان میں جدید تعلیم روز بروز ترقی کر رہی ہے، لیکن ابھی تک تراجم کے سلسلہ میں بہت کم وسعت ہوئی ہے، اردو میں صرف چند کتابیں انگریزی سے ترجمہ ہوئی ہیں، جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاسکتا ہے، مصر میں بلاشبہ تراجم نے ترقی کی ہے، اور انگریزی کے علاوہ فرینچ اور جرمن زبان کی کتابوں کے بھی ترجمے ہوئے ہیں، بالخصوص محمد علی پاشا کے زمانہ میں اس سیغہ نے خاص وسعت حاصل کی، اگر یہی حالت قائم رہتی تو یورپ کا تمام سرمایہ عربی زبان میں منتقل ہو گیا ہوتا، محمد علی پاشا کے زمانہ میں جدید علوم و فنون کی جو کتابیں ترجمہ و تالیف کے ذریعہ عربی میں آئیں، ان کی ایک فہرست ہم درج کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری علمی کوششوں کو یورپ کی علمی کوششوں سے کیا نسبت ہے۔

شمار	کتاب	مؤلف	سنہ اشاعت
۱	الآیات البينات في علم النباتات	محمود فوزجی	۱۸۸۸ء
۲	الظواهر البديعة في علم الطبيعه	،،	۱۳۰۸ھ
۳	منافع الحيوانات	،،	۱۳۰۶ھ
۴	علم طبقات الارض	احمد زے	۱۲۸۸ھ
۵	بنية الكرة الارضية	،،	۱۲۵۷ھ
۶	حسن الصناعة في علم الزراعة	،،	۱۲۹۱ھ
۷	علم النبات	،،	۱۲۸۳ھ
۸	علم الحيوانات	،،	۱۲۸۲ھ
۹	الكيمياء الزراعيه	ابو السعود	۱۲۹۰ھ
۱۰	الجواهر البديعة في علم الطبيعه	محمد كامل الكفرونى	۱۳۰۵ھ
۱۱	الكيمياء العموميه له اجزاء	ابراهيم لطفى	۱۳۰۳ھ
۱۲	مبادئ الطبيعه	،،	۱۳۰۵ھ
۱۳	علم الحيوانات للافقريه	،،	۱۳۰۳ھ
۱۴	الياتولوجيا	محمد شافعى	۱۲۵۹ھ
۱۵	الحصون القحيه	،،	۱۲۰۵ھ
۱۶	التذكرة الطبيه	ابراهيم مصطفى	۱۸۸۱ھ



شمار	کتاب	مؤلف	سنة اشاعت
۱۷	التصريح الخاص	محمود صدیقی و محمد امین	۱۳۰۲ھ
۱۸	المادة الطبيعية جزآن	علی ریاض	۱۲۹۷ھ
۱۹	جراحة الاقسام	محمد الدری	۱۳۰۲ھ
۲۰	امراض النساء	احمد الرشیدی	۱۲۶۰ھ
۲۱	امراض الجلديه جزآن	“	۱۲۶۲ھ
۲۲	فی علمی الادویة والعلاج ۳ جلد	“	۱۲۸۳ھ
۲۳	امراض الاطفال	احمد الرشیدی	۱۲۶۱ھ
۲۴	قواعد التحضیر	محمد ایشیاسی	۱۲۶۳ھ
۲۵	الاقرباذین	حسن الرشیدی	۱۲۶۵ھ
۲۶	الطب السياسی	ابراہیم حسن	۱۲۹۳ھ
۲۷	العمليات الجراحية الكبرى	محمد علی البقالی	۱۲۵۹ھ
۲۸	فن الجراحة ۲ جلد	“	۱۲۸۲ھ
۲۹	اعمال الجراح ۲ جلد	“	۱۲۶۲ھ
۳۰	الامراض الجلديه	حسن محمود	۱۲۹۲ھ
۳۱	السیاسة الصحیحة	محمد صفوت	۱۳۰۳ھ
۳۲	علم التشريح	حسن عبدالرحمن	۱۲۸۳ھ
۳۳	فن الولادة	عیسی حمدی	۱۲۹۷ھ
۳۴	مختصر الطب الباطنی والعلاج	“	۱۳۰۲ھ
۳۵	صحة الحوامل والاطفال	“	۱۲۹۹ھ
۳۶	امراض الاطفال	“	۱۳۰۰ھ
۳۷	التسمیع والقرع	“	۱۳۰۲ھ
۳۸	مختصر فن العلاج	“	۱۳۰۱ھ
۳۹	مختصر الطب الباطنی ۲ جلد	“	۱۲۹۸ھ
۴۰	الطب الباطنی والعلاج ۴ جلد	سالم سالم	۱۲۴۸ھ
۴۱	المياه المعدنية	“	۱۳۰۰ھ

عربی میں جدید علوم و فنون کی اشاعت میں مصر کے علمی رسالوں نے خاص طور پر حصہ لیا ہے۔

# مسلمانوں کا ذخیرہ علوم و فنون

اور

## مستشرقین

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

”مسلمانوں کے لئے درحقیقت یہ بات سخت قابل شرم ہے کہ جس میدان میں انھیں ہمت کا قدم رکھنا تھا، آج اگیارویاں بازی لے گئے ہیں، عربی زبان نہ صرف مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے بلکہ مسلمانوں کی جان، روح، عنصر جو کچھ کہو عربی ہے، مسلمانوں کے تمام علوم و فنون اسی خزانہ میں محفوظ ہیں، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج اس بے بہا خزانہ پر یورپ کا قبضہ ہے، اور مسلمان خالی ہاتھ اس کی اس جرات کو تک رہے ہیں، درحقیقت مسلمانوں کی غفلت سے عربی کا تمام سرمایہ تباہ ہونے والا تھا، اگر یورپ اس کی حفاظت پر آمادہ نہ ہو جاتا، تاریخ و ادب کی وہ بے بہا کتابیں جن کو الگ کر دینے کے بعد عربی کا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا کچھ بول خالی ہو جاتا، صرف یورپ کی سرپرستی سے آج دنیا میں نظر آرہی ہیں، صرف یہی نہیں کہ یہ سرمایہ یورپ کی بدولت بربادی سے محفوظ رہا اور بجائے ایک کرم خوردہ نسخہ کے دنیا میں ہزاروں نسخے پیدا ہو گئے، بلکہ عربی زبان اور عربی علوم کے متعلق یورپ کی زبانوں میں جس قدر معلومات اور تحقیقات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، ان کو ہمارے علماء کے دماغوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی جگہ نہ ملی

ہوگی، عربی کی علم اللسان لغت، صرف، نحو، عروض اور قوافی کے متعلق بیسیوں کتابیں اس تحقیق اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہیں کہ اگر اس کا نصف حصہ بھی ہماری زبان میں آجائے، تو ہمیشہ بہا معلومات سے ہم مالا مال ہو جائیں۔

ڈاکٹر لائٹنر ہماری اس افسوسناک غفلت کو محسوس کر کے لکھتے ہیں کہ مسلمان ہیں تو بہت مگر وہ جانتے کیا ہے، اگر آج عربی کی کوئی عمدہ تاریخ یا کوئی عمدہ دیوان درکار ہو، تو یورپ سے مانگنا پڑے گا، ابن خلدون، ابن رشد، ابن بطوطہ، حاجی خلیفہ، ابن اثیر اور مقریزی جو اسلام میں آسمان علم کے آفتاب ہیں، یہاں ان کو کوئی جانتا بھی نہیں، تابع ثراء، امراء القیس، بکتیری اور ابو تمام کا دیوان کتنے آدمیوں نے پڑھا ہوگا، یورپ میں صدیا آدمی یہ کتابیں پڑھتے ہیں اور ترجمہ قرآن تو لاکھوں۔

ڈاکٹر لائٹنر کو تو صرف اس کا افسوس ہے، کہ اگر عربی کی کوئی عمدہ کتاب درکار ہو تو مسلمانوں کو یورپ سے مانگنا پڑے، لیکن ہمیں یہ افسوس ہے کہ مسلمانوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یورپ نے عربی کی کون کون سی نایاب کتابیں چھاپی ہیں، اور انھیں چھاپ کر ہم پر اور ہمارے علوم پر کتنا بڑا زبردست احسان کیا ہے، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مضمون کے ذریعہ علمائے اسلام کو یورپ کی ان خدمات سے واقف کریں، جن کی بدولت آج انھیں، اس امر کا موقع حاصل ہے کہ اپنے علمی ذخیرہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس مضمون کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں یہ دکھلایا ہے کہ یورپ کو عربی اور عربی علوم پر کب توجہ ہوئی اور صرف و نحو، لغت و ادب کے متعلق کون کون سی قابل ذکر کتابیں یورپ کی زبانوں میں ترتیب دی گئیں۔ دوسرے حصے میں ان کتابوں کی مفصل فہرست دی ہے، جو یورپ کی کوششوں سے چھپ کر شائع ہوئیں۔ (ابوالکلام)

یورپ کو عربی اور عربی علوم کی طرف کب توجہ ہوئی اور کیوں کر ہوئی، یہ بجائے خود ایک دلچسپ مضمون ہے، جس کے بیان کرنے کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت، صرف اس قدر

بتلانا سلسلہ مضمون کے لحاظ سے ضروری ہے کہ عربی سے یورپ کب روشناس ہوا اور کیوں کر عربی علوم و فنون مشرق سے مغرب میں منتقل ہو گئے، دنیا کے حیرت انگیز واقعات میں غالباً یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہے کہ یورپ کی شائستگی کی بنا ایک ایسی پولیٹیکل خون ریزی نے رکھی، جو دنیا کا سب سے زیادہ نقصان کرنے والی جنگ تسلیم کی گئی ہے، گیارہویں صدی عیسوی میں جب کہ مسلمان ترقی کے انتہائی درجہ تک پہنچ چکے تھے، یورپ میں ہر طرف تاریکی تھی، لیکن صلیبی لڑائیوں نے یکا یک یورپ کو موقع دیا کہ مسلمانوں کی شائستگی کا مطالعہ کرے، بیت المقدس اور انطاکیہ میں جب رومی سلطنت قائم ہوئی، اور مسلمانوں سے ملنے جلنے کے ذرائع وسعت کے ساتھ پیدا ہو گئے، تو یورپ کی آنکھیں کھلیں اور مسلمانوں کی شائستگی کا اسے پہلا تجربہ ہوا، شام میں قسمت آزمائی کرنے کے بعد جب یورپ کے جانباظوں نے مغرب کا رخ کیا تو یہ اثر بھی اپنے ساتھ لے گئے کہ مسلمان علمی و عملی ترقیات کے دنیا میں اکیلے مخزن ہیں اور تہذیب و شائستگی کا سرچشمہ اسلامی دنیا کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔

اس اثر کا یہ نتیجہ ہوا کہ یورپ میں مسلمانوں کی ترقی اور شائستگی پر عام توجہ پیدا ہو گئی اور یہ توجہ برابر بڑھتی گئی، کیوں کہ صلیبی حملوں کی بدولت بار بار یورپ کا اسلامی ممالک میں گذر ہوا اور ہر مرتبہ مسلمانوں کی علمی ترقی کے حیرت انگیز آثار نظر آئے، اس لئے ایک طرف تو یورپ نے مسلمانوں کی تباہی کا بیڑہ اٹھایا، اور دوسری طرف اپنے حریف کی شاگردی پر آمادہ ہو گیا۔

اس ذکر میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں یورپ میں عام تعلیم نہ تھی، اور لاطینی و یونانی زبانوں کی تعلیم پادریوں اور اراکین سلطنت کے لئے مخصوص تھی، اس لئے مغرب سے مشرق کی طرف جس گروہ کا علمی تلاش میں اول قدم اٹھا، وہ مذہبی پیشواؤں کا مقدس گروہ تھا، حیرت یہ ہے کہ یہی گروہ آگے چل کر الحاد اور بے دینی کے پریشاں خواب دیکھنے لگا اور اسلامی فلسفہ کی اشاعت اس کی تعبیر بتلائی گئی، حالانکہ ابتداء میں اشاعت کا ذریعہ بھی یہی نادان گروہ ہوا۔

گیارہویں صدی کے اوائل سے مسلمانوں کے علوم و فنون پر یورپ کو توجہ ہوئی، اور چودہویں صدی کے اواخر تک فلسفہ کی تمام کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئیں<sup>(۱)</sup>، ابتدا میں متعدد محکمے قائم کئے گئے کہ لاطینی داں یہودیوں کی مدد سے فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کی جائیں، پھر یورپ اکثر منڈس پنجم کے حکم سے عربی اور دیگر مشرقی زبانوں کی تحصیل کے لئے یورپ سے نوجوان طلبہ

اندلس روانہ کئے گئے (۱) ، اندلس میں چونکہ خود عیسائی اور یہودی فلسفہ میں مسلمانوں کے شاگرد شہید تھے، اس لئے یورپ کے طلبہ ان کی اعانت سے فائدہ اٹھا کر بہت جلد عربی اور عبرانی میں قابلیہ حاصل کر لیتے، اور فارغ التحصیل ہو کر علمی کتابوں کے ترجموں میں مشغول ہو جاتے (۲) ، جن لوگوں نے یورپ کے مختلف حصوں سے اندلس کا سفر کیا اور عربی زبان سے واقفیت پیدا کر کے علمی تراجم میں مشغول ہوئے ان کے نام آج تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں، ان میں بہت سے طالب علم ایسے ہیں، جنہوں نے طلب علم میں حب الوطنی کے تقید سے خود کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر لیا اور ساری عمر طلیطہ کے پرائیویٹ مدرسوں اور قرطبہ کے دارالعلوموں میں صرف کر دی، کچھ طالب علم ایسے ہیں جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد مشرق کے ممتاز ملکوں کی خاک چھانٹتے پھرے اور ایک عرصہ کی تلاش و تحقیق کے بعد جب مرز میں مغرب میں قدم رکھا تو اسلامی علوم و فنون کی معلومات سے ان کا سنا دماغ لہر بڑھا۔ بارڈین کریمون اس زمانہ کا مشہور طلبہ اور بیعت والا ہے، یہ اپنے وطن اٹلی سے نکل کر محض عربی کے شوق میں طلیطہ پہنچا اور ایک عرصہ کی اقامت کے بعد جب کافی واقفیت حاصل کر لی تو متعدد کتابوں کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔

پیٹرز مارٹ ایک فرانسیسی راہب تھا، جس کو جغرافیہ کا شرقی ذہن کی بنا پر اس وقت میں

اندلس کا سفر کیا، افریقہ کی خاک چھانی اور مدرت کی آوارہ گردی کے بعد مسلمانوں سے اس نام حاصل کیا۔

ڈنیل مارلی اور پیٹرز ما کر۔۔۔ اسی طرح اندلس کا سفر کر کے عربی زبان سے واقفیت پیدا

کی آخر الذکر نے قرآن شریف کا لاطینی ترجمہ بھی کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بھی لاطینی میں ترتیب دی (۳) ، ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کے نام تاریخ میں پائے جاتے

ہیں، جن میں سے بعض کے ترجمے اور تفسیلات اس وقت تک یورپ میں موجود ہیں (۴) ، ان کوششوں نے یورپ کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے علوم سے واقف کر دیا اور اسلامی فلسفہ کے عام طور پر مقبولیت حاصل کر لی۔

لیکن چونکہ یورپ میں اس وقت تک عربی زبان کی کوئی ایسا بلدر نہ تھا کہ اس سے

عربی زبان سے وہی خوش قسمت اشخاص واقفیت حاصل کر سکتے تھے، جن میں مشرقی ممالک کے سفر اور وہاں کے کثیر اخراجات اور وقتوں کے گتھن ہونے کی طاقت تھی، لیکن ابوریس صدیقی سے

(۱) سیاحۃ المعارف ص ۲۹، ۳۱ (۲) ایضاً (۳) ایضاً ص ۳۰ (۴) ایضاً ص ۲۹

عربی زبان کی باضابطہ تعلیم خود یورپ میں شروع ہو گئی، ۱۶۲۲ء میں پندرہویں گری گورس پوپ نے روم میں ایک انجمن قائم کی، جس کا مقصد اگرچہ مسیحی عقائد کی اشاعت تھا، مگر اس کے قیام سے بہت بڑا ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ عربی زبان کی تعلیم پر یورپ کی توجہ ہو گئی، اس کے بعد ہی ۱۶۲۷ء میں خاص پوپ اریانس کے حکم سے اس انجمن کے متعلق مشرقی زبانوں کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا تاکہ نوجوان پادری مشرقی زبانوں کی تعلیم پا کر اشاعت مذہب کی غرض سے باہر جاسکیں، اس مدرسہ میں خاص طور پر عربی و سریانی زبانوں کے پروفیسر مشرقی ممالک سے بلا کر مقرر کئے گئے تھے، عربی کتابیں پہلے پہل دنیا میں اسی مدرسہ کی بدولت چھپ کر شائع ہوئیں، تعلیم کے لئے ضرورت ہوئی کہ صرف و نحو اور ادب کی کتابیں بکثرت مہیا ہوں، اس لئے چند رسالے خود پروفیسروں نے لکھے، اور کچھ کتابیں قدیم زمانہ کی لکھی ہوئی دستیاب کیں اور انھیں اہتمام سے طبع کرنا شروع کیا۔

**صرف و نحو عربی کی کتابیں جو یورپ میں لکھی گئیں** | اس انجمن نے عربی کے لئے

جو کچھ کیا، وہ درحقیقت ایک مذہبی کام تھا، لیکن اسی زمانہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے، جنہوں نے محض ذاتی کوشش اور مذاق سے عربی زبان میں قابلیت بہم پہنچائی، اور پھر صرف و نحو اور ادب و لغت کی کتابیں لکھ کر یورپ میں اس مذاق کو عام کیا، ان لوگوں میں پہلا شخص آر۔ پی۔ نیونامی ایک عالم ہے، جو ہالینڈ کا باشندہ تھا، مشرقی زبانوں کے شوق میں وطن سے نکل کر دور دراز ملکوں کی سیاحت کی اور متعدد زبانوں کو حاصل کر کے ۱۶۱۳ء میں ہالینڈ واپس آیا، ہالینڈ میں چونکہ اس کی قابلیت کی شہرت پیشتر ہی سے ہو چکی تھی، اس لئے ہالینڈ پہنچتے ہی لیڈن یونیورسٹی کا پروفیسر ہو گیا، اس کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہالینڈ کے مدرسوں میں عربی زبان کی تعلیم داخل ہو گئی اور صرف و نحو عربی میں سب سے پہلے ایک رسالہ ترتیب دیا۔<sup>(۱)</sup>

آر۔ پی۔ نیو کے بعد لافن دارزن نامی ایک شخص نے عربی کی طرف خاص توجہ کی، یہ عالم ۱۶۱۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۶۵ء میں وفات پائی، ۱۶۳۰ء میں مشرقی ممالک کا سفر کر کے عربی کی نادر کتابیں جمع کیں اور لیڈن یونیورسٹی کے کتب خانہ میں داخل کر دیں۔

سترہویں صدی کے اواخر تک اسی طرح خاص خاص لوگوں کی کوشش سے عربی لٹریچر کا

(۱) سال ولادت ۱۵۸۴ء اور وفات ۱۶۴۶ء ہے، صرف و نحو کے علاوہ اور تصنیفات حسب ذیل ہیں عربی تعلیم کا ابتدائی رسالہ، عربی اور عبرانی کا باہمی تعلق، عہد جدید کا عربی میں ترجمہ۔ چند کتابوں کا عربی سے لاطینی میں بھی ترجمہ کیا، لیکن ان کا شہرتی حال معلوم نہیں۔

مذاق ترقی کرتا رہا، لیکن اٹھارہویں صدی کے اوائل سے یورپ میں عربی کا وہ نیا دور شروع ہوا جس نے موجودہ زمانے کی عظیم الشان توجہ کی بنیاد رکھی، اس دور کا افتتاح ایک فرانسیسی عالم پرہ فیسر سل و سٹر کی تصنیفات سے ہوا، جو نہ صرف عربی کا ماہر تھا، بلکہ مشرق کی دیگر مشہور زبانوں میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا، علاوہ اور تصنیفات کے اس کی ایک قابل قدر تصنیف عربی کی مبسوط صرف و نحو ہے، جس کی دو ضخیم جلدیں ۱۸۱۰ء میں چھپ کر شائع ہوئیں، اس کتاب میں مصنف نے ایک مفید التزام یہ کیا ہے کہ جن جن صرفی و نحوی مسائل کو لکھا ہے، ان کے متعلق بطور شواہد کے عربی اشعار بھی پیش کر دئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) اس کا پورا نام ان لو ان آیزک میل و سٹو دے ساسی ہے، بچپن میں صحت کی حالت اچھی نہ تھی، اس لئے ابتدائی تعلیم ایک پرائیویٹ استاد سے حاصل کی، باوجود اس کے ذہن اس قدر تیز تھا کہ کم عمر ہی ہی میں یونانی اور لاطینی میں کافی لیاقت پیدا کر لی، بارہ برس کی عمر میں ایک فاضل راہب کی ملاقات ہوئی، جس کا نام لے۔ئی۔ ڈیگ۔ ٹائین تھا، اس راہب کی صحبت سے مشرقی زبانوں کا شوق پیدا ہوا، اور اس برس لی مہنت اور مطالعہ سے مشرق کی سہات مشہور زبانوں میں غیر معمولی قابلیت حاصل کر لی، ۱۷۸۰ء میں جب کہ اس کی عمر صرف ۳۰ برس کی تھی، انجیل کے بعض قیمتی مسائل کا پتہ لگایا اور ۱۷۸۵ء میں اکاڈمی آف انس کرپ شن (یعنی قدیم کتبہ جات کی انجمن) کو دو قابل قدر یادگاریں نذر دیں، ان دو کارناموں نے اس کی شہرت دور دور تک پہنچادی، اور یورپ کی تمام علمی انجمنیں اس کی قدر دانی کے لئے آمادہ ہو گئیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ فرانس میں ہر طرف پولیٹیکل بے چینیاں پیدا ہوئی تھیں، اور عنقریب بغاوت کی آگ مشتعل ہونے والی تھی، ۱۸۰۰ء میں یکا یک یہ آگ بھڑکی اور فرانس میں انقلاب ہو گیا، اس بے اطمینانی کے زمانہ میں وہ مشرقی لٹریچر کی بعض اہم تحقیقات میں مشغول تھا، کچھ عرصہ کی خون ریزی کے بعد جب دوبارہ بادشاہت قائم ہوئی، تو گورنمنٹ کی طرف سے اس کی خاص طور پر قدر دانی کی گئی، اور جینیوا بھیجا گیا تاکہ ان مشرقی نسخوں کا مطالعہ کرے، جو اس شہر میں محفوظ تھے، ۱۸۰۶ء میں جینیوا سے واپس آیا، اور اپنی تحقیقات کی رپورٹ اکاڈمی میں پیش کی، پھر ۱۸۰۸ء میں فارسی لٹریچر کا پروفیسر مقرر کیا گیا اور نیپولین اول شاہ فرانس نے بیرن کے عہدہ پر سرفراز کیا، اس عرصہ میں فرانس کی پولیٹیکل حالت میں دوبارہ انقلاب شروع ہوا، اور ۱۸۱۱ء میں بادشاہت کا خاتمہ ہو کر نئے سرے سے یورپ قائم ہوئی، اس زمانہ سے دے ساسی کی نئی زندگی شروع ہوتی ہے، اول درشتہ عہدہ کی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا، پھر ایشیا تک سوسائٹی پیرس کا پریزیڈنٹ منتخب ہوا، یہ ایک ایسی مجلس جماعت تھی، جس کی بالذات بھی وہ بہت کچھ مدد کیا کرتا تھا، دی فلپ کے عہد میں شاہی توجہ پھر مینا لوسا ہوئی اور شاہی کتب خانہ کے مشرقی حصہ کا محافظ اور اکاڈمی آف انس کرپ شن کا لائف سکریٹری مقرر کیا گیا، ان ہمت رکھنے والوں نے جملہ دیگر کتابوں کے عربی صرف و نحو پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو پندرہ سال کی مسلسل مہنت کا نتیجہ ہے، اس کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اسی کی کوششوں سے پیرس میں اردو سنسکرت اور چینی زبانوں کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی کی تجویز و ہدایت سے روس اور جرمنی میں مشرقی زبانوں کی تعلیم شروع ہوئی، سال ولادت ۱۷۸۵ء اور سال وفات ۱۸۳۸ء، صرف و نحو کے علاوہ دیگر تصنیفات حسب ذیل ہیں، تذکرہ شعرائے ہنم (بقیہ صفحہ ۱۶۶ پر)

اس دور میں چند اسباب ایسے جمع ہو گئے، جن سے عربی پر یورپ کو غیر معمولی توجہ ہوئی، منجملہ ان کے ایک بڑا سبب انگریزوں کا ہندوستان پر تسلط ہے اگرچہ مسلمانان ہند کا یہ زمانہ انحطاط تھا، مگر پھر بھی عربی تعلیم کا مذاق عام طور پر موجود تھا، یہاں تک کہ لکھنؤ اور دہلی کے جو علماء آج زیادہ مشہور ہیں وہ اسی آخری دور کی یادگار ہیں، اس لئے انگریزوں کو بھی عربی پر توجہ ہوئی، اس توجہ سے جو مفید نتائج پیدا ہوئے، ان میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور بمبئی کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، لیکن اس کا مفصل بیان آگے آئے گا، یہاں اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ انگریز بھی فرانسیسیوں کے ساتھ اس دور میں برابر کے شریک رہے، مشہور انگریزی عالم لمدن<sup>(۱)</sup> نے کلکتہ میں چند مولویوں کی مدد سے ایک عمدہ کتاب صرف و نحو پر لکھ کر ۱۸۱۳ء میں شائع کی، اسی طرح کلکتہ میں دو اور رسالے اسی زمانہ کے قریب قریب شائع ہوئے، جن میں سے ایک رسالہ میں عربی کی چھوٹی بڑی حکایتیں جمع کی تھی، اور دوسرے رسالہ میں الف لیلہ کے تیسرے حصہ کا انتخاب اور ترجمہ تھا<sup>(۲)</sup>، اس دور میں صرف و نحو کی تین کتابیں اور قابل ذکر لکھی گئیں۔

۱۔ علامہ ای والد جرنی کی صرف و نحو عربی، ۱۸۳۱ء سے ۱۸۳۲ء تک چھپ کر لپزگ سے شائع ہوئی۔

۲۔ علامہ کاسیری کی صرف و نحو پہلی مرتبہ ۱۸۲۸ء میں چھپ کر لپزگ سے شائع ہوئی، پھر علامہ اسٹس نے ترمیم و تہذیب کے بعد ۱۸۵۲ء میں دوبارہ شائع کیا، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ۱۸۸۷ء تک اس کے پانچ ایڈیشن نکل چکے تھے۔

۳۔ پھر ۱۸۵۹ء میں ایک انگریز عالم رائٹ نے کاسیری کی صرف و نحو کو چند مطالب بڑھا کر انگریزی ترجمہ کے ساتھ دو جلدوں میں مرتب کیا، جو لندن میں چھپ کر شائع ہوئی۔

یورپ کے علماء نے جب عربی زبان پر توجہ کی، تو ان کو صرف و نحو کی ایسی کتابوں کی تلاش ہوئی، جو ان کے لئے مفید ہوں، جب ایسی کتابیں نہیں ملیں، تو خود انہوں نے تلاش کر کے کتابیں

(صفحہ ۱۶۵ کا بقیہ) اصول عامہ صرف و نحو، اس میں مختلف مصنفین مرتب ہے۔ ہم نے اس کا انتخاب ہے، ایک عربی قصہ کا ترجمہ، قدامت فارس، مذہب دروز کے حالات، یہ آخری تصنیف ہے، اس میں شام کے ایک پراسرار مذہب کے حالات درج کئے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور نیٹل) (۱) اس کا پورا نام لمدن مستھو ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ہے، فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا عربی اور فارسی کا پروفیسر تھا، عربی کے علاوہ فارسی میں بھی اس کی ایک صرف و نحو موجود ہے، ۱۸۳۰ء میں ایسٹ انڈیا کی ملازمت ترک کر کے انگلستان آیا، اور ملٹی مشاغل میں مصروف رہا، ۱۷۰۷ء وفات ۱۸۳۵ء (۲) وقانو ولیم نامولیس، مصنفہ ساری کبیر الدین احمد مرحوم کا بیباچہ



تصنیف کیں اور آنے والے زمانہ کے لئے عربی زبان کی تعلیم کا سامان مہیا کیا، اس دور میں جتنی کتابیں لکھی گئیں، وہ اسی کوشش پر مبنی ہیں۔  
لیکن بڑا احسان جو یورپ نے عربی زبان پر کیا، وہ ان محققانہ لغتوں کی ترتیب ہے، جن کی نظیر عربی میں نہیں مل سکتی۔

یورپ نے عربی کے جو لغت ترتیب دئے | سب سے پہلا لغت جو یورپ میں شائع ہوا، جیوس نامی ایک فاضل مستشرق کی تصنیف ہے، جو اٹلی کا رہنے والا تھا، پھر علامہ جو لیس نے اس کی تقلید کی اور ۱۸۵۲ء میں اپنا عربی لغت لیڈن سے شائع کیا، یہ دونوں لغت چونکہ صرف عربی کے تھے، اس لئے علامہ مائینس نے دو نہایت ضخیم جلدوں میں شرق کی تین مشہور زبانوں عربی، فارسی، ترکی کا ایک جامع لغت تیار کیا، اور ہر لفظ کا مطلب لاطینی اور جرمن دونوں زبانوں میں درج کیا، اس لغت کا نام کنز اللغات اشرافیہ ہے، ۱۶۸۰ء میں وائنا دار السلطنت اٹلی سے چھپ کر شائع ہوا۔

اس کے بعد علامہ فرائیگ نے چار جلدوں میں اور کازی مرسکی نے فرنج میں اور باڈچر اور لین نے انگریزی میں چار لغت تیار کئے، جو ۱۸۳۷ء سے ۱۸۸۱ء تک چھپ کر شائع ہوئے، ان میں پہلا لغت یورپ میں زیادہ مشہور اور متداول ہے۔

ان سات لغتوں میں پچھلے عربی کے عام لغتوں کی طرح ہیں، جن میں کوئی خاص تحقیق یا جامعیت نہیں پائی جاتی، لیکن ساتواں لغت علامہ لین کا اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ اس مصنف نے نہایت کوشش سے عربی کے تمام قاموس جمع کئے اور انگریزی میں ایک جامع لغت تیار کیا۔

لیکن جس بے نظیر لغت نے عربی کو ہمیشہ کے لئے اپنا مرہون منت بنا لیا، وہ مشہور فرانسیسی مستشرق پروفیسر دوزی کا قاموس ہے، یعنی اضافہ لغت عربی پر، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کے کتب خانہ میں یہ لغت میری نظر سے گذرا۔ دو ضخیم جلدوں میں وہ تمام الفاظ اور مصطلحات جمع کئے ہیں، جو عربی کی کسی لغت میں نہیں ملتے، کامل پچاس برس کی محنت اور تلاش سے یہ بے نظیر لغت تیار ہوا، تاریخ و ادب اور علوم و فنون کی سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کر کے نہایت کوشش سے ان کا سراغ لگایا، اور تحقیق و تنقید کے بعد جو مفہوم ثابت ہوا، اسے لفظ بہ لفظ درج کیا، پہلی جلد کی ابتداء میں ان کتابوں کی فہرست دی ہے جن سے اس لغت کی ترتیب میں مدد لی گئی، اس کے دیکھنے سے

اس عشق کی تلاش و تحقیق کا سرسری اندازہ ہو سکتا ہے کہ کون کون سی نایاب کتابیں جمع کیں اور کس طرح ان سے مبہم اور مشکوک الفاظ کا پتہ لگایا۔

مسلمانوں نے جب اسپین فتح کر کے ایک متمدن سلطنت کی بنا ڈالی تو آٹھ سو برس کے اثر نے اسپین کی ملی زبان میں عربی کے سیکڑوں لفظ داخل کر دئے، یہ الفاظ آج بھی اسپینی زبان میں موجود ہیں، مگر اختلاف لب و لہجہ نے ان کی صورت اس طرح بدل دی ہے کہ ان کا سراغ لگانا آسان نہیں ہے، پروفیسر دوزی نے مدت کی محنت سے ایک لغت تیار کیا ہے، جس میں عربی کے وہ تمام الفاظ جمع کئے ہیں اور دکھلایا ہے کہ ان لفظوں نے موجودہ صورت کیوں کراختیاری اور عربی میں ان کی اصلی صورت کیا تھی۔

افسوس ہے کہ یہ دونوں بے نظیر لغت فرینچ میں ہیں اور ہم براہ راست ان سے فائدہ نہیں

اٹھا سکتے۔

**ادب عربی کے منتخبات** | ان کتابوں کے علاوہ ایک اور جز قابل ذکر ہے، یورپ نے عربی

علم و ادب کے نہایت مفید منتخبات ترتیب دئے ہیں اور ان منتخبات میں ادب کی بعض ان کتابوں کا انتخاب ہے، جو اس وقت تک چھپ کر شائع نہیں ہوئیں، اور یورپ کے خاص خاص کتب خانوں میں محفوظ ہیں، ان میں سے بعض منتخبات میں عربی کی قدیم شاعری کے نمونے دئے ہیں، بعض میں ضرب الامثال اور عرب کی اصطلاحات جمع کی ہیں، اس قسم کی چودہ کتابوں کے نام اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں، جن میں سے دو کتابیں بیروت میں اور باقی لندن، برلن اور پیرس وغیرہ میں چھپی ہیں۔

**لغت دارجہ کی صرف و نحو** | آج کل جو عربی عام طور پر نجد کے علاوہ تمام عرب میں مستعمل

ہے اس کو لغت دارجہ کہتے ہیں، یورپ نے دارجہ کے بھی صرف و نحو لکھے ہیں اور نہایت اہتمام سے لکھے ہیں۔

سب سے پہلے کانس نامی مستشرق نے ۱۸۷۵ء میں دارجہ کی صرف و نحو لکھی اور اسپین میں چھپ کر شائع ہوئی، پھر دو بے نے لکھ کر وائٹا سے شائع کی، اسی طرح ۱۸۹۰ء تک بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں صرف ایک کتاب مصر کے ایک مسلمان عالم کی تصنیف ہے، جو غالباً یورپ ہی کی تحریک سے لکھی گئی۔

**لغت دارجہ کے مجموعہ امثال** | صرف و نحو کے علاوہ لغت دارجہ کی ان ضرب المثلوں کو

بھی جو عام زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں، یورپ کے بعض عالموں نے نہایت کوشش سے جمع کیا ہے۔ اور عرب کے مختلف حصوں کے مجموعے الگ الگ ترتیب دئے ہیں، مثلاً علامہ لینڈ برگ سے حاصل شام کی ضرب المثلیں جمع کی ہیں، باوجود صرف تین مخطوطوں کے امثال ترتیب دئے ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ سوئین نامی ایک مصنف نے ایک جامع ”مجموعہ امثال“ ترتیب دینے سے پہلے سوئین میں عام طور پر درجہ کے تمام امثال اور حکیمانہ مقولے جمع کئے ہیں۔

امثال کے علاوہ جو قبضے اور چھوٹی چھوٹی حکایتیں عرب کے مختلف نثری آثار میں مشہور ہیں۔ اور جن سے ان کے اخلاق و عادات اور طرز معاشرت کا پتہ چل سکتا ہے، ان کے پس منظر میں نے ان کو بھی نہایت تلاش سے جمع کیا ہے، اس قسم کی نثری کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ سوئین کا مجموعہ رکازات جنس میں مسئلہ اورادین کی کتاب ہے، جو سوئین میں مضمون کی صورت میں جرمنی کے ایک اخبار میں شائع ہوا تھا۔

۲۔ بی ٹا بیک کا مجموعہ، جو ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے چھپ کر شائع ہوا۔

۳۔ لینڈ برگ کا مجموعہ، جو ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔

# مستشرقین کے متعلق دو متضاد رائیں

تلخیص و تبصرہ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (مرحوم)

اس سیاسی دور میں جب کہ ہر کام اور ہر عمل کی تہ میں کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے، مشرقیات اور اسلامیات کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے مستشرقین نے مسلمانوں کی بڑی خدمت کی، انھوں نے ساری ساری عمریں اسلامیات کی تحقیق میں صرف کر دیں، اور بڑی جانکاہ محنت اور جانی و مالی قربانی برداشت کر کے مسلمانوں کے علوم و فنون اور ان کی گذشتہ عظمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا، ان کی نادر اور نایاب کتابوں کا پتہ چلایا اور بڑی مشقت اور بڑے اخراجات برداشت کر کے انھیں حاصل کیا اور نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کیا، ان پر حواشے لکھے، ان کی شرحیں کیں، مختلف زبانوں میں ان کے تراجم شائع کئے، اسلامی موضوع پر نہایت بلند پایہ کتابیں تالیف کیں، اور اسلامی علوم و فنون کی ہر شاخ پر نہایت وسیع لٹریچر فراہم کر دیا، جو مسلمانوں سے بھی ممکن نہ تھا۔

ان کی ان اسلامی خدمات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور ان کی محنت و جانفشانی کی داد نہ دینا ظلم اور احسان فراموشی ہے، لیکن اسی کے ساتھ جہاں تک مذہب اسلام کے متعلق ان کے افکار و خیالات اور تحقیقات کا تعلق ہے، خالص اسلامی نقطہ نظر سے ان کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس لئے کہ اسلامی مسائل کے متعلق اپنی تحقیقات میں انھوں نے اب تک نیک نیتی کا کوئی ثبوت نہیں دیا ہے، یا تو وہ مشرقی روایات، مشرقی مذاق اور اسلامی ذوق و نظر سے بے گانہ ہونے کی وجہ سے اسلامیات کے سمجھنے اور اس کے پیش کرنے میں نہایت فاش غلطیاں کرتے ہیں یا عداوت اسلام کو نہایت مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں بہر حال جو صورت بھی ہو ان کی یہ غلطیاں علم و فن کی خدمت اور تحقیق و ریسرچ کے پردہ میں ہوتی ہیں، یہ زمانہ ریسرچ اور تحقیق کا ہے، اس لئے

ان سے خود مسلمانوں اور غیر قوموں میں اسلام کے متعلق سخت کمزوریاں پھیلتی ہیں بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو یونانی فلسفہ، عجمی دہریت اور ہندی خرافات، کسی سے اتنا نقصان نہیں پہونچا جتنا ان محققین کی زہر آلود تحریروں سے پہونچتا ہے، جس کے مظاہر آئے دن آج کل کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں نظر آتے ہیں، اس لئے مذہب اسلام کے متعلق ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے۔

ہندوستان کی طرح مصر میں بھی مستشرقین کے بارے میں دو متضاد رائیں ہیں، ایک جماعت ان کی علمی شہرت سے مرعوب ہو کر ان کی ہر جنبش قلم کو بلا چوں و چرا مان لیتی ہے، اور دوسری جوان کی زہر چکانیوں سے واقف ہے وہ ان کی تحریروں کو ناقدا نہ نظر سے دیکھتی ہے، حال میں مصر کے دو ممتاز اہل قلم ڈاکٹر حسین ہراوی اور ڈاکٹر ذی مبارک نے علی الترتیب مستشرقین کی مخالفت اور موافقت میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ اصحاب اور اہل علم بھی اس مسئلہ کی اہمیت سے واقف ہوں حسین ہراوی لکھتے ہیں کہ

**مستشرقین سے فائدہ سے زیادہ، نقصان پہونچتا ہے** | جب ہم یورپین زبانوں

کی کسی ایسی تالیف پر نظر ڈالتے ہیں جس میں مشرق یا اسلام کے اجتماعی یا عمرانی موضوع پر مباحث ہوں تو ہم کو بہت سی خلاف عقل و قیاس باتیں نظر آتی ہیں، خصوصاً ان کتابوں میں جو مذہب اسلام پر ہیں، ان میں نہ صرف خلاف حقیقت اور خلاف عقل و قیاس باتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان میں اسلام کی ایسی عجیب و غریب اور بھیانک تصویر پیش کی جاتی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا ہے، مشرقی آدمی اس کی یہ تاویل کر لیتا ہے کہ یہ غلطی مشرق کے حالات اور یہاں کے عادات و خصائل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور مسلمان اسلام کی بھیانک تصویر دیکھ کر چیخ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔

میں نے یہ رائے ان یورپین تصنیفات کو پڑھ کر قائم کی ہے جن سے بیک نظر ظاہر ہو جاتا ہے کہ لکھنے والے کو عموماً مشرق اور خصوصاً اسلام کی حقیقت سے مطلق واقفیت نہیں ہے، مثلاً: مارشل اپنی کتاب ”شادی“ میں لکھتا ہے کہ مصر میں اسلامی پردہ کا یہ اثر ہے کہ وہاں چودہ سال کی عمر کے بعد ماں بھی اپنی لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی، یا اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر ہے کہ ریونی مصر کی لڑکی اپنے چہرہ کے علاوہ باقی جسم کے تمام حصوں کو مردوں کے سامنے عریاں کر سکتی ہے، یا کتاب ”شادی اور وراثت کی نسبت“ میں ہے کہ اسلام نے پردہ اور تعدد ازواج کے حکم سے تمدن پر ایک کاری ضرب لگائی ہے، یا اسی کتاب میں ایک اور مقام پر ہے کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کھنٹس ایک زن پرست آدمی تھے، ان خیالات اور علمی ریسرچ سے لکھنے والے کی نسبت صاف ظاہر ہے کہ وہ حق و انصاف کو پامال کر کے محض اسلام کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔

یورپین مصنفات کی یہ خوبی ہے کہ اس ماخذوں کے حوالے بھی دے دئے جاتے ہیں، جب میں اصل ماخذ کی طرف رجوع کرتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ماخذ محض مستشرقین کے دماغ ہیں۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ یورپین زبانوں میں عام خاص تاریخوں اور مختلف قوموں اور ان کے علمی کارناموں پر نہایت عمدہ کتابیں ہیں، میں نے کتابیں دیکھی ہیں، ان میں دیکھنے والے کو ایک خاص بات نہایت نمایاں نظر آتی ہے جب تک وہ قدیم و جدید تاریخ مثلاً مصر قدیم اور اس کے آثار اور عراق اور اس کی گذشتہ عظمت وغیرہ پر لکھتے ہیں اس وقت تک نہایت محققانہ لکھتے ہیں، لیکن جب اسلامی مباحث یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم بہک جاتا ہے، اور وہ نہایت لغو، بھلی، ذلیل، رازیک بلکہ جھوٹ باتیں تک لکھ جاتے ہیں، مثلاً ان کا قلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ فتوہ بالندوہ جنگی مذہب کے بانی تھے اور ان کو انسانی فضائل سے کوئی علاقہ نہیں، بلکہ اس سے کئی زیادہ خرافات تک جاتے ہیں۔

مشہور پروفیسر مارگولیتھ جو یورپ میں اسلامیات کے امام فن مانے جاتے ہیں، اور آکسفورڈ میں اسلامیات کا درس دیتے ہیں، اپنی کتاب ”تاریخ العالم“ میں یہ نادر تحقیق پیش کرتے ہیں کہ محمد عبد اللہ کے بیٹے ہیں اور عبد اللہ عرب میں اس لڑکے کہا جاتا تھا، جس کا باپ لا معلوم ہو، بہت ممکن ہے کہ محمد کے باپ کا نام عبد اللہ بھی اسی وجہ سے پڑا ہو، اگر کوئی معمولی مستشرق اس قسم کی بیہودہ بات کہتا تو قابل درگزر رہتا، لیکن یہ اس شخص کی تحقیق ہے جو یورپ میں عربی کا سب سے بڑا ماہر ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کو لیجئے، جہاں تک عام تاریخ اسلام کا تعلق ہے، اس میں تمام چھوٹے بڑے مسائل پر نہایت تاریخی استقصاء کے ساتھ بحث ہے، لیکن اسی محققانہ کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہایت دل شکن اور تکلیف دہ باتیں درج ہیں، اس کی کیا تاویل کی جاسکتی ہے۔

”لجنہ العمل العربی“ کی تقریروں کے مجموعے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمیٹی سیاسی استعمار کا ایک دام ہے، جس کا کام مستشرقین کے ذریعہ سے مشرق میں استعمار کی جڑیں مضبوط کرنا ہے، چنانچہ یہ کمیٹی مشرق میں اسلام کے مقابلہ کے گرتاتی ہے، اور مستشرقین ان پوشیدہ تقریروں کو جن میں اسلام کے مقابلہ کی صورتیں بتائی جاتی ہیں، غیر ملکوں میں اپنی حکومتوں کے پاس بھیجتے ہیں،

چونکہ اسلام استعمار کے خلاف ایک زبردست تعلیم ہے، اس لئے اسلام کو کمزور کرنے کے لئے یہ چال چلی جاتی ہے کہ شمالی افریقہ اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جہاں کی مادری زبان عربی ہے، عربی کی اہمیت گھٹا کر وہاں کے باشندوں کو مقامی زبانوں کے زندہ کرنے کے دام میں پھنسا یا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر عربی زبان بھول جائیں اور قرآن کے سمجھنے والے باقی نہ رہیں، اس وقت ان کے خیالات اور رجحانات کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔ (جیسا کہ آج کل ہندوستان میں ہو رہا ہے اور اس کے مذموم نتائج بھی نکل رہے ہیں)۔

یہ تقریر جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، یورپین مصنفات کی طرح اسلام کے متعلق خرافات کا ایک زہر چکال مجموعہ تھی، مجھے یورپ کے قیام کے زمانہ میں یورپین اشخاص سے اسلام پر گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ ابتداء سے ان کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے جس میں شروع ہی سے اسلام سے نفرت اور مسلمانوں کی تحقیر سکھائی جاتی ہے، تاکہ نہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو سکیں اور نہ مسلمانوں سے مل سکیں۔

مشرق والوں کو مستشرقین سے کسی خیر خواہی اور ہمدردی کی توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ سانچے ہی مشرق کے مفاد کے خلاف ہیں جن میں مستشرقین ڈھالے جاتے ہیں، یورپ کی یونیورسٹیوں میں خاص اغراض و مقاصد کے ماتحت طلبہ کو مشرقی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے، ان میں جو طلبہ پڑھتے ہیں، انھیں مشرق سے نہ کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے اور نہ مشرقی زبانوں سے کوئی محبت اور انسیت ہوتی ہے، بلکہ وہ اجنبی طلبہ ہوتے ہیں، جنھیں استعماری مشین چلانے کے لئے ان ہی اصولوں پر ڈھالا جاتا ہے جس سے وہ استعماری مشین کا پرزہ بن سکیں اور اس کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے کہ ان کی قومی عصبیت ضائع نہ ہونے پائے، تاکہ وہ مشرق میں جا کر مشرق یا اسلام کی طرف مائل نہ ہو سکیں، ایسی صورت میں ان سے جن میں بعض آگے چل کر مستشرقین کے زمرہ میں آجاتے ہیں، یا ان کے اساتذہ سے جو بڑے بڑے مستشرقین ہوتے ہیں، مشرق یا اسلام کے ساتھ انصاف کی توقع رکھنا بے کار ہے، مستشرقین خواہ یونیورسٹی کے احاطہ میں استاذ کے لباس میں ہوں یا باہر مصنف کی شکل میں، اپنے اصل مقصد کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔

مستشرقین نے اسلام کے خلاف زہر پھیلانے کے لئے یہ ٹیب فریب دہ طریقہ نکالا ہے کہ جب تک وہ اسلامی تاریخ پر بحث کریں گے اس وقت تک خالص مورخ رہیں گے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، مذہب اسلام یا قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہمیشہ مخالفانہ

لکھیں گے کہ دوسرے اس کو پڑھ کر اسلام سے خوفزدہ ہوں، اسلامی مباحث پر لکھنے میں وہ علمی دیانت اور تحقیقی اصول کو بھول جاتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے ذہن میں ایک نظریہ یا ایک خیال فرض کرتے ہیں، اس کے بعد اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں، اگر قرآن میں کوئی ایسی شے مل گئی جو ان کے خیال میں ان کے مفید مطلب ہے، یا اسے کھینچ تان کر اپنے مقصد کے مطابق بنا سکتے ہیں تو فوراً اسے لے لیتے ہیں، اور اگر قرآن ان کے مقصد کے معارض پڑتا ہے تو اسے نظر انداز کر کے کہہ دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے ہی نہیں، یہ تنہا میرا سوئے ظن نہیں ہے بلکہ اس کے ثبوت میں واقعات موجود ہیں، اس موقع پر مشتمل نمونہ از خروارے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

مثلاً انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے چیف ایڈیٹر موسیو وینسک جو یورپ میں اسلامیات کے بڑے تبحر عالم مانے جاتے ہیں، اور جن کی رائے اسلامی مباحث پر فیصلہ کا حکم رکھتی ہے، حضرت ابراہیم اور کعبہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”اگر نگر پہلا وہ شخص ہے جس کا ذہن سب سے پہلے ادھر منتقل ہوا کہ قرآن میں ابراہیم کی شخصیت بانی کعبہ کی حیثیت حاصل کرنے سے پہلے کئی دوروں سے گذر چکی ہے، اسپرنگر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے اور آئندہ اس موضوع پر لکھنے والے مستشرق کے لئے ایک معمولی سی بنیاد ڈال دی، اس کے بعد ستو عمر گودینے نے اتنا سہارا پیا کہ ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر دی اور یہ دعویٰ کر دیا کہ قرآن کی ان سورتوں میں جو پہلے نازل ہوئیں ہیں یا کئی سورتوں میں (مثلاً: ذاریات آیت ۲۲، حجر آیت ۵۰، صافات آیت ۸۱، النعام آیت ۷۴ اور مریم آیت ۲۲) میں حضرت ابراہیم کی حیثیت محض ایک رسول کی ہے جو دوسرے انبیاء و رسل کی طرح اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، ان سورتوں میں اسمعیل کے ساتھ ابراہیم کے کسی تعلق کا بھی ذکر نہیں ہے، اسی ضمن میں ہمارا مستشرق باتوں باتوں میں اشارۃ عرب میں رسول کی بعثت سے بھی انکار کر جاتا ہے اور ثبوت میں (سجدہ آیت ۲، سبأ آیت ۲۳ اور یسین آیت ۵) پیش کر کے کہتا ہے کہ آیات میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ہے کہ ابراہیم کعبہ کے معمار یا پہلے مسلمان تھے۔

لیکن مدنی سورتوں میں یہ حالت بدل جاتی ہے اور ابراہیم حنیف مسلم اور ملت ابراہیمی کے بانی ہو جاتے ہیں جنہوں نے اسمعیل کے ساتھ خانہ کعبہ کو بنایا، جیسا کہ (بقرہ آیت ۱۲۸ الخ اور آل عمران آیت ۸۰ الخ) سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان منفرہ ضد مقدمات کے بعد پھر یہ نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ ”اس اختلاف کا راز یہ معلوم



ہوتا ہے کہ محمدؐ نے ابتداءً مکہ میں یہودیوں پر اعتماد کیا تھا، لیکن انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمدؐ کے خیالات کو دشمنی پر محمول کیا، اس سے محمدؐ کو کسی دوسرے مددگار کی ضرورت پیش آئی، اس وقت ان کی ذکاوت اور عقل سلیم نے ابو العرب ابراہیم کی ایک نئی شان کی جانب توجہ دلائی جس کے وسیلہ سے ان کو اس زمانہ کی یہودیت سے گلو خلاصی حاصل کر کے ابراہیم کی یہودیت سے جو اسلام کو منشا اور مولد ہے، رشتہ جوڑنا آسان ہو گیا اور جب مکہ والوں نے ان کے پیغمبرانہ خیالات کو قبول کرنا شروع کر دیا، اس وقت ابراہیم اس مقدس شہر کے مقدس گھر کے بانی ہو گئے۔

وینسک کے ان خیالات کو پڑھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے، اور اس نے اس تحقیق میں استقصاء کے ساتھ قرآن کی ایک ایک آیت کو پڑھ کر یہ رائے قائم کی ہے۔ لیکن اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اس نے اس دعویٰ میں انتہائی خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے، اور اس کو بصرہ سے اس کا مقصد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب ہے، اور اس زعم میں یہ آیات قرآنی اس کا ثبوت ہیں۔

وہ نہایت بے باکی کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے کہ مکی سورتوں میں ابراہیم کا ذکر معمار کعبہ کی حیثیت سے اور اسماعیل کے ساتھ ان کے کسی تعلق کا ذکر نہیں ہے اور مدنی سورتوں سے ملت ابراہیم کا ذکر شروع ہوتا ہے، لیکن یہ تینوں دعوے سراسر جھوٹ ہیں۔

سورۃ ابراہیم خود مکی ہے، جس میں نہایت واضح طور پر کعبہ اور ابراہیم اور اسماعیل کے تعلق

کا تذکرہ موجود ہے۔

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد بے کھیتی والی وادی میں تیرے معزز گھر کے پاس بسائی ہے تاکہ وہ نمازیں پڑھیں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے، تاکہ یہ تیرا شکر ادا کریں، اے ہمارے رب! جو کچھ ہم چھپائے ہیں اور جو آشکارا کر کے ہیں اس کو تو جانتا ہے اور اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔ اور زمین میں نہ آسمان میں، خدا کا شکر ہے،

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ  
غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ  
رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْنِدَةً  
مَنْ النَّاسِ تَهْوَى إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ  
مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ رَبَّنَا  
إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ  
وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي  
الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ الْحَمْدُ  
لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي الْكِبَرُ

اسْمَعِيلَ وَاسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعٌ  
الدُّعَاۗءِ (ابراہیم: ۶)

جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور  
اسحاق دئے، میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔

اسی طریقہ سے سورہ انعام اور سورہ نحل میں جو کئی ہیں، ملت ابراہیم کا تذکرہ ہے،  
سورہ انعام میں ہے:

قُلْ اَنْسِيْ هٰذَانِيْ رَبِّيْ اِسِيْ صِرَاطِ  
مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنَا قِيْمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ  
خَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ  
(انعام: ۲)

(۱۔ پیغمبر!) لوگوں سے کہہ دو کہ  
میرے رب نے مجھ کو سید ہمارا راستہ دکھا دیا  
سے اور وہی ٹھیک دین ہے جو ابراہیم کا  
دین ہے، جو ایک خدا کے ہو کر رہے تھے  
اور مشرکین میں نہ تھے۔

اور سورہ نحل میں ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ  
اِبْرٰهِيْمَ خَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ  
الْمُشْرِكِيْنَ (نحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملت  
ابراہیم کی پیروی کرو، جو ایک خدا کے  
ہو رہے تھے، اور مشرکین میں نہ تھے۔

ان صریح آیات کے بعد وینسک کے دعویٰ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین  
اسلامی موضوع پر لکھنے میں علمی دیانت سے کام نہیں لیتے، اور جہاں مذہبی ماخذ ان کے مقصد کے  
خلاف پڑتے فوراً اس سے انکار کر جاتے ہیں، جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہے، تنہا صرف ایک  
ہی واقعہ میں یہ حالت نہیں ہے، بلکہ وہ عموماً خیانت اور بددیانتی سے کام لیتے ہیں۔

یہ بھی عجیب نادانی کی بات ہے کہ مستشرقین اسلام یعنی ملت ابراہیم کو جس یہودیت سے  
ماخوذ بتاتے ہیں، وہ حضرت ابراہیم کی نسل کے بہت بعد کے ایک شخص یہوداہ کی جانب منسوب  
سے جن کا زمانہ حضرت ابراہیم سے سینکڑوں برس بعد ہے، ایسی حالت میں ایک چیز اپنے صدیوں  
بعد کی پیدا شدہ چیز سے کسی طرح ماخوذ ہو سکتی ہے، تعجب ہے کہ اس قسم کے خرافات اور واضح غلط  
بیانیوں کے بعد لوگ مستشرقین کی تحقیقات کو وحی سمجھتے ہیں، ان کی باتوں پر تو ایک لمحہ کے لئے اعتماد  
نہ کرنا چاہئے۔

اوپر کا بیان ڈاکٹر حسن بروای کی خیالات کا خلاصہ ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارکی جن کی رائے  
میں مستشرقین سے فائدہ زیادہ ہو چکا ہے، اپنی رائے کی تائید میں یہ دلائل پیش کرتے ہیں:

## مستشرقین سے نقصان سے زیادہ فائدہ ہو چکتا ہے

مستشرقین کی جماعت ایک

فاضل اور باکمال جماعت ہے، ان کے ساتھ ہمیں تعلق قائم رکھنا چاہئے اور ان سے تعاون کرنا چاہئے، جو لوگ ان سے علمی اور ادبی تعلقات قائم نہ رکھنے کی دعوت دیتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مستشرقین مستعمرین کی فوج کا طبعہ ہیں، لیکن بالفرض اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے تو استعماری نفسہ کون سا حرم ہے، اور وہ اگر کوئی مضر اور قابل نفرت شے ہے تو اس کے سردار کو یہ طریقہ تو نہیں کہ ہم مستعمرین کے محض دشمن بن جائیں اور ان سے ہر طرح کے روابط و تعلقات منقطع کر لیں، بلکہ ہمیں اس کی مضرتوں کے روکنے کے مناسب وسائل اختیار کر لے چاہئیں اور استعمار کے تدارک کے لیے مستعمرین کے علوم و فنون اور ان کے ادارہ کار کا پتہ لگانا چاہئے جن کے ذریعہ وہ ہم پر وار کرتے ہیں، اور استعمار کا دام بچھاتے ہیں، میرے نزدیک جو شخص اس کی رحمت گوارا نہیں کرتا اور انہیں ناقابل التفات سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے وہ اپنا اور اپنی قوم دونوں کا دشمن ہے اس لئے کہ ان کے لٹریچر اور خیالات سے ناواقفیت اور ان کے اغراض و مقاصد کے سردار سے غفلت و بے پروائی کرنا ان کے مقاصد کو پورا کرنا اور انہیں غفلت میں دام ڈالنے کی جرأت دلانا ہے۔

یہ بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے کہ سارے کے سارے مستشرقین دام استعمار کا حلقہ ہیں اور وہ ساری عمر اسی کارخیر میں صرف کر دیتے ہیں، مستشرقیت کی ابتداء اس لئے ہوئی تاکہ یورپین نوجوانوں کو ایسے کاموں کی ترغیب دلائی جائے جس کے وسیلے سے وہ نوآبادیات میں زندگی بسر کر سکیں، اور اس غرض کے لئے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں میں عمرانی و فاری وغیرہ بڑی بڑی زندہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لئے خاص درسگاہیں قائم کی گئیں جن کے تعلیم پائے ہوئے اسٹوڈنٹس، تراجم کے دفتر اور بعض درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ایسے شعبوں میں نکل جاتی ہے جو معاش کے لئے مفید ہوں، اور بہت کم روزی نعدا مشرقی زبانوں کے آداب کے درس و مطالعہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرتی ہے، اس شرف و منزلت میں آئندہ پلڑے بڑے بڑے علماء پیدا ہوتے ہیں، جو ایک عمر کی مشقت اور جدوجہد کے بعد صحیح معنوں میں عالم کجوانہ کے مستحق ہوتے ہیں، ان کے علمی مذاق کی وجہ سے استعمار کی راگس آکر ہوتی تھی یہ آداب جاتی ہے، اور وہ مشرق کے شرف و عظمت کے بڑے پائے اور ان کی تہذیب و معاشرت بلکہ ان کے مذاہب کے بڑے حامی و مددگار بن جاتے ہیں۔

ان کے اس خالص اور سب سے آگے مشرقی میان کا ثبوت بعض مستشرقین کا خالص نظری

مسائل کی جانب انہماک ہے، جس میں کہیں سے استعماری اغراض کی آمیزش نہیں ہوتی، مثلاً بہت سے مستشرقین بصریوں اور کوفیوں کے صرفی و نحوی مذاہب کے فروق کے درس و مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور مصادر کے جمع کرنے اور ان کے نصوص و شواہد اور علمائے فن کے فیصلوں کے طبع و اشاعت میں برسہا برس گزار دیتے ہیں، بعض مختلف قبائل کی بولیوں اور ان کے لہجوں کے اختلاف کی تحقیق میں برسوں صرف کر دیتے ہیں اور اس قبیل کے بہت سے خالص علمی اور بے غرضانہ خدمات انجام دیتے ہیں، ان خدمات کو کون منصف مزاج استعماری اغراض کے ماتحت شمار کر سکتا ہے۔

سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین غلطیاں کرتے ہیں، یہ اعتراض صحیح ہے، لیکن یہ غلطیاں عموماً کسی متن کی شرح میں ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری زبانوں کی طرح عربی زبان میں بھی خاص رموز اور باریکیاں اور ادائیں ہیں جن کو اہل زبان کے سوا دوسرا نہیں پاسکتا، ان ہی باریکیوں اور اداؤں کی ناواقفیت کی وجہ سے مستشرقین اشعار کے سمجھنے میں نہایت مضحک غلطیاں کرتے ہیں، اس موقع پر اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، مثلاً مشہور مستشرق مسز مارگولیتھ نے ابوالفتح ابن العمید کے اشعار ذیل:

يقول لى الواشون كيف تحبها ، فقلت لهم بين المقصر والغالى  
ولولا حذارى منهم لصدقتهم وقلت هوى لم يهوه قط امثالى  
وكم من شفيق قال مالک واجما فقلت ألى مالى وتسال مالى  
کے فہم میں نہایت فاش غلطی کی ہے، اوپر کے دونوں شعر اور تیسرے شعر کے پہلے مصرع کے معنی بالکل صاف ہیں، البتہ دوسرے مصرع کے معنی نہیں نکلتے، اس کے سمجھنے میں مسز مارگولیتھ گڑبڑا گئے اور اپنی فہم کے مطابق یہ اصلاح کر دی فقلت انا مالى وان تسالى مالى، حالانکہ ان کی یہ تصحیح سبب غلطی سے زیادہ مضحک ہے، اگر وہ ابن خلکان کو جس میں یہ مصرع صحیح لکھا ہوا ہے دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ مصرع اس طرح ہے فقلت ترى مالى وتسالى عن حالى۔

دوسری غلطی مستشرقین کی ایک پوری جماعت سے جو موسیو ڈوزی کے ساتھ فتح الطیب کی تصحیح میں شریک تھی سرزد ہوئی ہے، انہوں نے ابوالولید کے ان اشعار

الیک اباحفص وما عن ملالة ثنيت عنانى والحبيب حبيب  
مقالا يطير الحمير عن جنباة ومن تحته قلب عليك يدوب

کو جو نفع الطیب میں ہیں، کسی دوسری کتاب میں مقالا کے لفظ کو وسطاً پڑھ کر لکھ دیا کہ ان اشعار کے معنی صحیح نہیں نکلتے، اور معلوم ہوتا ہے کہ درمیان سے کوئی شعر حذف ہو گیا ہے، حالانکہ مقالا ہی صحیح ہے، اور اسی سے صحیح معنی نکلتے ہیں، اس غلطی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ مقالا کی ترکیب نحوی کو نہ سمجھ سکے، اگر انہیں معلوم ہوتا کہ مقالا پہلے شعر کے لفظ الیک کا مفعول بہ ہے تو یہ غلطی نہ ہوتی۔

پہلی غلطی معجم الادباء میں ہے، مارگولیتھ نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، اور دوسری غلطی نفع الطیب میں ہے، ممکن ہے تلاش کرنے سے دس پانچ اور زیادہ فاحش غلطیاں نکل آئیں، لیکن یہ خفیف غلطیاں اس عظیم الشان خدمت کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہیں جو مارگولیتھ اور مسیو ڈوزی نے معجم الادباء میں نفع الطیب جیسی اہم کتابوں میں نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ شائع کر کے عربی زبان کی انجام دی ہے، آخر الذکر کتاب اندلس کے اسلامی عہد کی علمی اور ادبی تاریخ کا سب سے پہلا ماخذ ہے، مصر میں بھی یہ کتاب چھپی ہے، لیکن نہایت مسخ شدہ شکل میں، جس میں فہرست تک کا پتہ نہیں ہے، ایسی حالت میں اس عظیم الشان اسلامی خدمت کے مقابلہ میں ان معمولی اغلاط کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔

دوسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین شریعت اسلام کی شرح میں غلطیاں کرتے ہیں، یہ اعتراض البتہ صحیح ہے، بہت سے مستشرقین اسلام کے متعلق ایسے خرافات لکھتے ہیں جو کسی طرح علماء اور محققین کے شایان شان نہیں ہیں، خصوصاً جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کچھ لکھتے ہیں، لیکن اس میں بھی آپ کی زندگی کے خانگی، اجتماعی اور تشریحی پہلوؤں پر ان کے خاص نظریے ہیں جن سے بعض مذہبی پہلوؤں کی خدمت ہوتی ہے۔

میری رائے تو یہاں تک ہے کہ اسلام دشمن مستشرقین نے اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے بھی اس کی بڑی خدمات انجام دی ہیں، مثلاً اس سلسلہ میں انہوں نے قرآن و حدیث اور اس کے متعلقات پر نہایت عمدہ تالیفیں طبع کیں، ان کی فہرست بنائیں، ان کی ایسی بہتر تبویب اور ترتیب کی کہ ہمارے شیوخ ازہر سے بھی ممکن نہ تھی، موسیو وینسک نے بھی جو ہمارے دوست حسین ہراوی کے تیر ملامت کا سب سے زیادہ نشانہ ہیں حدیث نبوی پر اپنی تالیف سے اسلام کی بڑی خدمت انجام دی، بالفرض اگر ہم مناظرانہ طور پر یہ بھی مان لیں کہ اس کتاب کی اشاعت میں حق و صداقت کا جذبہ اور حسن نیت شامل نہ تھا تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس سے غیر ارادی طریقہ سے اسلام کی خدمت ہو گئی، آج کل امریکہ اور یورپ میں آثار اسلامیہ کی اشاعت سے زیادہ اسلام کی

کون سی خدمت ہو سکتی ہے، اور یہ خدمت مسلمانوں کا فرض تھا لیکن افسوس انہوں نے اس فرض کو محسوس نہیں کیا، اور اس کو دوسروں پر چھوڑ دیا کہ وہ ان کی میراث میں جو تصرف چاہیں کریں۔ افکار کی زندگی ان پر بحث و تنقید میں ہے، افکار کے لئے یہ قابل افسوس نہیں ہے کہ لوگ اس پر تنقید یا اس کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ افسوس ناک یہ ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے، اور مدحا اور ذمہ اس پر کچھ نہ لکھا جائے، اس لئے اسلام ان کے خیر سے استفادہ کی طرح ان کے شر سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے، میں قیام پیرس کے زمانہ میں بدھ مذہب کے انسانوں اور خرافات کی اشاعت کی کفریت پر رشک کرتا تھا، اور دعا کرتا تھا کہ کاش خدا اسلام کو بھی ایسے خدام عطا کرتا جو ان ممالک میں اس کے فضائل کی اشاعت کرتے۔

مستشرقین نے ہم سے تین صدی پہلے اسلام کے اسلامی اور ادبی درس و مطالعہ کی طرف توجہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مصر بلکہ مشرق کا بڑے سے بڑا محقق ان کی علمی بحث و تحقیقات کو جو ہر شعبہ میں پھیلی ہوئی ہے، نظر انداز نہیں کر سکتا۔

کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ازہریوں کو، جن کو اسلام کا بلجا و ما من سمجھا جاتا ہے، چند برسوں پہلے اسلامی تاریخ پڑھانے کا ڈھنگ بھی نہ آتا تھا، کس قدر شرم کی بات ہے کہ آج بھی جامعہ مصریہ کے ادبی کالج میں عربی زبان حاصل کرنے والے طالب علموں کی تعداد ساربن یونیورسٹی کے عربی طلبہ سے کم ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پیرس کی السنہ مشرقیہ کی درگاہ میں عربی کے اتنے اور ایسے ایسے مطبوعہ ماخذ ہیں کہ مصری دارالکتب میں ان کا نام بھی نہیں۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ان کی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمارے ذہن و دماغ میں ان کے اثرات زیادہ پائدار ہوتے ہیں، اپنی قوم کو میرا مشورہ ہے کہ وہ ان مستشرقین کے نقش قدم پر ضرور چلیں، لیکن اسی کے ساتھ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مستشرقین انسان ہیں، فرشتہ نہیں ہیں، ان کے بھی اغراض و مقاصد ہیں اور وہ بھی انسانوں کی طرح غلطیاں کرتے ہیں، اور چونکہ ان کے پاس خیالات کے نشر و اشاعت کے لئے وسائل زیادہ وسیع ہیں، ان کی یہ غلطیاں پھیل جاتی ہیں اور ان کا نقش زیادہ پائدار ہوتا ہے، میں مستشرقین کی غلطیوں کو ناقابل التفات نہیں سمجھتا، اور بے سوچے بوجھے ان کی پیروی کرنے کی دعوت نہیں دیتا، لیکن میرا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی کوششوں سے لغوی اور اسلامی درس میں زندگی پیدا ہو گئی ہے اور دنیا میں کوئی چیز خالص شر اور خالص خیر نہیں ہے، لیکن ان علمائے مستشرقین کے کاموں میں نفع کا پہلو غالب ہے۔

# مستشرقین کی خدمات

اور

## ان کے حدود

جناب سید وحید الدین صاحب، نئی دہلی

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی عالموں نے علوم اسلامی کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، بہت سے مخطوطات جو دور دراز کتب خانوں میں پوشیدہ تھے، ان کا سراغ لگایا، سائنٹفک طریقہ سے ان کو ایڈٹ کیا اور دنیائے اسلام سے ان کو روشناس کرایا، آج بھی مسلمان علماء نے اس سلسلہ میں جو کچھ کام کیا ہے، کیا باعتبار مقدار اور کیا باعتبار معیار، ان کا مجموعی طور پر بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر عالم جب کسی دوسری تہذیب کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ ان روایات اور تصبات سے اپنے کو منزہ نہیں کر سکتا جن میں اس کی پرورش ہوئی ہے، اس طرح ہر تہذیب کا علمبردار اپنے ساتھ اپنی تہذیب کا بوجھ اٹھائے رکھتا ہے، اور اپنی ہی روایات کی روشنی میں دوسری تہذیب کو جانچنے اور اس پر حکم لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ مستشرقین کا اسلام کے ساتھ معاملہ اپنی خاص نوعیت رکھتا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مستشرقین عام طور پر یا تو یہودی النسل رہے ہیں یا پھر عیسائیت سے وابستہ رہے ہیں، صلیبی جنگوں نے ایک معاندانہ فضا پیدا کر دی تھی، جس کا اثر اب تک باقی ہے، اسلام اور عیسائیت کے تعلقات اس طرح شروع ہی سے ایسے ماحول میں نشوونما پاتے رہے ہیں جو اسلام کی صحیح تفہیم کے لئے بالکل ناسازگار تھا، خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کذب و افتراء کا نشانہ بن گئی۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ اسلامی ثقافت کے دوسرے پہلو بھی ہیں، جن کا

براہ راست مذہب سے تعلق نہیں، جیسے فنِ تعمیر، شعر و شاعری، مصوری (خاص طور پر خطاطی) وغیرہ اور سائنسی علوم جیسے ریاضی، ہیئت، بصریات، تاریخ وغیرہ، ان علوم کے بارے میں مستشرقین کا رویہ بڑی حد تک مذہبی تعصبات سے آلودہ نہیں ہوا ہے، جرمن مستشرق زخاؤ نے البیرونی کی کتاب الہند کو ایڈٹ کیا، البیرونی کی اہمیت کا احساس اسی زمانہ سے دن بدن بڑھتا گیا، اسی طرح ابن خلدون کا کارنامہ بہت بڑی حد تک مستشرقین ہی کی کاوشوں سے ہمارے سامنے آیا اور دنیا کو معلوم ہوا کہ تاریخ کے عمرانی شعور کا سرچشمہ اسلامی فکر و نظر میں ملتا ہے، اصل مشکل اس وقت آپڑتی ہے جب ہم دینی مسائل، قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا جائزہ لیتے ہیں، یہاں پہلے تو اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کر لینا چاہئے کہ مذہبی معاملات میں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے متعلق ہم یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ لوگ بغیر فضل الہی کے ان سے اتفاق کر سکیں، لیکن ہم یہ ضرور توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ قیاس آرائیوں اور امکانات کو اپ سدر میں رکھیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ مستشرقین نے اکثر ایسا نہیں کیا ہے بلکہ جہاں کوئی امکان سببی نوعیت کا رہا اس کو انہوں نے دوسرے امکانات پر غلبہ دے دیا۔

مستشرقین کے اس رویے کی ایک افسوسناک مثال بنی قریظہ کے واقعہ سے دی جاسکتی ہے جہاں اس واقعہ کے بیان میں تخیل کو زیادہ جگہ دی گئی ہے، یہاں میرا اس واقعہ کی نوعیت یا اصلیت سے بالکل سروکار نہیں ہے، یہ مورخین کا کام ہے کہ وہ اس کی صحیح طور پر جانچ کریں، یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں رسول اللہ کے صحابی سعد بن معاذ کے حکم بنائے جانے کا ذکر ہے، وہاں بول (Buhl) جیسے مستشرقین نے اس گمان کا اظہار کیا ہے کہ سعد کا فیصلہ رسول اللہ کے ایماء پر ہوا ہوگا۔ مورخ تاریخ میں امکانات کا لحاظ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا لیکن ایسا امکان جس کا نشانہ ایسی شخصیت ہو جس کے تقدس کے سہارے کروڑوں مسلمان اپنی روحانی نجات کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، انتہائی افسوس ناک ہے، ایک سے زیادہ مستشرق نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ پہلے تو رسول اللہ کو یہودیوں سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں اور جب وہ پوری نہیں ہوئیں تو آپ نے قبلہ کا رخ بدل دیا۔ بعض دیانت دار مغربی عالموں نے مستشرقین کے ”حدود“ کا خود ہی اعتراف کیا ہے، اور برنارڈ لیوس نے اپنے ایک مضمون ”اسلام“ کی ابتدا اس طرح کی ہے۔

”یہ کہا گیا ہے کہ عربوں کی تاریخ یورپ میں خاص طور پر ایسے مورخین نے لکھی، جو عربی سے نابلد تھے یا ایسے عربی دانوں نے لکھی جو تاریخ سے نابلد تھے۔“



یہ بھی چھپی ہوئی بات نہیں ہے کہ ایسے علوم و فنون جن سے کوئی فنی صلاحیت کے بغیر عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، ان فاضلوں کے ہاتھ میں رہے جو متعلقہ علم و فن سے بالکل ناواقف تھے۔ مثال کے طور پر مسلمانوں نے فلسفیانہ فکر میں جو خدمت انجام دی ہے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا جا۔ کا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ ارسطو کے صرف نقال اور ناقل رہے ہیں، چونکہ مغربی فلسفہ کی تاریخ میں عیسائی علم کلام کو عرصہ تک کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اس لئے مسلمانوں کے تفکر اور ان کے علم کلام کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو بھی نظر انداز کر دیا گیا، اور اب یہ آہستہ آہستہ معلوم ہو رہا ہے کہ نہ صرف عیسائی علم کلام مسلمانوں کے تفکر کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے، بلکہ بعض بنیادی تصورات ایسے بھی ہیں جو مسلمان فلاسفہ نے پیش کئے جن کا اثر فلسفیانہ تفکر پر کافی رہا۔ ابن رشد کے علاوہ ابن طفیل نے جو تعلیم کا خاکہ اپنے فلسفیانہ رومانس جی بن یقظان میں پیش کیا ہے، وہ فلسفہ تعلیم کے مباحث میں اب قابل توجہ بن گیا ہے، اور یہ سوال کہ خدا کا تصور کہاں تک وہی ہے، اور کہاں تک اکتسابی، ایسا سوال ہے، جس کی صدائے بازگشت ہم کوویکارٹ اور لائینز کے فلسفہ میں ملتی ہے، یہی حال تصوف کا ہے، ابتدا میں تو مستشرقین تصوف کے ماخذ دوسرے مذاہب میں ڈھونڈتے رہے، کسی نے فنا کے تصور کو بدھ مذہب کے نروان سے جوڑنے کی کوشش کی اور کسی نے صوفیانہ تصور توحید کو ویدانت سے ملانے کی کوشش کی، لیکن اب میسون کی سرکردگی میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جو قرآن ہی میں تصوف کی بنیادیں تلاش کرتا ہے اور اس کو خاص اسلامی مظہر قرار دیتا ہے، گو کہ یہ بات بھی واضح ہے کہ تاریخ تصوف میں بہت سی بے راہ روی رہی ہے، اور کیفیات سے مغلوب صوفیہ کی زبان سے ایسے الفاظ بھی صادر ہوئے جن کو شریعت کے مغائر سمجھا گیا، لیکن ان کی تمام باتوں کے باوجود تصوف کا بنیادی مزاج تسلیم و رضا رہا ہے، اور قرآن ہی کے تصور احسان کو ایک بنیادی رکن قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ مستشرقین سب ایک طرح کے نہیں رہے، بلکہ بعض ایسے بھی رہے ہیں جنہوں نے راسخ العقیدہ عیسائی ہونے کے باوجود کھلے دل سے اس حقیقت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ عیسائی روحانیت اور وہ ادب جو عیسائی روحانیت سے متاثر ہے، اسلام کے اثرات کو بین طور پر ظاہر کرتا ہے، اس سلسلے میں سب سے نمایاں مقام ہسپانوی مستشرق پروفیسر اسین پالاسیوس (Asinpalacios) کا ہے، جس نے امام غزالی پر سب سے جامع کتاب لکھی، اگرچہ اس نے اپنی کتاب کا نام کچھ ایسا رکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزالی کا جو شعور تھا وہ اسلام سے زیادہ عیسائیت کے زیادہ قریب ہے، اس نے غزالی کے

صوفیانہ شعور کو مسیحی شعور کی مثال سمجھا، لیکن سب سے بڑا نمایاں کام اس نے یہ کیا کہ مغربی ادب اور خاص طور پر دانٹے کے شاعرانہ شاہکار طریقہ سرمدی میں اسلامی اثرات کا کھوج لگایا، جس سے مغرب کے ایک خاص طبقہ میں شدید رد عمل پیدا ہوا، اس نے اپنی کتاب St. John Of the Cross and Islam میں اس بات کو پایہ ثبوت کو پہنچا دیا کہ عیسائی زہد اور باطنی زندگی کے علمبردار اس حد تک اسلام سے متاثر ہوئے کہ اس حلقہ کی اصطلاحات میں ہسپانوی صوفی ابن عباد کا اثر ملتا ہے، اور یہاں ہم کو خالص صوفیانہ تمثیلات ملتی ہیں، بہر صورت ان کی تصانیف اور ان کے بنیادی خیالات سے متعلق ہمارا رد عمل کیسا ہی سلیبی کیوں نہ ہو، ان کی خدمات اتنی عظیم ہیں کہ جن کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں، اگر کوئی شخص مسلمان یا غیر مسلم، اسلام کے ادب و مزاج کا جائزہ لینا چاہے تو ان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

اب میں ان تحدیدات کا مختصر ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے مغربی انداز فکر بری طرح متاثر ہے، یہاں کوئی تفصیلی جائزہ تو پیش نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ نہ تو میں مورخ ہوں نہ کوئی اسلامیات کا طالب علم، اس لئے میں ایک مختصر تبصرہ ایک اہم کتاب کے بعض مضامین پر پیش کروں گا جس سے مستشرقین کی خدمات اور ان کی تحدیدات دونوں اچھی طرح سامنے آجائیں گی یہ کتاب مشہور جرمن مستشرق رودی پارٹ (Rudi Paret) کی مرتب کردہ ہے، اس کا نام القرآن ہے، اس میں پارٹ نے ان مضامین کا انتخاب کیا ہے، جو قرآن سے متعلق مغرب میں لکھے گئے، زیادہ تر مضامین جرمن زبان میں ہیں، اور بعض انگریزی اور فرانسیسی میں بھی ہیں، یہاں ہم کو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ پارٹ کا اور ان کے رفقاء کا اسلام کے متعلق کیا زاویہ نگاہ ہے، اور کس حد تک یہ مقولہ کہ العلم الحجاب الاکبر ان پر صادق آتا ہے اور ساتھ ہی اس میں ایک ایسے مستشرق کا بھی مضمون ہے جس میں اس نے اپنے مذہبی رفقاء کے خلاف بڑے موثر انداز میں اپنی آواز بلند کی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مغربی تحقیق ابھی تک ان تعصبات سے خود کو آزاد نہیں کر سکی ہے، جو رسول خدا کی شخصیت اور اسلام کی مذہبی بنیادوں کے متعلق ان کو ورثہ میں ملے ہیں اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ جن غیر مسلم محققین کا جغرافیائی دائرہ اسلام اور عیسائیت کی کشمکش سے باہر ہے ان کی تصانیف کا مزاج بالکل مختلف ہے، مثلاً جاپانی عالم ازتسو (Izutsu) نے جو کچھ اسلامی تصوف اور دینیاتی تصورات کے متعلق سپرد قلم کیا ہے وہ ان طریقہ ہائے کار سے بالکل بنا ہوا ہے جن پر مغربی فکر کا مزاج راسخ ہے، اس امر کا پرو فیسر برنارڈ لیوس نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

”مغربی دینیاتی تعصبات کی آخری نشانیاں اب بھی بعض مغربی

فضلاء کے پاس ملتی ہیں جو ملٹی خول اور مھے ہوئے حواشی میں ظاہر ہوتی ہیں۔“

پروفیسر پارٹ کی مرتب کردہ کتاب میں جو مضامین جمع کئے گئے ہیں وہ اس کا تین ثبوت ہیں کہ کیوں قرآن ہمیشہ مغربی فاضل کے لئے ایک کتاب مختوم کی حیثیت رکھتا رہا ہے۔ پارٹ کا لکھا ہوا آری کے قرآن کے ترجمہ پر تبصرہ قابل توجہ ہے، آری مسلم روایت کا احترام کرتے ہوئے اس کو ترجمہ کا نام نہیں دیتے بلکہ وہ اسے ایک تعبیر قرار دیتے ہیں، اور مغربی علماء کی قرآن کو نئے سرے سے ترتیب دینے کی کوششوں کو بہت ناپسند کرتے ہیں، آری کے نزدیک گو کہ وحی کا نزول بیک وقت نہیں ہوا لیکن ان چیدہ چیدہ پیامات الہی کو بہ حیثیت کل کے دیکھنا ہوگا، جب آری نے قرآن کے انگریزی ترجمہ کو ”تعبیر“ کا نام دیا تو پارٹ نے اس کو مسلمان دوستوں کی خوشنودی کے حصول کا وسیلہ قرار دیا، یہ جرمن فاضل یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ خود ترجمہ کی کوشش ایک مشکوک عمل ہے، خود قرآنی متن کے متعلق نہایت ہی معاندانہ مشاہدات سے گریز نہیں کرتا، قرآن کا کوئی مترجم اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ قرآن اس معنی میں ”کتاب“ نہیں ہے، جس معنی میں کتابیں ہمارے کتب خانوں کی زینت بنتی ہیں، قرآن نہ صرف ایسی ”کتاب“ ہے جو پڑھی جاتی ہو بلکہ وہ قابل تلاوت و قرأت بھی ہے، اور یہ چیز ترجمہ میں نہیں پیدا ہو سکتی، اسی کتاب میں بول کا بھی ایک مضمون قرآنی مماثلتوں اور مقابلتوں (Similarities and Comparisons) پر ہے، جو بہت قابل توجہ ہے۔ وہ اپنی توجہ خاص طور پر سورہ نور کی آیات پر مرکوز کرتے ہیں، وہ یقینی طور پر یہ کہنے سے قاصر ہیں کہ کیا واقعی یہ آیات روحانی معنویت اور عمق و ظاہر کرتی ہیں یا نہیں، ان کو بس اتنا یقین ہے کہ رسول اللہ نے عیسائی راہبوں کی صحرائی خلوت گاہوں میں جو چراغ روشن دیکھے تھے، انھوں نے ان پر اتنا گہرا اثر چھوڑا کہ قرآن میں بطور تشبیہ کے ان کا استعمال کیا گیا، وہ یہ تو مانتا ہے کہ یہاں جو مثال پیش کی گئی ہے، وہ قابل توجہ اور انوکھی ہے لیکن کسی نہ کسی طرح سے اس کی اہمیت گھٹانے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

اس کتاب کا مرتب ایک ممتاز جرمن عالم ضرور ہے، اور اس کا قرآن کا جرمن ترجمہ مستشرقین کے نزدیک بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ تاریخی طرز تحقیق کا بڑا علم بردار ہے، حالانکہ اس طریقہ کار پر حال میں مغربی فضلاء نے بڑی سخت تنقید کی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی سوسائٹی اور نظام حیات کے اقدار کو نظر انداز کر کے ہم اس تہذیب کے مزاج کو

سمجھ نہیں سکتے اور صرف تاریخی کھوج سے ہم صداقت کا پتہ نہیں لگا سکتے، اب دیکھنا یہ ہے کہ برسوں کی تحقیق اور کاوش کے بعد پارٹ کس نتیجہ پر پہنچتا ہے، اس کے نزدیک اسلامیات سے متعلق مغربی علماء کی تحقیق نے جو نتائج پیش کئے ہیں وہ بنیادی طور پر صحیح اور معروضی ہیں اور اب اگر کسی تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے تو اس کی صرف ضمنی حیثیت ہوگی، اب ایسے سنسنی خیز نتائج پیش ہونے کی مستقبل میں توقع نہیں کی جاسکتی جن سے پچھلے نتائج کا اعلان ہو سکے، ہاں پارٹ کی تحقیق نے ایک سنسنی خیز نتیجہ تو ضرور پیش کیا ہے، اس کے انکشاف کے مطابق قرآن نہ صرف حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے کا قائل ہے بلکہ اس کا بھی کہ ان کی مقدس ماں بھی آسمان پر اٹھالی گئیں اور ساتھ ہی پارٹ کے کہنے کے مطابق رسول اللہ کو یہ بھی یقین تھا کہ ”ایام اواخر“ میں حضرت مریم کا ظہور ہوگا، بعد میں اسی خیال کی تائید میں ایک دوسرے محقق ہیننگ (Henning) کا ایک پورا مقالہ دیا گیا ہے، یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ خیال کہ حضرت مریم آسمان پر اٹھالی گئیں، کیتھولک کلیسا کا ایک عقیدہ بن گیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عجیب سے مفروضہ کی کیا بنیادیں فراہم کی گئی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پارٹ اور ہیننگ دونوں ”دوستانہ مراسلت“ کے ذریعہ ایک

دوسرے سے فیضیاب ہوئے، ان کے دعوے کی بنیاد قرآن حکیم کی یہ آیات ہیں:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَفِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ. وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۵-۱۷)

اس آیت سے ہیننگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم دونوں کو زندہ

تصور کیا گیا، اور یہ بھی تصور کیا گیا ہے کہ دونوں عالم سماوی میں زندہ موجود ہیں اور اسی لئے

پیغمبر اسلام حضرت مریم کی اس عالم سماوی میں جسمانی منتقلی کے قائل تھے۔ اس عقیدے میں ہیننگ

کو مشرقی کلیسا کے عقیدے کی جھلک نظر آتی ہے، ان کو یہ بات قابل لحاظ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت

مریم کا ذکر حضرت مسیح کے ساتھ ساتھ کیا گیا اور یہ صرف اس لئے ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام نہ صرف

حضرت مسیح بلکہ حضرت مریم کی بھی عالم سماوی میں جسمانی منتقلی کو تسلیم کرتے ہیں، ہمارے فاضل

محقق رقم طراز ہیں ”شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پہلے حضرت مسیح کو ابن مریم کہا گیا یا شاید حضرت مسیح

کے تسلسل حیات کا خیال ان کے ذہن میں حضرت مریم کے تسلسل حیات کے تصور کا محرک بنا، ان

دو امکانات میں دو دوسرے امکان کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کا فیصلہ کن ثبوت وہ اس میں دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے مشرقی کلیسا سے بہت کچھ سیکھا ہے، اس سارے نظریہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس طرح عیسائی اثر قرآنی تصورات میں عمل پیرا رہا۔ حالانکہ سیدھی سادھی توجیہ تو یہ ہے کہ یہاں قرآن کے پیش نظر حضرت مسیح کی اور نہ حضرت مریم کی محسوس حیثیت ہے بلکہ اس کا اصرار تو صرف قدرت الہی پر ہے جو کسی ارضی مخلوق کے متعلق کوئی اتنا، اتنی، اتنی، اتنی، اتنی، اتنی، اتنی، اتنی ہی بلند کیوں نہ ہو۔ جب قرآن حضرت مسیح اور ان کی ماں کا ذکر کرتا ہے تو ان کا ذکر تمام ارضی مخلوقات کے ساتھ کرتا ہے، یہاں اس کا تعلق ان کے تقدس سے کچھ نہیں ہے، طرفہ تماشائیہ سے ہے۔ اس آیت کو جس میں عیسائی تصور مسیح کے خلاف حق سے آواز اٹھاتی ہے، تو درودِ مسیحی اور عیسائی تصورات میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بہر حال پیغمبر اسلام نے اسے تنقید سے منسوب نہ جو ان کے ماننے والوں کے لئے بااقل اجنبیت رکھتا ہے، سائنسی تحقیق کے مطالبات کے باوجود منافی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خود پروفیسر پارٹ یعنی اس کتاب کے فائل مرتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق کیا کہتے ہیں، ان کے مقالہ کی تصانیف سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن کی روشنی میں اس طرح نمودار ہوتی ہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن سے کیا مواد حاصل کر سکتے ہیں، پارٹ کے کہنے سے دو طاقی سب سے پہلے اس معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ بہت ہی حساس مذہبی آدمی تھے، انہوں نے انہوں نے اپنی تمام فہم و فہم اپنے آپ کو ذمہ دار قرار نہیں دیا، بلکہ انکارِ کفر سے ان کا تعلق نہیں ہے، منسوب کیا، یہاں تک کہ مادی فتح بھی جسے ”فتح“ کہا گیا ہے، فتح کے سبب سے نہیں ہے، بلکہ اس کا مطالبہ ان کے لئے دوسرے الفاظ میں اس کا میابی کا سہرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں چلتا بلکہ ان کی عظمت اور قدرت کا سہرا لیتے ہیں۔ لیکن ایک پیغمبر تو پیغمبر ہے، مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے حاصل کرتا ہے اور اس کی توقعات پوری ہوتی ہیں اور اس کی سچ چھٹیوں کی سب سے بڑی اور سب سے خدا کا شکر ”الحمد للہ“ کے ساتھ بجالاتا ہے، اور اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے ”فہم للہ“ کہتا ہے کہ میابی ڈھونڈتا ہے، یہاں انکاری کا کوئی سوال نہیں بلکہ اس پر یقین ہے، حقیقت جانتا ہے، اور اس کا ایمان ہے۔ اس کی انکاری اس کے ایمان ہی کا ایک جزو ہے، رسول اللہ کے شکر میں انکاری کا بیان مذہبی اقدار کے شعور کی طرف سے ہے جس کی علامت ہے۔

پارٹ اپنے بہت سے رفقاء کے ساتھ جو طریقہ کار اختیار کرتا ہے، اس میں وہ تاریخی طریقہ کار کے ساتھ ساتھ نفسیاتی تعبیر بھی شامل کرتا ہے، وہ ان واقعات میں جو قرآن میں پچھلے پیغمبروں کے متعلق بیان کئے گئے ہیں، رسول اللہ کے تجربہ کا عکس دیکھتا ہے، دوسرے الفاظ میں وہ ابتدائی تاریخ میں صورتِ حاضرہ کو پاتا ہے یعنی اگر قرآن میں پچھلے پیغمبروں کے متعلق سوسائٹی کے اونچے طبقے (ملا) کی مخالفت کا ذکر ہے تو وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ رسول اللہ بھی اس قسم کی مخالفت سے دوچار رہے ہوں گے اور اس بات کی تائید ان کے سوانح نگاروں سے ہوتی ہے، اس سے ہمارا فاضل مصنف ایک بہت دلچسپ انکشاف کا سہرا اپنے سر لیتا ہے، یعنی جہاں حضرت شعیب کی مخالفت ہوئی تو مخالفوں نے کہا "شعیب ہم کچھ نہیں سمجھتے جو تم کہہ رہے ہو، تمہارا تعلق ہم میں کے کمزور لوگوں سے ہے، اگر ہم کو تمہارے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تم پر پتھر پھینکتے کیونکہ تم ہمارے مقابلہ میں طاقتور نہیں ہو۔ قالوا يشعيب ما نفقه كثيرا مما تقول وانا لنراك فينا ضعيفا ولولا رهطك لرجمناك وما انت علينا بعزيز (۹۱-۱۱)

اب پروفیسر پارٹ کے خیال میں یہاں پتھر پھینکنے سے مطلب سنساری نہیں ہے جیسا کہ انجیل کے قصوں میں وارد ہوا ہے، بلکہ دھمکی ہے۔ جو رسول اللہ کو دی گئی ہوگی کہ اگر وہ اپنی دعوت کو یونہی چلاتے رہے تو ان پر پتھر پھینکے جائیں گے۔ یہ واقعہ کہ کوئی دھمکی انھیں دی گئی ہوگی کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں معلوم ہوتا، سوائے ان قصوں کے جو دوسرے پیغمبروں کے متعلق بیان کئے گئے ہیں، ہم کو پروفیسر پارٹ کی خیال آرائی سے کچھ بحث نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ پتھر رسول اللہ کی ذات پر آج بھی پھینکے جاتے ہیں۔ لیکن وہ عرب کے قدیم صحرا کے گلی کوچوں سے نہیں بلکہ بیسویں صدی کے یورپ کی دانشگاہوں کے مستند مراکز سے، اور رسول اللہ کی مذہبیت پارٹ کی دلچسپی کا اصل موضوع نہیں، جتنا یہ بتانا کہ وہ ایک آدمی تھے اور ان میں وہ تمام کمزوریاں موجود تھیں جو ایک آدمی میں ہوتی ہیں۔ پیغمبر بھی ایسے واقعات سے دوچار ہوئے کہ ان پر ناکامی و محرومی کا غلبہ ہوا، حزن و ملال بھی ان پر چھا گیا، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ کیا کسی غیر یقینی حالت نے ان کو اپنے راستے سے برگشتہ کیا، انھوں نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، لیکن وہ ہم جیسے انسان ہونے کے باوجود بھی ہم سے الگ تھے، ایسے انسان جن کی مثال کی تکرار نہیں ہو سکتی اور اس سے زیادہ گہرے معنوں میں جس معنی میں کسی فرد کی بھی تکرار نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے سارے فضل و ناموری کے باوجود کسی فرد میں وہ سپردگی اور محبت پیدا نہیں کر سکتے جو انھوں نے نہ صرف اپنے معاصرین میں

پیدا کی، بلکہ آج بھی بے شمار لوگوں کے دلوں پر ان کی حکومت ایسی ہے کہ چودہ سو سال کے بعد بھی ان کے لئے وہ جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں اور انھوں نے وہ مقام حاصل کر لیا ہے، جس کو نہ کسی تلوار اور نہ کسی کا قلم مٹا سکتا ہے اور جس کے نام کے طفیل ہر دور میں والہانہ شاعری اور وجد آفریں تصوف کے بہترین نمونے دیکھنے میں آئے۔

لیکن پارٹ کی مرتب کی ہوئی اسی کتاب میں ایک مضمون نوک کا بھی ہے جس نے بڑی سختی سے ان تمام کوششوں کی مذمت کی ہے جو رسول اللہ کے کردار اور شخصیت کو مسخ کرنے کے سلسلے میں کی جاتی ہیں، اس مغربی فاضل کے کہنے کے مطابق مستشرقین جزئیات میں اس طرح پھنس گئے ہیں اور قرآن و اسلام کی خصوصیت کا سراغ تاریخ میں تلاش کرنے میں اس قدر سرگرداں ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ کی تخلیقی شخصیت تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔ اس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں ”کبھی بھی عقلی علوم کے ذریعہ اس شخصیت کے اسرار کو بے نقاب کرنا ممکن نہ ہو سکے گا اور کبھی بھی ہم اپنی جانچ اور تحقیق کے ذریعہ یہ پتہ چلانے کے قابل نہ ہو سکیں گے کہ وہ کیا واردات تھے، جنہوں نے ان کی روح کو متاثر کیا، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے ضمیر کی نبرہ آزما آزمائشوں سے گذر کر اپنے کو خدا کی طرف سے منتخب کردہ ایک نذیر اور رسول قرار دیا۔“ اس کے مطابق اگر ہم اس حقیقت کو مان لیں تو یہ سوال کہ رسول اللہ کے پیش نظر کیا نمونے اور تاریخ کے کون سے ماخذ تھے، جن سے انھوں نے استفادہ کیا، غیر اہم سوال بن جاتا ہے، یعنی وہ سوالات جو تاریخ کے میکانیکی تصورات کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اپنی معنویت کھودیتے ہیں۔

پھر یہی مصنف لکھتا ہے کہ ”عیسائی مناظر اس بات پر متمرکز ہے کہ مدینہ کا زمانہ باطنی انحطاط کا زمانہ تھا اور مدینہ میں وہ ابتدائی ولولہ باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن اس قسم کا تصور یہ حقیقت نظر انداز کر دیتا ہے کہ سچا مذہب پورے انسان پر حاوی ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتوں کو متحرک کرتا ہے، یہ سوال کہ کیا رسول اللہ نے مکہ میں بھی سیاسی عمل میں کچھ حصہ لیا ہے، لایعنی ہے۔ کیونکہ ان کے لئے مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کا امتیاز کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اصل یہ ہے کہ مدینہ میں ان کو وہ سازگار ماحول ملا جہاں وہ اپنی مکہ کی دعوت کو عملی شکل دے سکیں اور جو بھی تصویر ہم رسول اللہ کی کھینچیں وہ نامکمل رہے گی۔ اگر ہم ان کی شخصیت کے جادو کو نظر انداز کر دیں۔ یہ ان کی شخصیت ہی کی قوت تھی کہ انھوں نے (حضرت) ابو بکر اور (حضرت) عمرؓ کو اپنی طرف کھینچا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ان کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے، قرآن حکیم تو تفسیروں اور تشریحوں کے ذریعہ امت کے

سامنے پیش ہوا ہے اور تعبیر و توجیہ کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ لیکن یہ رسول اللہ کا ہی اسوہ ہے جو راہبر اور راہنما کی حیثیت سے ان کے نام لیواؤں کے سامنے آیا ہے، جب کبھی بھی اجنبی اثرات کا غلبہ مسلمانوں کے لئے ایک خطرہ بنا تو سنت کی تجدید ان کا نعرہ بنی اور اب بھی مسلمانوں کے تقویٰ اور زہد میں ہم اس تجربہ الہی کی جھلک دیکھتے ہیں، جس نے تیرہ سو (چودہ سو برس) برس پہلے عرب کے دور دراز صحراء میں محمد بن عبد اللہ کو مجبور کیا کہ وہ دنیا کے سامنے آئے اور خدا اور اس کے فیصلہ کا پیام دنیا کو سنائے۔“

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستشرقین کی جماعت ایسی جماعت نہیں ہے، جس کے تمام افراد پر ہم یکسانیت کے ساتھ کوئی حکم لگائیں۔ خوشی کی بات ہے کہ مغرب کے عالموں کو بھی یہ احساس ہو گیا ہے کہ کسی دین پر مذہبی شعور سے بیگانہ ہو کر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔



# بحث و تحقیق میں مستشرقین

کی

## بے راہ روی اور تضاد بیانی

ترجمہ

مولانا شبیر احمد خان صاحب دہلوی

یہ مسلم حقیقت ہے کہ بحث و تحقیق میں علمی سچ و طر ایتم اختیار کرنے سے یکساں نتائج برآمد ہوتے ہیں، ایسا کہہ ہی ہوتا ہے کہ بحث و تحقیق کرنے والے اپنے مطالعہ و تحقیق میں مثبت و منفی، مدح و قدح اور حق و باطل دونوں ہی رخنوں اور پہلوؤں کو اختیار کر لیں، مگر اس کے برخلاف مستشرقین کی بحث و تحقیق میں عموماً شدید اختلاف و تعارض بلکہ بھی کبھی تو سخت تناقض بھی ہوتا ہے۔

اگر واقعہ ان کی تحقیقات علمی اور معروضی اصول و سچ پر مبنی ہوتیں تو ہرگز یہ اختلاف و تعارض نہ ہوتا، بعض مسلمان مصنفین نے اس تضاد و تعارض کی نشاندہی کر کے بتایا ہے کہ یہ محض مستشرقین کی جہالت و حیرانی ہی کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس کی تہہ میں ان کے یہ اعتراض بھی کارفرما ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں اور خاص طور پر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو جاہل ثابت کرنا اور ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔

مستشرقین کا یہ تعارض و تضاد کبھی تو خود اپنی ہی تحقیق کے خلاف ہوتا ہے جیسے وہ کبھی ایک موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کوئی چیز ثابت کرتے ہیں، مگر دوسری جگہ اس کی نفی و تردید کر دیتے ہیں یا کسی بحث کے سلسلہ میں ایک موقع پر جو رائے ظاہر کرتے ہیں، اسی بحث میں دوسرے موقع پر اس سے مختلف کوئی اور خیال پیش کر دیتے ہیں مثلاً کبھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت (ناخواندہ ہونا) ثابت کرتے ہیں اور کبھی اس کی نفی و تردید کر دیتے ہیں، کبھی یہ تسلیم

کرتے ہیں کہ قرآن مجید وحی الہی ہے، پھر خود ہی اپنے اس خیال کو منہدم کر کے کہتے ہیں، کہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن و دماغ کی اختراع ہے۔

مستشرقین کی بے راہ روی اور تضاد بیانی کی دونوہیتیں ہیں (۱) خود اپنی ہی رائے و تحقیق سے انحراف و اختلاف (۲) دوسرے مستشرقین سے ان کا اختلاف۔

**پہلی نوعیت** | اس میں شبہ نہیں کہ ایک انصاف پسند محقق کے سامنے کبھی کبھی مختلف نقطہ ہائے

نظر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں وہ علمی و منطقی اصول ترجیح سے کام لے کر کسی ایک نقطہ نظر کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے، علمائے محققین کسی خاص روایت و حدیث یا ثبوت و سند کی بنا پر پہلے کوئی

رائے قائم کرتے ہیں، مگر جب اس سے زیادہ قوی اور مرجح کوئی سورت ان کے سامنے آ جاتی ہے تو وہ پہلی رائے کو ترک کر دیتے ہیں، اجتہادی امور و مسائل میں یہ طریقہ ہمارے علما کے یہاں

بہت معروف ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض بعض علما سے ایک ہی مسئلہ میں متعدد آراء و اقوال منقول ہوتے ہیں اور ہر قول کی کوئی نہ کوئی دلیل و حجت ضرور ہوتی ہے، مگر آخر میں وہ زیادہ صحیح اور مرجح

قول کو اختیار کر لیتے ہیں، اس کے مقابلہ میں مستشرقین کے یہاں جو تعارض اور تضاد پایا جاتا ہے، اسے نہ بحث و تحقیق سے کوئی واسطہ ہوتا ہے اور نہ معروضیت و معقولیت سے کوئی تعلق، یہ سب کے

سب یا اکثر اپنی پچھلی غلطیوں اور اوہام سے رجوع کرنے کے باوجود ان کی تلافی پر قادر نہیں ہوتے۔ جرمن مستشرق نولدکی کو مسلمان محققین اسلام اور پیغمبر اسلام کے دشمنوں میں شمار کرتے

ہیں چنانچہ اس کی کتاب تاریخ القرآن میں قرآن مجید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ریک حملے کئے گئے ہیں، یہ دوسرے مستشرقین کا قابل اعتماد ماخذ ہے، حالانکہ یہ کتاب اس نے جوانی میں لکھی

تھی، اس میں جن غلطیوں کا وہ مرتکب ہوا ہے ان کے بارہ میں معذرت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”شباب کی بے پروائی اور غلطی کے اثرات اسی وقت محو ہو سکتے

ہیں جب گذشتہ تحریر پر مکمل نظر ثانی کی جائے یا نئے سرے سے ایسی کتابیں

لکھی جائیں جو پرانی کتاب کے اثرات زائل کر دیں، کیونکہ پہلے جن

مسائل کو میں صحیح سمجھتا تھا، بعد کی تحقیق سے وہ غیر صحیح ثابت ہوئے۔“ (۱)

سیرت نبوی کے علاوہ دوسرے موضوعات و مباحث قرآن، حدیث اور عقائد وغیرہ میں

بھی مستشرقین کے یہاں اس قدر تعارض اور تناقض ہے، جو حد شمار سے باہر ہے، اس کی دو مثالیں

(۱) بحوالہ نجلۃ الجمع العلمی العربی، دمشق، جلد ۲۱، ص ۲۵۲

ملاحظہ ہوں گولڈزیہر کی کتاب مذاہب النبیہ الاسلامی کے صفحات ۱۲-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸ اور ۵۹ پر خاص طور سے اس کی تحقیقی بنیادوں، ٹکرائی ہے، اس کتاب کے مترجم ڈاکٹر عبدعلیم نجار نے اس کی نشاندہی کی ہے اور ڈاکٹر سید سہاٹی نے کتاب السنۃ و کاتبہا میں مستشرقین کے ساتھ ان عرب علماء و محققین کی ہے۔ ان کی اور تصاویری کو ان نمایاں کیا ہے۔ مستشرقین ہی کا انداز اور اسے اپنے بحث اختیار کرنے کا انداز ہے۔

خاص یہ ستا بیوی کے موضوع پر اور لفظ سے کہ ایک کتاب لکھی ہے اس میں اس سے نہایت نادرومانا نوس اور نریب و فریب باتیں کی ہیں اور یہ مذہب و باطل کا مجموعہ بھی ہے اس کا ایک نہایت مضحکہ خیز خیال یہ ہے کہ خدا نے اسے (محم) نے اعزاز سے کیا تھا، یونکہ اس کے بارہ میں آپ نے جو مجموعہ بیان دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو کبھی کسی اور شخص سے کسی مگر یہی مصنف نے اس پر غور کیا ہے کہ آپ سے کبھی کسی اور شخص سے شامہ سفر اپنے ہجرت کے ساتھ اپنی بیوی کا مال تجارت سے لے کر لیا تھا۔

خانم مستشرق تولد کی اس کی رویدادیں لکھتے ہیں کہ محمد کو یہ نام وقتاً کے بعد میں بارش بہت کم ہوتی ہے، اگر انہوں نے اس کا وہاں سے کیا ہوتا تو وہ اس کے ساتھ کفر اور جانتے ہوئے عام بات تو کسی بھی واقعیت رکھنے والے سے فریب سے بچتے ہیں۔ (۱) یہی مار کو لیتے ہیں جو آٹھ ستاروں کے علاوہ علم کے ساتھ ساتھ بارہویں بھی لکھتے ہیں ظاہر کرتے ہیں، اور ایک جگہ تو اسے ایک ہار بھی لکھا ہے اور دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ علی بن ابی طالب کے بیچ سے لے لیتے تھے۔

ریمان کی رائے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو سب سے زیادہ چاہی ہے اور موقع پر آپ کو دیکھو کہ، فریب اور ٹکروغیہ کا حامل قرار دیتے ہیں اور دوسرے موقع پر آپ کی حجاز اور مصالحت کا اعتراف کرتے ہیں، ان کی اسی تصاویری کی وجہ سے ایک بڑے نقوش پرانے زمانہ کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ شخص واقعات و مسائل اور مردوں کر ان کی ہیئت اور صورت میں دیکھنا پلٹ دیتا ہے، کیونکہ سلیبیٹیوں کی وجہ سے ان کے اندر خاص اندوہ اور سب سے بڑی بات ہے۔ دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ وہ آپ سے واقف اور مستشرقین اور باکار نے میں اس کی اس قسم کی راہوں کا دخل ہے (۲)۔ اسٹاف وٹون نے ان کی ریمان کے خطبوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کی

تردید کی ہے اور اس کے تناقض کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک طرف وہ عربوں کے بجز و در ماندگی کو ثابت کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اس کے قریب ہی جو کچھ لکھتا ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے، کبھی وہ عرب مورخین پر ایک الزام عائد کرتا ہے اور کبھی اس کی تردید کرتا ہے، مثلاً وہ عرب مورخین پر الزام عائد کرتا ہے کہ وہ تصنیف و تالیف، نقد و بحث اور تجزیہ و تحلیل میں عاجز و قاصر ہوتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ وہ کتب سیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ان کی وقت و صحت کا اعتراف بھی کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ سیرت نبوی کی عربی تصنیفات جیسے سیرت ابن ہشام کا پایہ تاریخی حیثیت سے انجیل سے بڑھ کر ہے۔

رابط یونیورسٹی کے استاذ فلسفہ ڈاکٹر حکمت ہاشم نے رینان کے آراء کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لے کر ان کی تردید کی ہے۔

کولونیل باڈلے نے محمد کی لائف پر کتاب الرسول تصنیف کی ہے، دوسرے مشرقی موضوعات پر بھی اس کی کتابیں ہیں، سیرت پر اپنی کتاب کا یہ نام اس نے اس لئے رکھا ہے کہ ہر اذان میں آپ کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس سے کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ وہ بھی اسلام پر اسی طرح ایمان رکھتا ہے، جس طرح مسلمان رکھتے ہیں، کیونکہ اس کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام مذاہب کو یکساں سمجھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ اذان اور دوسرے شعائر و مراسم ہی ایک دین سے دوسرے دین کے اختلاف کا باعث ہیں، البتہ وہ رسول اللہ کی فضیلت و عظمت کا معترف ہے، اور اسلام اور دوسرے مذاہب کے ان منکرین کی تردید میں نیک نیت بھی ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقد ہیں۔

عقاد نے اس کتاب کی فکری گمراہی، بے راہ روی اور تضاد بیانی وغیرہ کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، حالانکہ اس کی چوتھی فصل میں وحی کے متعلق نہایت گمراہ کن اور اس قدر متضاد باتیں لکھی گئی ہیں، جن کی ابتدا و انتہا کا پتہ نہیں، اس میں آپ کے عقیدہ کے متعلق یہ شک و اعتراض عائد کیا ہے کہ بعثت سے پہلے آپ کی بیوی اور خود آپ بھی بت پرست تھے اور اللہ کے ساتھ اس کے شرکاء کی پرستش کرتے تھے، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ آپ نے نسٹوری راہب اور دوسرے لوگوں کا اثر قبول کیا تھا، اور آپ پر ایک اعصابی کیفیت طاری ہوتی تھی جو آپ کے افکار پر اثر انداز ہوتی تھی مگر اس کے بعد وہ اس کی تردید بھی کرتا ہے کہ یہ مرگی اور اعصابی بیماری نہ تھی۔

وحی کے معاملہ میں اس نے اس تناقض و تردد کا اظہار کیا ہے کہ وہ مرگی یا سیریا کا نتیجہ ہو یا

روحانی سفر کا فیض ہو، وحی کی کیفیت سے لے کر سورہ غلق کی ابتدائی آیات کے نزول تک جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی اسی قسم کا تردد و تذبذب پایا جاتا ہے، آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، یا ائی اور ناخواندہ تھے اس کی بحث میں بھی تردد، اشتباہ اور تعارض پایا جاتا ہے۔

**دوسری قسم** | اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں معاند مستشرقین ہوں یا نرم پسند اور معتدل مستشرقین دونوں گروہوں کی اکثر تحقیقات شکوک و شبہات اور کذب و افترا پر مشتمل ہوتی ہیں، باقی جو تحقیقات معقولیت و انصاف پسندی پر مبنی ہوتی ہیں، ان میں بھی کجی، بے راہ روی اور تعارض نمایاں ہوتا ہے۔

مستشرقین نے جن موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے وہ مستحکم اختلافات اور قوی اعتراضات کا باعث بنے ہوئے ہیں، مختلف پہلوؤں سے مثبت اور علمی اسلوب و نہج پر جن مسائل کی باقاعدہ تحقیق و تنقیح ہو چکی ہے، انھیں بھی غرض پسند مستشرق اپنی کجی اور گمراہی سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔

ان کی ایک جماعت ضعیف بنیادوں پر کسی گندم رائے یا مطعون قول پر متفق ہو جاتی ہے اور اسے صحیح باور کر کے تعلیم یافتہ لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت کرتی ہے، لیکن اصلی عربی ماخذ پر مبنی دوسری تحقیق اس کو دلیل و برہان سے غلط ثابت کر دیتی ہے۔

در اصل اختلاف رائے اور چیز ہے اور تحقیقی کجی، گمراہی اور بے راہ روی اور چیز ہے، اختلاف رائے کی صورت میں اس کا امکان ہوتا ہے کہ بحث و تحقیق کرنے والا کسی مرجح رائے یا یقینی نتیجہ تک پہنچ جائے اور شک و تردد کے بندھن سے آزاد ہو کر خود اپنے تئیں صحیح فکر اور متوقع نتیجہ کی تلاش و تفتیش کر لے۔ لیکن تحقیقی گمراہی اور بے راہ روی میں نہ کوئی دلیل و سند ہوتی ہے اور نہ اس سے فہم سلیم کا پتہ چلتا ہے جو کسی طالب حقیقت انسان کے اندر ہوتی ہے، تعارض کی اصل و بنیاد ہو تو اس میں تطبیق کی گنجائش ہوتی ہے مثلاً یہ ممکن ہے کہ بعض محدثین کسی وجہ سے ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوں اور دوسرے اسے صحیح مانتے ہوں کیونکہ ان کے نزدیک دلائل سے اس کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں گروہوں کے نزدیک نقد کے کچھ اصول اور قواعد ہیں، ایسی صورت میں ظاہری تعارض کے رفع ہو جانے کا امکان ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسراء و معراج روحانی ہوئی تھی، مگر دوسرے محققین کا استنباط یہ ہے کہ معراج روحانی کے ساتھ جسمانی بھی تھی ثبوت میں دونوں نصوص و دلائل پیش کرتے ہیں ایسے

موقع پر غالب گمان یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تعارض رفع ہو جائے۔

رہی تحقیقی بے راہ روی اور تضاد بیانی تو اس میں علمی ذمہ داری اور یا اندازہ بحث و تحقیق نہیں ہوتی اس لئے جدال و خصومت کی نوبت آجاتی ہے، جس کا نتیجہ کینہ و کدورت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اس میں نہ کوئی ممتاز حجت و دلیل ہوتی ہے جو دوسری حجت و دلیل پر غالب آجائے اور نہ روشن فکری موقف ہوتا ہے، جو دوسرے دلائل اور سببہ موقف کو واضح کر دے، بلکہ پراگندہ رائیں اور متضاد و مختلف اقوال ہوتے ہیں جو کسی حقیقت پر مبنی نہیں ہوتے۔

یہاں پہنچ کر بحث و تحقیق کرنے والے کے ذہن میں اس طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں، کہ آخر دلیل کیا ہے؟ اس رائے کی علمی قدر و قیمت کیا ہے اور اختلاف و نزاع کے موقع پر تطبیق کی کیا صورت ہوگی اور اس کی قریب و بعید مقصود و غیر مقصود مدلولات کیا ہیں؟ مگر مستشرقین کے تعارض، تضاد اور بے راہ روی کے دائرہ میں یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔

یہاں ہم نے ایک پہلو کی وضاحت کی ہے، اس سے اختلاف رائے اور تحقیقی بے راہ روی و تضاد بیانی نیز معروضی و علمی مناقشہ اور بیدال و تعصب پر مبنی مناقشہ کے فرق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مزید تفصیل کا موقع نہیں ہے اس لئے اب مستشرقین کے باہمی تضاد اور بے راہ روی کی بعض صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

**اسلامی تاریخ کے بارہ میں بے راہ روی** | ایک مستشرق بکر اسلامی تاریخ اور اس کے

مؤلفین کی نسبت لکھتا ہے کہ اسلامی فتوحات کے بارہ میں عربوں کی کتابیں جھوٹ کا انبار اور غلطیوں سے پُر ہیں، تاریخ کے مسائل اور واقعات کے زمانے کی ترتیب میں وہ خاص طور پر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں دوسرے مستشرقین جین نے بھی یہ کہہ کر اس کی تائید کی ہے کہ تاریخ میں مہارت و کمال کا ایشیائی قوموں میں فقدان ہے کیونکہ وہ نقد و فلسفہ کے اصول و قوانین سے ناواقف ہیں۔

تعصب، عداوت اور کینہ سے بھرے ہوئے ان جانبدارانہ اقوال کے مقابلہ میں سید یللو اور براون کہتے ہیں کہ عربوں سے عمدہ اور بہتر تاریخ آج تک غیر عربوں نے نہیں لکھی، (۱) نللینو نے بھی تاریخ نگاری میں عربوں کی دقت نظر اور باریک بینی کی شہادت دی ہے وہ لکھتا ہے کہ انھوں نے تاریخ کے مختلف اصول اور طریقے وضع کئے ان کا ایک طریقہ تو یہی ہے کہ وہ سال بسال سنین کا ذکر کرتے ہیں، دوسرے بقدر استطاعت سیاق کے اعتبار سے حوادث و واقعات کی روایت کی

(۱) بحوالہ مجلہ مجمع علمی العربی، دمشق، ج ۱۱، ص ۶۶۸، ۱۹۳۱ء

جوانب اعتناء کرتے ہیں۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عوامل، آپ کی انسیات، بعثت سے قبل کے میلانات اور علالت و وفات کے اسباب کے بارہ میں بھی اسی قسم کی بے سرو پا باتیں کہی گئی ہیں جنہیں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے تفصیل سے قلمبند کیا ہے، (۲) ہم دو ہی باتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

**بعثت سے قبل کے میلانات** | ڈوزی کا بیان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مزاج

سوداوی تھا، آپ برابر خاموش رہتے تھے، تمباطویل سے سیاحت سے آپ کو رغبت تھی، مکہ کی وحشتناک گھاسیوں کے اندر غور و فکر میں غرق رہتے تھے، (۳) پادری لامانس نے تمام حقائق کو بالائے طاق رکھ دیا ہے، وہ اس کی تردید میں لکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلوت گزریں اور معتکف ہونے کا کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا۔ (۴)

**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور موت کے اسباب** | لامانس نے اپنی اسلام

دشمنی کے جذبات کو تسکین دینے کے لئے جو کچھ لکھا ہے اسے معقولیت، حقیقت اور تاریخ سے کوئی تعلق نہیں، وہ کہتا ہے ”محمد کی شہوانیت حد سے بڑھی ہوئی تھی، ان کا جسم مرغوب اور لذیذ غذاؤں کی وجہ سے موٹا ہو گیا تھا، اعضا بے حس و حرمت ہو گئے تھے، اور سکتے کی بیماری کی وجہ سے آپ خونخوار اور ڈراؤنے معلوم ہوتے تھے۔“

اس کے بالکل ہی برخلاف دوسرا مستشرق بینیہ سفلا لکھتا ہے کہ بعض دفعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جسم پر بھوک کی وجہ سے شدید ضعف کے اثرات نمایاں رہتے تھے، لگاتار دو روز تک بندیانی بخار میں مبتلا رہنے کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔

تیسرے مستشرق کلیمان ہیار نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کا بیان ہے کہ محمد کے پیچھے میں سوزش اور جلن کے عوارض ظاہر ہوئے، اس بنا پر آپ کے قوی نہایت تیزی سے کمزور ہو گئے، (۵) پادری باردو کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک یہودی عورت نے زہر کھلا دیا تھا، اس کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔ (۶)

ڈاکٹر عبدالحلیم ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”اد پر جو کچھ نذر ہے اسے ملاحظہ

(۱) اسلام اور عربی ثقافت ص ۳۴۳ (۲) یورپ اور اسلام، ص ۸۸ تا ۹۳ (۳) اندلس کے مسلمان ص ۱۸۳

(۴) ملاحظہ ہو اس کی کتاب ”کیا محمد سچے تھے“ ص ۱ (۵) ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب تاریخ العرب، ج ۱،

ص ۱۸۱ (۶) علامات محمد ماہی و ماہی متھا، ص ۱۷۱

کرنے کے بعد کیا ہم مستشرقین کے آراء پر اعتماد کر سکتے ہیں، حالانکہ ہم نے ان کے بے شمار اختلافات میں سے نہایت تھوڑے سے اختلافات ہی بیان کئے ہیں، ان سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خود ایک مستشرق ہی دوسرے مستشرق کی بنیاد ڈھادیتا اور اس کے خیالات کی تردید کرتا ہے۔

**سیرت نبویؐ سے متعلق بعض مسائل میں مستشرقین کی بے راہ روی اور تضاد بیانی**

لفظ محمد اور محمدیت کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں، بوڈلے کہتا ہے "لفظ محمد (Nammeth) اصنام کے معنی میں مستعمل ہے اور اسی سے کلمہ (Mahomerie) مشتق ہے اور کلمہ (Mumerv) مصدر کے طور پر بتوں کے لئے اور بتوں کی پرستش کے لئے محمدیت (Mametry) آتا ہے، (۱) جو ان سلسلہ کے اس بیان پر نقد و تعقب کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ اس تعریف و تشریح کے نتیجہ میں محمد اور محمدیت مبعوض اور ناپسندیدہ نام ہو گئے ہیں جب کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ ترک یعنی مسلمانوں کے دین میں بتوں کی پرستش حرام ہے، بوڈلے نے محمدیت کی جو تعریف کی ہے اس کی تردید کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اتباع نے اپنے قائد کا مکمل احترام و توقیر کرنے کے باوجود کبھی محمدی یا محمدیت کی اصطلاح استعمال نہیں کی ہے بلکہ وہ اس نام سے ہمیشہ احتراز کرتے رہے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس دین کی اساس و بنیاد رکھی اس کو اختیار کرنے والوں کی تعبیر ہمیشہ لفظ مسلم سے کی جاتی ہے، جس کے معنی اپنے آپ کو مشیت الہی کے حوالہ کرنے والے کے ہیں، پھر وہ آپ کے زبد کا تذکرہ کرتا ہے اور آپ کے دوسرے بشری اوصاف و کمالات نیز آپ کی قائدانہ اور پیغمبرانہ خصوصیات کو گناتا ہے اور آخر میں آپ کی زندگی میں ہونے والی آپ کی کامیابی کو بیان کر کے کہتا ہے کہ یہ غیر ذمہ دارانہ بیانات آپ کی شان سے کس قدر بعید ہیں۔



مستشرقین کے اعتراضات کی نشر و اشاعت کس طرح ہوتی ہے

اور

ان کی نوعیت، اغراض اور خاص محور

ترجمہ

مولانا ضیاء الدین اصلاحی

مستشرقین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے اعتراضات میں ملمع کاری کر کے انھیں بہت دلفریب اور خوشنما بنا دیا ہے، اور دنیا کے اسلام کے افکار و عقائد اور نظام تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہونے کے لئے عربی زبان میں ان کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ جو اسلامی مکتبوں (بک ڈپو) میں فروخت ہو رہے ہیں۔ بعض ممتاز اہل عرب اور مسلمان بھی ان کے خوشہ چیں ہیں، اور وہ ان سے استفادہ کے لئے مغربی ملکوں کا سفر کرتے ہیں۔ اور انھیں بھی اسلامی ملکوں میں آنے کی دعوت دیتے ہیں، اس قسم کے لوگ دراصل اسلامی افکار کی بنیادیں متزلزل کرنے میں مستشرقین کے شریک و معاون ہوتے ہیں۔

دنیا کی موجودہ اقتصادی پالیسی اور حکومتوں کا وفاق بھی مستشرقین کے شکوک و شبہات کو پروان چڑھا رہا ہے، چنانچہ ان کے افکار و نظریات کی اشاعت کے لئے کثیر رقم خرچ کی جاتی ہے۔ پہلے ان کے خیالات مقامی زبانوں میں شائع ہوتے ہیں، پھر عربی اور دوسری زبانوں میں ان کے ترجمے ہوتے ہیں۔

مستشرقین کے طعن و تشنیع اور افترا پردازی سے اسلام، اسلامی تہذیب اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہے۔ وہ مکمل تیاری اور منظم منہ بے منہ بعد جب اسلام کے خلاف بہتان تراشی کر کے شبہات وارد کرتے ہیں تو ان کی حوصلہ

افزائی کے لئے عیسائی مبلغین اور استعمار پسند طاقتیں ان کو دنیا بھر میں پھیلائے اور عام کرنے کی اسکیمیں تیار کرتی ہیں اور کانفرنسیں منعقد کرتی ہیں۔ اسلام کو بدفطرن بنانے والے بعض مستشرقین سرکاری عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ اس طرح انہیں مادی استعمار کی تعمیر و استحکام اور اسلامی افکار کو مغربی سانچے میں ڈھانسنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، ان دونوں چیزوں کی تکمیل کے لئے وہ عربوں اور مسلمانوں میں سے اپنے ان معاونین کا انتخاب کرتے ہیں جو فکری اور علمی حیثیت سے ممتاز ہوتے ہیں، اور جو ان کے مادی و فکری موقف کو درست ثابت کرتے ہیں۔ یہ صورت حال انڈونیشیا میں ہالینڈ کے غالب، عربی ملکوں میں برطانوی اور فرانسیسی استعمار اور خصوصاً مصر پر یپولین اور اجزاؤ و مغرب پر فرانس کے حملہ کے زمانہ میں پیش آچکی ہے، مستشرقین کے اعتراضات و الزامات کے نشوونما پانے اور ان کے نشر و اشاعت کے خاص اسباب و ذرائع یہ ہیں۔

(الف) گرجا اور عیسائی مشنریاں | سویڈن کوئی نے ”وین جی کی بحث و تحقیق“ کے نام

سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بالکل مسخ کر کے پیش کی گئی ہے، مصنف نے عصیت اور صریح جاہداری سے کام لے کر اسباب بیان کے بغیر جارحانہ اور حکمانہ انداز میں ائمہ احناف کے عقائد کئے ہیں، وہ لکھتا ہے ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اخلاق، شرافت و خیر باد کہہ کر اپنے پیروؤں کے ہاتھ میں تلوار رکھی، بدکاری اور لوٹ مار کی ان کو کھلی تپوٹ دی، اور جنگ میں ہلاک ہونے والوں کو اس کی بشارت سنی کہ انہیں ان کی لذت و راحت نصیب ہوگی۔“ ایسی صریح کذب بیانی اور زیادہ گوئی کے بعد مستشرقین صحیح دینی و تاریخی حقائق سے اس طرح واقف ہو سکتے ہیں۔

اڈیسون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دو بہتان تراشے ہیں۔ اول یہ کہ آپ انجیل سے واقف تھے، اور اسی سے اخذ و استفادہ کرتے تھے، دوم یہ کہ آپ کی انجیل سے واقفیت ناقص تھی اور آپ نصرانیت کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے۔ مگر اسی ناواقفیت اور نصرانیت کی بڑی ہوئی صورت پر آپ نے اپنے اس دین کی بنیاد رکھی جسے عربوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ عیسائی مبلغین نے یہ اور اسی قسم کے دوسرے غلط اور بیجا الزامات مستشرقین کے ذہنوں میں نقش کر دئے ہیں جس کے نتیجے میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر ایسے رکیک اور ناروا اعتراضات کئے ہیں جن سے ان کی سیرتیں اور شخصیتیں بالکل مسخ ہوئی ہیں۔

”عیسائی مشنریوں کے منصوبے بہت منظم، وسیع اور گونا گوں ہیں۔ وہ مشرق میں ان کی

اشاعت کے لئے مبلغین بھیجتی ہیں۔ امریکہ نے اس میدان میں سبقت کی اور بیروت، قاہرہ، استنبول اور دمشق وغیرہ میں اپنے قدم جمائے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اسی انداز پر اب تک مغربی افکار و اعمال کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ بائبلن گب اور چار مستشرقین کے مباحثہ میں اس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہونے والی کتاب ”اسلام کا نظریہ“ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(ب) مادی استعمار

مستشرقین کی فکری و اعتقادی کاوشوں پر استعمار پسند پورا اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں، اور ان میں مزید ایسے شکوک و اعتراضات کا اضافہ کرتے ہیں جن کا اسلام اور ذاتِ نبوی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ان کو اطمینان ہے کہ مسیحیت مشرق میں مغربی استعمار کی بنیاد ہوگی۔ اسی بنا پر وہ مشنریوں کے مشن کو ہموار اور وسیع کرنے کے لئے ان کی ہر ممکن امداد و اعانت کرتے ہیں، ان کے لئے مال و اسباب مہیا کرتے ہیں اور انھیں اقتدار و اختیار بھی عطا کرتے ہیں۔ راصل شروع میں مستشرقین عیسائی مبلغین اور راہبوں کے کندھوں پر سوار ہوتے ہیں، پھر وہ استعماریت سے اپنا تعلق قائم کرتے ہیں۔ اس طرح نتیجہ کے اعتبار سے مستشرقین کی تگ و دو کا مقصد بھی فکری استعمار ہے۔ وہ اسے مستحکم کرنے کے لئے دو طریقے اختیار کرتے ہیں۔ (۱) اسلام کی تاریخی اور عظیم الشان شخصیتوں کو مجروح اور کمتر قرار دیتے ہیں، جن میں سرفہرست خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور (۲) اس کے مقابلہ میں استعمار پسندوں کی شخصیتوں کو اہم اور برگزیدہ ثابت کرتے ہیں، اسی لئے استعماریت کے دور میں عالم عرب اور دنیائے اسلام کو استعمار پسندوں کے حالات اور کارناموں سے جس قدر واقفیت ہوئی اس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی، سیرت اور کارناموں سے نہیں ہوئی۔ جو لوگ استعمار پسندی کے اس دور کو دیکھ چکے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مستشرقین اپنے ان دونوں مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے یا تو کلیسا کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں یا پھر استعمار اور توسیع پسندوں کے اشتراک سے ریشہ دو انیاں کرتے ہیں، ان کو حق کی تلاش و جستجو سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ شبہات وارد کرنے اور پروپیگنڈہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور عیسائی مشنریوں اور مشرق میں ان کے نمایندہ مبلغین کے لئے ساز و سامان مہیا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے علوم، افکار، عقائد، اشخاص اور زبان و تہذیب کی اچھی طرح مذمت اور تنقیص کی جاسکے۔

(ج) تجارتی کمپنیاں

استعمار پسندوں نے عربوں اور مسلمانوں کے بیش قیمت علمی سرمایہ میں سے بہت کچھ چیزیں سرقہ کی ہیں، اس پر تجارتی اداروں اور کمپنیوں کا قبضہ ہے۔ اہل

عرب کو اپنے علوم و آداب کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ تھا، اس لئے انھیں نہایت سستے اور معمولی داموں پر اسے حاصل کر کے مستشرقین کی تحقیق و تفسیر کے بعد شائع کیا گیا، اور اشاعت کے لئے ایسی چیزیں منتخب کی گئیں جو غیر اہم اور فکری حیثیت سے زیادہ بلند پایہ نہ تھیں، تاکہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کی توجہ معمولی چیزوں کی طرف مرکوز ہو کر رہ جائے۔ پھر ان اداروں نے اسلامی تہذیب اور کلمچر کی کتابوں کی تجارت اپنے لئے مخصوص کر لی جس کا منافع مستشرقین پر خرچ کیا جاتا تھا تاکہ وہ ترتیب و تفسیر اور طباعت و اشاعت کا کام پوری دلچسپی اور سرگرمی سے انجام دے کر ان کے ناپاک عزائم کی تکمیل کر سکیں۔

تجارتی کمپنیوں کے پیش نظر دو طرح کے اغراض تھے (۱) اسلام کو مغربی اور اسلامی دنیا میں مسخ کر کے پیش کرنا اور اس کی شخصیتوں کو مجروح اور داغدار بنانا، اپنی امن ناپاک مہم کو فروغ دینے کے لئے وہ مستشرقین کو اسلام کے خلاف طرح طرح کے شبہات و الزامات کی کرید کرنے پر آمادہ کرتی تھیں (۲) اسلامی علوم کی کتابوں کا حق طباعت اپنے لئے مخصوص کر کے ناجائز کمائی کرنا۔

(د) معاشی و شخصی مستشرقین کو تفویض اس طرح بھی ملی کہ بعض لوگوں کے لئے رزق

کے دوسرے وسائل و ذرائع مسدود ہو گئے تو انھوں نے ان کا ساتھ دینا شروع کیا، کچھ ایسے بھی ان کے ہم نوا ہوئے جنھوں نے محسوس کیا کہ ان کی فکری و عملی صلاحیت دوسرے فضلا اور ماہرین علوم کے برابر نہیں ہے، اسی طرح بعض حضرات مسیحی سوسائٹی میں اپنی براہ راست ذمہ داریوں سے آزاد ہونے کے لئے بھی ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہوئے، غرض ان لوگوں کا مقصد اپنی کوتاہی اور فکری عجز و نقص پر پردہ ڈالنا اور حصول معاش تھا، کیوں کہ رزق و معیشت کے دوسرے وسائل و ذرائع کے مقابلہ میں یہ زیادہ آسان صورت تھی اور اس میں کم تگ و دو بھی کرنی پڑتی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جذبہ بھی ان بے شمار الزامات و شبہات کا سرچشمہ ہے، جو اسلام پر عموماً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصاً عائد کئے گئے ہیں، اوپر بیان کئے گئے اسباب کی جن اسلامی تصنیفات میں نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

المستشرقون، المستشرقون والدراسات الاسلامیہ، التبشیر والاستعمار، دفاع عن الاسلام، یہ تمام کتابیں ان کتابوں کی تردید میں لکھی گئی ہیں جو مستشرقین کے شکوک و شبہات اور آراء و افکار پر مشتمل ہیں۔ جیسے وجہہ الاسلام اور الغارۃ علی العالم الاسلامی، محبت الدین خطیب نے اخبار المومنین میں ان کا عربی ترجمہ کیا تھا، ان

سے عیسائی مشنریوں اور استعمار پسندوں کے منصوبوں اور عزائم کا پتہ چلتا ہے۔  
 رہی برتو کولات (پروٹوکول) صیہون (یہودی یادداشت) تو یہ ۱۸۰۵ء میں شائع ہوئی  
 مگر اس کی شہرت گذشتہ صدی کے آخر میں ہوئی۔ محمد شیخ تہنسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، اس  
 سے اخلاق و انسانیت کو رسوا و برباد کرنے، آسمانی عقائد کو ضعف و انحلال سے ہمکنار کرنے اور  
 نفرت و حسد کی آگ بھڑکانے میں یہودیوں کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے، اور دنیا پر غلبہ و تسلط حاصل  
 کرنے کے ان کے ناپاک عزائم اور ارادے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے  
 خلاف الزام اور شبہات غائد کرنے اور بغض و عداوت پھیلانے میں یہودی مستشرقین کی ریشہ  
 دو انیاں زیادہ خطرناک ہیں، وہ اپنے مذہبی احکام کے مجموعہ تالمود کو خدا کی وحی سے بھی زیادہ مقدس  
 اور برتر مانتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تورات سے ماخوذ بتاتے ہیں۔  
 دوسرے یہودی مستشرقین بھی اسی قسم کی سہ سر و باہا تمیں کہتے ہیں۔ قرآن و احادیث نبوی کا مذاق  
 اڑاتے ہیں اور اسلامی عقائد و احکام کا استخفاف کرتے ہیں۔

(ب) علمی و تہذیبی | بعض ذاتی و طبعی اسباب و ذرائع سے بھی مستشرقین کے خیالات کی  
 نشر و اشاعت ہوئی، کیونکہ کچھ فارغ البال لوگ اس لئے مشرقی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کو  
 سیر و سیاحت سے طبعی دلچسپی ہوتی ہے، اور وہ دنیا کی قدیم تاریخ و تہذیب سے واقف ہونے کا  
 شوق رکھتے ہیں۔

اعتماد پسند گروہ کی مفید خدمات | یہ تسلیم کرنا چاہئے اعتماد پسند مستشرقین کے

ایک گروہ نے سیرت نبوی کے قدیم و اولین ماخذی ترتیب و اشاعت کا کام بھی انجام دیا ہے، اس  
 سلسلہ میں ابن ہشام کی سیرت، واقعہ کی کتاب المغازی، ابن اثیر کی الکامل اور طبری کی تاریخ کا  
 نام لیا جاسکتا ہے۔ مستشرقین نے ان پر حواشی و تعلیقات لکھے اور ان کو متعدد دفعہ تیس مرتب کرنے  
 دوسروں کو مزید کاوش سے بے نیاز کر دیا ہے۔ انھوں نے اکثر کتابوں کے مللی زبانوں میں تراجم  
 بھی کر دئے ہیں تاکہ بحث و تحقیق کرنے والوں کو ان سے مدد مل سکے اور وہ ان کی جانب رجوع  
 کر سکیں۔

بہر حال اس گروہ نے تاریخی سرمایہ اور خاص طور پر سیرت نبوی سے متعلق کتابوں کی  
 نشر و اشاعت میں سعی بلیغ کی ہے اور محنت و دیدہ و ریزی کے علاوہ اپنا خطیر سرمایہ بھی لگا دیا ہے۔  
 کئی کئی افراد نے ایک کتاب کو متعدد جلدوں میں مرتب کرتے ہیں، اکثر محققین عامائے اسلام ان

کی ان کاوشوں کے مداح اور شکر گزار ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر نجار نے مذاہب التفسیر الاسلامی اور شیخ احمد شاہ نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدموں میں اس کا اعتراف کیا ہے اور محمد کر و علی نے بھی ان کی کوششوں کے نتائج کو سراہا ہے۔

اس جماعت کی کاوشوں سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ جب سیرت نبویؐ کے اولین ماخذ مکمل صورت میں چھپے اور ان کے محققانہ نسخے دوسرے مستشرقین کے ہاتھوں میں پہنچے تو سیرت نبویؐ کا مطالعہ و تحقیق اچھے اور بہتر انداز میں کیا جانے لگا اور اس کے مفید نتائج بھی سامنے آئے۔

یہ گروہ ایسا ہے جو بحث و مطالعہ کا صحیح رخ متعین کر کے اصل تاریخی حقائق تک پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن عام اور بڑی جماعت کی عصبیت و جانبداری کا وہی حال ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مستشرقین کے اعتراضات و الزامات استعمار پسندوں اور عیسائی مشنریوں اور مبلغین کے مضبوط یا ہمیں تعاون کے نتیجے میں وجود میں آئے اور پروان چڑھے ہیں، ان کا مشترکہ پروگرام اور مقصد یہ ہے کہ عربی اور اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور سیرت مبارکہ کو مغربی افکار کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔

**شکوہ و الزامات کی نوعیت** ، گو مستشرقین کے تمام شبہات و اعتراضات کی نوعیت متعین اور ایک ہے۔ تاہم آسانی کے لئے انہیں حسب ذیل صورتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

**فکری** انہیں مندرجہ ذیل وجوہ سے فکری کہا جاسکتا ہے۔

(الف) یہ انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہیں اور ان کی بنیاد ذہنی وسائل پر ہے۔

(ب) ان میں انسانی نفسیات کے خواہش کی بحث و کرید اور ان کے طول و عرض کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ ان پر عائد ہونے والے اشکالات کا ازالہ کیا جائے۔

(ج) یہ اسلامی فکر کو متزلزل کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت و شخصیت کو مسخ کرتے اور بگاڑتے ہیں جو منصب نبوت پر فائز اور قیادت و سیادت کے لحاظ سے بہترین نمونہ تھی۔

(د) رسولؐ کے بارہ میں عربی و غیر عربی افکار میں تردد اور شکوک پیدا کرتے اور ان کی جانب سے لوگوں کو متنفر اور بیزار کرتے ہیں۔

(ه) ایک طرف حق کی تائید و حمایت کرنے والے جذبات و افکار کو مضمحل اور پست کرتے ہیں اور دوسری جانب ناپاک اور خود غرضی پر مبنی افکار کے ذریعہ شبہات کے دائرہ و وسعت بڑھاتے ہیں۔

(و) اس اعتبار سے بھی ان کو فکری کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی اصل اور تمام تر بنیاد فکر پر ہے، اور اس فکر اور ذہنی مفہوم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و جہاد کے ذریعہ آبیاری کی ہے، اس بنا پر آپ کی ذات، شخصیت، سیرت اور سنت کے بارہ میں جو بھی طعن و تشنیع کیا جائے گا وہ اسلامی فکر ہی کے بارہ میں مچھا جائے گا۔

**دینی** | یہ شبہات ان حیثیتوں سے دینی دائرہ میں آتے ہیں۔

(الف) ان کا خاص تعلق احادیث نبوی سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر و ارشاد کا مجموعہ اور اسلام کا دوسرا اہم ماخذ و مصدر ہے۔

(ب) احادیث کے بارے میں یہ وہم اور غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ ان میں بیان کئے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار و اعمال آسمانی کتابوں یا انسانی سرچشموں سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ایسی غلط اور مادی تفسیر و تعبیر کرتے ہیں جس سے شجاعت، ذہانت، عبقریت اور آزادی فکر کو اس کی جانب منسوب کیا جاسکے مگر وہ وہی وربانی کمالات سے تمام تر غاری ہو۔

(د) کبھی اسلام میں تضاد اور کبھی اس میں تطبیق دے کر لوگوں کے دلوں میں شک و تذبذب پیدا کرتے اور رسالت پر عقیدہ و ایمان کو متزلزل کرتے ہیں، جب کہ اسلام کا جیتا اور جاگتا نمونہ خود نبی اکرم ہی کی زندگی اور ذات ہے۔

(ه) وحی و نبوت پر مستشرقین کے طعن و تشنیع کا خاص سبب یہ ہے کہ یہ رسول کے اوصاف و کمالات میں سب سے نمایاں اور اہم و صغیر ہے، اگر اسی کو مشکوک اور شبہ کر دیا جائے تو دوسرے تمام اوصاف و کمالات خود بخود بے حقیقت ہو جائیں گے۔

(و) اعتراضات کا تعلق دین کے سب سے مہتم بالشان مسائل سے ہے، کیونکہ یہ آپ کے عقیدہ، فکر یا طرز زندگی اور جہاد وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں اور ان میں شبہ واقع ہونے کے باعث خود مسلمان بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

**تاریخی** | ان اعتراضات کی نوعیت تاریخی بھی ہے کیونکہ۔

(الف) یہ ان تاریخی واقعات سے پیوستہ ہیں جن کا تعلق اسلام سے قبل و بعد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہے، بلکہ تاریخ کی ابتدا و انتہا سے بھی۔

(ب) یہ تاریخ کو اس کے اصلی موضوع سے ہٹا دیتے ہیں اور ان سے تاریخ کے علمی و واقعاتی

کے بجائے ذاتی رجحان و مطالعہ کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

(ج) یہ الزامات چند مفروضوں اور تاریخی شکوک کے ارد گرد گردش کرتے ہیں، حالانکہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک کی پوری زندگی نہایت واضح اور روشن ہے۔

(د) ان شبہات نے بعض تاریخی حقائق کو بھی افترا پردازی اور گمراہی میں مخلوط کر دیا ہے، اس

بنا پر حقائق و غیر حقائق، تحلیل و اعتراض اور تاریخ و افسانہ میں حد فاصل قائم کرنا اور امتیاز کرنا بہت

مشکل ہوتا ہے

(ه) تاریخ کا مقصد اللہ کی جانب انسانیت کی رہنمائی ہے، جیسا کہ آرنلڈ ٹومین نے اپنی

مشہور کتاب ”نظریہ تاریخ“ میں لکھا ہے، اس لئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تاریخ

مطعون کر دی جائے، تو رہنمائی کی کون سی راہ باز ہو سکتی ہے؟

(و) دل ڈیورانت نے ”تمدن کی کہانی“ میں لکھا ہے کہ ”تاریخ انسانی تمدن کے کمال و زوال

اور جائزہ و مطالعہ کا نام ہے۔“ اس بنا پر اگر اسلامی تمدن ہی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گیا،

اور اسے دفن کر دیا گیا تو تمدن کی اس سے بڑھ کر اور کیا تھمیر ہوگی۔

مستشرقین کے اعتراض و الزام کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ

(الف) مسلمانوں کی اعتقادی، فکری اور اخلاقی زندگی کو ڈھانے اور اکھاڑنے میں اس کا بڑا حصہ

ہے، یہ ایسے بہادروں اور ایڈروں کی زندگی کو محبوب بنا کر ان کے سامنے پیش کرتا ہے، جن کے

اصول و ضوابط اور طور و طریق کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(ب) یہ موجودہ دنیائے اسلام کا اس کے ماضی سے فکری، شعوری اور تاریخی رشتہ کاٹ کر اسے

بہت حقیر و گھٹیا بنا کر پیش کرتا ہے، حالانکہ مستشرقین کو معلوم ہے کہ جدید اسلامی فکر اس اسلامی فکر کا

ثمرہ اور نتیجہ ہے، جس کی بنیاد قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے رکھی ہے۔

(ج) یہ انسانی زندگی کے اس روحانی پہلو کو مسما کر دیتا ہے، جس کا سب سے اعلیٰ اور مکمل نمونہ

مسلمانوں کے رہنما اور پیغمبر کی زندگی میں تھا، اور اسے تاریخ کے خوبصورت فریم اور چوکھٹے میں

منجمد کر دیتا ہے۔

(د) وہ جہاد اور احکام اسلامی کو ناقابل عمل اور مشکل بتاتا ہے، اس بنا پر فکری و عملی زندگی کی

تجدید اور نشاۃ ثانیہ کا نعرہ بلند کر کے مسلمانوں کی امیدوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

(ه) وہ ایسے رہنماؤں اور قائدوں کو نمایاں اور ممتاز قرار دیتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کے قائدانہ اوصاف اختیار کرنے کے بجائے فکری، اعتقادی اور اجتماعی حیثیت سے مغربی قائدین کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

(د) انور جندی نے ان گونا گوں خطرناک شبہات کی خصوصیات کی نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں کہ مغرب کا سب سے خطرناک ارادہ اور منصوبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا دل و دماغ توحید، اخلاق، روحانیت اور ایمان سے عاری ہو کر اس تیز و تند ہوا کے سامنے آجائے جو تعلیم، صفحات، ادب، فلم اور لباس وغیرہ کے راستہ سے زہر بکھیر رہی ہے۔ ان چیزوں کے مسموم اثرات سے ایسی نسل تیار ہو رہی ہے، جو تخریب اور بربادی کی طرف اس کو ترقی و تمدن کا نام دے کر چلی جا رہی ہے، اور اسلامی تاریخ و تہذیب اور اس کے اصول و مبادی کو مسخ کر کے مستشرقین و مبلغین کی پیروی کر رہی ہے اور ان ہی کی طرح اس دور کو حقیر اور کمتر خیال کر رہی ہے، جو تاریخ عالم کی نمایاں اور مفید خدمت انجام دے چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کے ناقص اور فروتر ہونے کا احساس و شعور پیدا کر رہی ہے۔

اسلام پر الزام تراشی کے اغراض و مقاصد

عیسائی مشنریوں اور استعمار پسند کھل کر

مسلمانوں پر اثر انداز اور حاوی ہونے کے درپے ہیں، اس کے لئے وہ کانفرنس اور اجتماعی، ادبی اور طبی اجلاس کرتے ہیں، لیکن مستشرقین کے اغراض و مقاصد علم و معرفت کے غلاف میں لپٹے ہوتے ہیں۔ صرف کبھی کبھی ان کی غرض و غایت نمایاں ہوتی ہے۔ ان کا نشانہ اسلام کے تمام احکام و مسائل اور اس کی شخصیتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سرفہرست خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ اسلام کے خلاف طعن و تشنیع اور افترا پردازی کے پیچھے جو جذبات و مقاصد کارفرما ہیں ان کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

۱۔ نصرانی قبائل اور اسلام کے درمیان حائل ہونا

اسلام کو مسخ کرنے اور اس کے

محاسن پر پردہ ڈالنے سے ان کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کو باور کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں نظام حیات بننے کی صلاحیت نہیں۔ صلیبی جنگوں کے بعد ہی سے یہ بات دہرائی جا رہی ہے، قرآن مجید کے ترجمے بھی یہی ثابت کرنے اور اس کے اندر نقص نکالنے کے لئے کئے گئے ہیں۔ اہل یورپ کے اندر عثمانیوں کے یورپ پر چھا جانے کے بعد اسلام کے خلاف کراہیت، نفرت اور ذہنی جنگ کی مستقل فضا پیدا کر دی گئی ہے اور اسلام کے نافذ العمل ہونے کے بارہ میں انھیں شکوک و شبہات میں ڈال دیا گیا ہے۔

## ۲۔ مسلم ممالک کو نوآبادیات بنانے کی سازش

دوسری غرض یہ تھی کہ جہاد کی

تاویل و توجیہ کر کے مسلمانوں کو اس کی جانب سے غافل کر دیا جائے اور انھیں عافیت و آرام پسندی کا درس دیا جائے تاکہ اسلام کی قوت مقابلہ پاش پاش ہو جائے۔ اور جنگ و جہاد کی خوگر قوم کو عبادت و ریاضت میں مشغول کر کے یہ باور کرایا جائے کہ جہاد اکبر یہی ہے، اس سلسلہ میں مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا اور اسلامی سلطنتوں کے حصے بخرے کر دئے گئے، مسلمانوں کی سوسائٹی سے معاشرت و سیاست کے اسلامی قوانین معطل کر دئے گئے اور مغرب کا مکمل تسلط قائم کرنے کے لئے اسلام کے قانونی، سیاسی اور تربیتی نظام میں خلل ڈال دیا گیا۔

## ۳۔ مسلمانوں کو ان کی اصل پیادوں اور سرچشموں سے دور کر دینا

اسلام کے اصول تبدیل کر کے مسلمانوں کو ان کے سرچشموں سے دور کر کے اور ان کی انفرادی، اجتماعی، نفسیاتی اور عقلی خصوصیات ختم کر کے انھیں استعماری فکر و تہذیب کے سامنے سرنگوں کر دیا گیا۔ اس طرح مسیحی تبلیغ و دعوت کو ان کے عقائد و نفوس میں پیوست کرنے کا دروازہ کھل گیا اور بہت سے کمزور عقیدہ کے لوگ الحاد میں مبتلا ہو گئے۔

## ۴۔ دنیائے اسلام کو کمزور اور پسماندہ بنانے کی اسکیم

مستشرقین عالم عرب اور دنیائے اسلام کو پس ماندگی اور بد حالی سے ہمکنار کر کے اس پر اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ ان کی پس ماندگی کا سبب اسلام کی پیروی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے، اس مقصد کے لئے انھوں نے اسلام، اسلامی اصول و قوانین، اس کے تصور عبادت، نظام اور تاریخ کے بارہ میں بے شمار شبہات و الزامات گڑھے ہیں، استعمار پسندوں کا یہ دعویٰ بالکل کھوکھلا ہے کہ عربوں اور مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کی وجہ اسلام ہے، علم و تاریخ کی میزان اور کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اس کا کھوٹ بالکل واضح ہو جاتا ہے، اس لئے صحیح تو یہ ہے کہ بنیادی طور پر عربوں اور مسلمانوں کا انحطاط اسلام سے انحراف کا نتیجہ ہے، اگر اسلام کے درست نظریے اور بنیادی اصول کو وہ اختیار کئے ہوتے تو اس مشکل میں نہ پھنستے۔

ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف اکثر اہل مغرب مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور فکری و مادی قوت کے دوبارہ عود کرنے سے خائف اور لرزدہ براندام ہیں، انھیں اندیشہ ہے کہ اسلام اور اس کے امتیازی اصول و شخصیات مغربی دنیا کا استیصال کر دیں گے، اور مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ معمورہ ارضی کے دور دراز گوشوں تک وسیع ہو جائے گا۔ لارنس براؤن کہتے ہیں ”مغربی

استعمار کے لئے اصلی خطرہ اسلام اور اسلامی نظام کے احیاء میں پوشیدہ ہے، کیونکہ اس کے اندر چھا جانے اور سب کو سرنگوں کر دینے کی صلاحیت موجود ہے۔ ”انور جنیدی لکھتے ہیں ”یہ کہنا بجا ہے کہ اگر ہم اسلام کے اصول و مناجح کو مضبوطی سے اختیار کر لیں اپنی قدر و قیمت کو پہچان لیں اور اپنے امتیاز و تشخص کو برقرار رکھیں تو ہم کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، ہمارا وجود استعماری اور نوآبادیاتی دور میں اور اس کے بعد بھی صرف عمدہ فریم میں بندر ما اور موثر اور موزوں نہ بن سکا۔

**۵۔ سنت نبوی کو عضو معطل کر دینا** | مستشرقین کی یہ کوشش بھی ہے اور وہ اسے لوگوں

کی نظر میں صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و توجیہات اور آپ کی قیادت و رہنمائی دور جاہلیت کی برائیوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے تو موزوں اور مناسب تھی۔ لیکن اب یہ مرحلہ ختم ہو چکا ہے، دور حاضر کی اخلاقی و اجتماعی قیادت اور اعتقادی اصلاح کے لئے اسلام کو گھسیٹنا درست نہیں، کیونکہ دونوں زمانے میں بڑا فرق ہے، وہ احادیث کے خلاف افترا پردازی کر کے مسلمانوں اور عربوں کو بھی ان کی جانب سے بدگمان کر دیتے ہیں، جو عقلی احادیث کو ہدف بنا کر تناقض کے متعلق لکھتا ہے ”زمانہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کی مرویات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا، مسلمانوں کا ہر فرقہ اپنی تائید کے لئے احادیث گڑھتارہا، اس طرح ہر شخص کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی رائے کو کسی نہ کسی حدیث کے موافق ثابت کر دے، یہی وجہ ہے کہ موضوع و تناقض حدیثوں کی کثرت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی سنت کے بارہ میں سخت متضاد حدیثیں پائی جاتی ہیں۔“

احمد شاہ مرحوم نے اس اعتراض کا بہت طویل جواب دیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وضائین و کذابین کی وضع و افترا سے انکار نہیں، یہ بھی تسلیم ہے کہ سچے راویوں کی بعض حدیثوں میں غلطیاں موجود ہیں، خود علمائے فن اور محدثین نے ان کی حقیقت واضح کر دی ہے، لیکن مقالہ نگار نے احادیث کی جو یہ تصویر پیش کی ہے کہ حلال و حرام اور طہارت و نظافت کے تمام مسائل ہی موضوع حدیثوں پر مبنی ہیں، اس سے تو اس کا سارا ذخیرہ ہی باطل اور مردود قرار پاتا ہے، اور اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کچھ فرمایا اور نہ کچھ کیا۔“

احادیث پر ان کی بہتان تراشی کے نمونے یہ بھی ہیں کہ بعض حدیثیں انجیل کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں، آپ نے آباء و اجداد کے طور طریقے بدل کر کچھ نئے طور طریقے جاری کر دیے، اسی طرح انہوں نے آپ کی نبوت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے آپ کے ان اقوال و بہت

نمایاں لیا ہے، جن میں بظاہر اتحاد معلوم ہوتا ہے تاکہ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنا سکیں، لیکن ہمارے ماہر محققین نے مدلل طور پر ان افتراء پر دلائل کا جواب دیا ہے اور عملی انداز میں مستشرقین کے باطل خیالات کی تردید کی ہے۔

شہادت و اعتراضات کا ثور و مرکز

مستشرقین کے سارے الزام کا محور دو ہے (۱) محمد نبی اور رسول نہیں تھے بلکہ حضرت ایک انسان تھے (۲) اسلام انسانی نتیجہ فکر اور ذہنی اختراع ہے وحی الہی نہیں ہے۔

اس معاملہ میں سب مستشرقین برابر اور یکساں ہیں، خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اجتماعی مصلح، منقذ و مبعوث ہی، بے مثال بہادر اور انسانیت کا قائد و رہنما سمجھتے ہوں یا آپ کو گھناؤنی عادتوں، بکر و فریب، پر خوری، ہوس رانی، شہوت، بزدلی، سنگ دلی، سفاکی اور خوں ریزی سے متہم کرتے ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ آسمانی کتابوں کی پیروی کرتے تھے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو ایجابی یا سلبی نظر سے دیکھنے والے مستشرقین بھی برابر ہیں، نیز جو آپ کی شخصیت کو اعدائے انصاف کی میزان میں تولتے ہیں اور جو بھونڈی اور مذموم اغراض کی میزان میں تولتے ہیں سب ہی برابر ہیں، کیونکہ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ عرب کے ایک فرد تھے اور جس طرح دوسرے اور آخری سرود سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مسلمانوں کی طرح آپ پر ایمان لائے گا۔ آپ کو نبی و رسول تسلیم کرے گا اور اسلامی فکر کا حامل ہوگا، اسی طرح پہلے گروہ سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی، البتہ مستشرقین کی ایک تیسری جماعت بھی ہے، جس کی حق گوئی، اعتراف حقیقت اور انصاف پسندی نے اسے اسلام قبول کرنے اور اسے قولاً و عملاً اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے اکثر تمام فکری دائروں میں اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دینے لگے۔

مستشرقین کے بعض اعتراضات کے شروع میں نبوت کے دفاع کا ذکر ہوتا ہے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور آپ کی بعثت سے پہلے اور بعد کی زندگی کو زیر بحث لا کر اسی پہلے محور کے تردید پیش جاتے ہیں، ابتدا میں تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر بات کو تسلیم کر لیں گے اور آپ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر بحث کر کے اس کی گونا گوں خوبیاں اور کمالات واضح کریں گے، مگر اس کے بعد بھی وہ اس امر کا اقرار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر بھگوان اسی طرح وحی نازل ہوتی تھی جس طرح گذشتہ انبیاء، حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، موسیٰ اور عیسیٰ

علیہم السلام پر اتری تھی۔ جن کی نبوت کے یہ لوگ بھی قائل ہیں۔ بیشک اسی کا نام عصبیت ہے اور جانبداری ہے۔

ان کا دوسرا محور یہ ہے کہ اسلام کسی مصلح یا عبقری شخص کے ذہن کی پیداوار ہے، حالانکہ نامور مستشرقین اور قانون کے ماہرین شاخت وغیرہ کو اعتراف ہے کہ قانونی حیثیت سے اسلام کو روٹن الاپرفوقیت حاصل ہے، اور وہ اکثر جدید قوانین سے بھی افضل و برتر ہے۔ اسی طرح وین و مذہب کے بعض ماہرین کہتے ہیں کہ اسلام کا عقیدہ توحید و اربعیت و حقیقت کے اعتبار سے کسی بھی دوسرے آسمانی عقیدہ و تصور سے ممتاز ہے۔ اسلامی عبادات کے بعض اعمال کو بعض لوگوں کی نظر میں جاہلیت کی یادگار میں، اور وہ انھیں قدیم مشرقی مذاہب کے مانوؤں سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ مانتے ہیں کہ ان کا خاص مقصد انفرادی و اجتماعی اصلاح ہے۔ رہے اخلاق و معاملات تو بعض لوگ انہی کو اصل اور تمام اسلام قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے اندر انسانیت کی بنیادی قدرو قیمت کی ضمانت ہے، جیسے آزادی، عظمت و کرامت، احسان و مہربانی اور زندگی کی مخالفت وغیرہ، ان حیثیتوں سے اسلام دوسرے مذاہب میں منفرد ہے، اسی طرح اسلام کے اقتضائے انسانی خاندانی اور اجتماعی نظام، قانون قضا اور نظم مملکت سے بھی اس کا بہت روشن پہلو سامنے آتا ہے، اور اسلام اپنے اسی تمدن و شایستگی کی وجہ سے گذشتہ زمانہ میں زمین پر حکمرانی کرتا رہا ہے اور اب بھی اس میں زندگی اور نسلی صلاحیت رکھنے والی ایسی قدریں ہیں، جن کی بدولت وہ از سر نو زمین پر حکومت و فرمانداری کرے گا۔

یہی وہ محور مرکز ہیں جہاں سے پھر الزامات کا رخ یہ سمت نبوی کی جانب ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں بھی ہم مستشرقین کے ان دونوں گروہوں کو یاد رکھنے چاہیے جو اسلام سے انصاف و محامد بیان کرتے ہیں یا اس کے معائب و مشائب کی کریہ کرتے ہیں اور اس پر نکمہ، آزادی اور حلی چھوٹ دینے، غلامی کی مانع بنانے، عورتوں کے حقوق منسب کرنے، ترمیم و شناخت سے عاری ہوئے اور اسی نوعیت کے بہت سارے اسلام کے اصول و قوانین سے میل و مطابقت نہ رکھنے والے الزامات عائد کرتے ہیں۔

اب ہم ان کے سیرت نبوی پر بعض اعتراضات کا جائزہ لیں گے۔

آپ پر بحیثیت آدمی کے اعتراضات

مستشرقین کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خلف نبوت کی تہمتیں لگائی گئی ہیں، سب سے پہلے آدمی کی حیثیت سے آپ پر جو

امتہ انصاف کے گئے ہیں ان کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) پر خوری کا الزام | لامانس کہتا ہے ”آپ بڑے پُر خور تھے، آپ کا جسم لذیذ اور

مرغوب کھانوں کی وجہ سے بھاری اور موٹا ہو گیا تھا۔“ مگر کھانے کے بارہ میں آپ کے جو عام اور

مشہور آداب بیان کئے گئے ہیں اور جو مورخین کے نزدیک بھی ثابت و تسلیم شدہ ہیں، یہ قول ان کے

بالکل برعکس ہے۔ آپ کی حالت تو یہ تھی کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر کبھی جو کی روئی بھی پیٹ

بھر کر نہیں کھائی، پانی اور روئی ہی اکثر آپ کی غذا ہوتی تھی، انھیں آپ اسودین<sup>(۱)</sup> کہتے تھے،

حافظ ابن قیم جوزی فرماتے ہیں ”کھانے میں آپ کا معمول اور عادت مبارک یہی تھی کہ موجود کو

مسترد نہ کرتے اور غیر موجود کے لئے زمت نہ دیتے، جو میسر ہوتا اسے تناول فرماتے، ورنہ

صبر کرتے، بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، مہینوں گزر جاتے اور آپ کے گھر میں آگ

بھی نہ جلتی۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے مقدم بن معدی کرب کی یہ روایت نقل کی ہے، اور

اسے حسن بتایا ہے، اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے

لئے پیٹ بھرنے سے زیادہ خراب کوئی اور برتن بھرنا نہیں ہے، اس کے لئے چند لقمے کافی ہیں،

جو اس کی پیٹھ کو سیدھی رکھیں، اگر کوئی شخص اپنے نفس سے مغلوب ہو جائے تو ایک تہائی پیٹ میں

کھانا کھائے، ایک تہائی میں پانی پئے اور ایک تہائی پیٹ خالی رہنے دے، امام بخاری کی صحیح میں

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے بھونی بکری

تھی، لوگوں نے ان سے کھانے کی فرمائش کی مگر انھوں نے انکار کر دیا، اور کہا کہ رسول اللہ اس دنیا

سے تشریف لے گئے اور کبھی انھوں نے شکم سیر ہو کر جو کی روئی بھی نہیں کھائی، وہ حضرت عائشہ سے

روایت کرتے ہیں کہ آپ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد آل محمد نے کبھی مسلسل تین رات گہوں

نہیں کھایا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی۔

اس سے قطع نظر معترض نے رسول اللہ کے ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا کوئی ذکر نہیں کیا،

حالانکہ آپ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھتے تھے اور پیر اور جمعرات کو تو

عموماً روزے سے ہوتے تھے، کبھی کبھی روزے رکھنے پر آتے تو لوگوں کو خیال ہوتا کہ آپ افطار نہ

کریں گے، اسی طرح رمضان میں صوم وصال کا اہتمام فرماتے تھے یعنی دو یا کئی کئی دنوں تک مسلسل

روزے رکھتے اور شب میں بھی کھانا پینا ترک کر دیتے تاکہ رات و دن کے بیشتر اوقات عبادت

(۱) اسودین سے پانی اور کھجور مراد ہے۔

میں گذاریں، مگر صحابہ کرام کو اس سے منع کرتے، انھوں نے عرض کیا آپ تو ایسا کرتے ہیں، فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرا خداوند مجھے کھلاتا پلاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آپ کو علوم و معارف کی غذا عطا کی جاتی ہے اور آپ کے دل پر مناجات کی لذتوں کا فیضان ہوتا ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ رسول اللہؐ مہینہ کے بعض حصوں میں افطار سے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ آپ روزہ ہی نہ رکھیں گے اور روزہ رکھنے لگتے تو خیال ہوتا تھا کہ اب آپ افطار سے نہ ہوں گے، اسی طرح شعبان میں بھی اکثر روزے سے رہتے تھے اس کے بعد پر خوری کا الزام کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

(ب) بزونی اور لڑائیوں میں گھبراہٹ اور بے صبری کا الزام | قدیم و جدید کسی مورخ

نے بھی آپ پر یہ الزام عائد نہیں کیا ہے مگر مستشرق پادری لامانس نے مورخین و ارباب سیر کے اجماع عام کے برخلاف آپ کو اس الزام سے متہم کر کے تمام عربوں کو بھی اسی لپیٹ میں لے لیا ہے، وہ کہتا ہے۔ ”لوگ عربوں کو شجاعت سے متصف مانتے ہیں اور اسی کو دور اول کی اسلامی فتوحات میں ان کی کامیابی کی وجہ قرار دیتے ہیں، لیکن مجھے اس انتہائی مبالغہ آمیز رائے کو ماننے میں سخت تردد ہے۔“ ڈاکٹر عبدالحلیم رسول اللہؐ کی شجاعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”آپؐ لڑائیوں میں خود فوج کی قیادت کرتے اور کسی جنگ میں بھی آپؐ پر اگندہ خاطر نہ ہوئے، یہاں تک کہ احد کی لڑائی میں جب مسلمان عظیم اہمیت سے دو چار ہوئے اور غزوہ خندق میں جب دشمنوں کا لشکر جرار منڈ پڑا تھا اور حنین کے روز جب مینہ کی طرح نیزوں اور تیروں کی بارش ہو رہی تھی تب بھی آپؐ خائف اور مرعوب نہیں ہوئے۔“

ان شواہد کے بعد بھی لامانس نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ آپؐ میں شجاعت، دلیری اور بہادری نہ تھی، امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہؐ سنی اللہ عالیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے بڑھ کر شہسوار تھے۔ اہل مدینہ گھبرا اٹھتے مگر آپؐ پر خوف طاری نہ ہوتا اور سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے۔ جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ حنین سے واپسی کے وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا ”تم لوگ مجھے جھوٹا، بخیل اور بزول نہ پاؤ گے، آپؐ بزول سے پناہ مانگتے، امام بخاری نے اس روایت کو ان کی سند سے یہ مسند روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ ”اللہ میرے بھروسہ دار ماندگی، کابلی و سستی، و بشت و بزولی اور بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ داعیان حق کا سین

حال ہوتا ہے وہ جو پیغام پہنچاتے ہیں اور جسے نافذ و جاری کرتے ہیں، اس کی شدید مخالفت کی جاتی ہے، اس بنا پر ان کا شجاعت اور نڈر ہونا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے زیادہ بہادر تھے، اس لئے بہ الزام کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

(ج) خواب و منام کی کثرت کا الزام | یہ بہتان قرآن و حدیث کی صراحت اور تاریخی

حقائق کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام اوصاف و عادات سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی، اس بنا پر لامانس کا یہ کہنا کہ ”آپ بہت زیادہ سوتے تھے“ یا تو اس کی واقعی جہالت کا نتیجہ ہے یا اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ کیونکہ عربوں میں نقد و انتقاد کی قوت و صلاحیت حد سے بڑھی ہوئی تھی، اگر وہ آپ کی زندگی میں کسی ایسی بات کا مشاہدہ کرتے جو قرآن کی اس خبر کے مطابق نہ ہوتی کہ آنحضرت رات کا ایک بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے، تو وہ آپ کی پیروی اور تصدیق نہ کرتے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ  
مِن ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنُصْفَهُ وَثُلُثَهُ  
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ

میشک تیرا خداوند خوب جانتا ہے کہ تم اور  
تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی  
رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات  
اور (کبھی) تہائی رات قیام کرتے ہیں۔  
(مزل-۲۰)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ رات میں اس قدر طویل قیام کرتے کہ پائے مبارک میں درم آجاتا تھا، حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ آپ رات میں نماز کے لئے قیام فرماتے۔ اس کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک اور پنڈلیوں میں درم آجاتا تھا، اس بارہ میں جب آپ سے کچھ کہا جاتا تو فرماتے کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

حافظ ابن حجر قرطبی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ استفسار کرنے والوں کا خیال تھا کہ عبادت الہی کے لئے مشقت جھیلنے کی وجہ گناہوں کا خوف اور رحمت و مغفرت کی طلب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت ثابت شدہ امر ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت کی کوئی احتیاج نہیں تھی، آپ نے ان لوگوں کو بتایا کہ عبادت کا ایک سبب انعام و مغفرت کی شکر گزاری اور اس نعمت میں غیر مستحقین کو شریک کرنا بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اتنا سب قیام کیا جس کی وجہ سے میرے دل میں ایک برا خیال پیدا ہوا۔ لوگوں نے دریافت کیا، کونسا برا خیال پیدا ہوا، فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ بیٹھ



جاؤں اور آپ کو چھوڑ دوں، امام مسلم حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے بقرہ، آل عمران اور نساء کی سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھیں۔ اس درمیان میں جب آپ کوئی ایسی آیت تلاوت کرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ تسبیح پڑھنے لگتے۔ سوال کا تذکرہ ہوتا تو سوال کرتے، تعویذ کا موقع ہوتا تو تعویذ فرماتے، پھر قیام سے کچھ دیر تک رکوع میں رہے اور اس سے کم دیر تک قومہ میں رہے اور قیام ہی کے بقدر لمبا سجدہ کیا، حافظ ابن قیم جو زی فرماتے ہیں کہ آپ کبھی بستر پر سوتے، کبھی چمڑے کے فرش پر، کبھی چٹائی پر، کبھی زمین پر، کبھی تخت پر، کبھی ریت پر اور کبھی سیاہ کمبل یا بوریا پر، آپ کا بستر گندمی رنگ کے چمڑے کا تھا، اس میں جھور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے پاس ایک ٹاٹ تھا، آپ اس پر دو تہہ کر کے سویا کرتے تھے۔ ایک روز چار تہہ کر کے بچھایا گیا تو آپ نے ناگواری ظاہر کی اور فرمایا اسے پہلے کی طرح کر دو تاکہ اس کی وجہ سے رات کی نماز میں رکاوٹ نہ پیش آئے۔

ذرا غور کیجئے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا تو مستشرقین کی افترا پر دازی

کس قدر لغو ہے۔

نبی کی حیثیت سے آپ پر الزامات | نبی کی ذات پر بحیثیت آدمی مستشرقین کے

اعتراضات کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اسی طرح کے چند بے سرو پا اور الزام ملاحظہ ہوں، ان کا تعلق آپ کی نبوت و رسالت سے ہے۔

(الف) رسول کے نام پر اعتراض | ڈر منگھم کا بیان ہے کہ نبی کا اصلی نام قثم تھا۔ ولادت

کے تھوڑے عرصہ بعد یا بعثت کے بعد اسے بدل کر آپ نے اپنا نام محمد رکھ لیا۔ حالانکہ اس کی نوعیت

نام سے زیادہ لقب کی ہے۔ اسی طرح آپ کی کنیت عرصہ تک ابو القاسم رہی، لامانس وغیرہ نے بھی

رسول کے نام کو ایک معما اور لانا نخل مسئلہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ہوا اپنی کتاب تاریخ العرب میں

یہ تعلیل و توجیہ پیش کرتا ہے کہ محمد کا لفظ اصلاً وصف ہے۔ اس کے ایک خاص معنی ہیں، اس کے

لوگوں نے اسے ان کا لقب قرار دیا ہے۔ ڈر منگھم کی کتاب کا مترجم اس افترا پر دازی کے متعلق لکھتا

ہے: ”یہ عجیب و غریب الزام ہے، سب سے پہلے اسپرنگر نے اس کا ذکر کیا، اس کا ماخذ سیرت حلبیہ

کی ایک روایت ہے جو امتناع سے اس طرح نقل کی گئی ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹے قثم نو برس کی عمر

میں آنحضرت کی پیدائش سے تین سال قبل فوت ہو گئے، عبدالمطلب کو اس کا بڑا قلق ہوا، اس لئے

جب آنحضرت کی ولادت ہوئی تو انھوں نے آپ کا نام قثم رکھا۔ مگر حضرت آمنہ نے کہلایا کہ انھیں

خواب میں بچے کا نام محمد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس بنا پر عبدالمطلب نے پھر ان کا نام محمد رکھ دیا۔ اس روایت کا وضعی اور جعلی ہونا بالکل واضح ہے اور اگر اس کی غلطوں کو نظر انداز کر کے اسے مان بھی لیا جائے تو ادنیٰ غور و فکر کرنے والے کو بھی اس سے صرف یہی معلوم ہوگا کہ عبدالمطلب نے آنحضرت کی ولادت کے چند ہی لمحے بعد حضرت آمنہ کے اشارہ پر آپ کا نام قسم سے تبدیل کر کے محمد رکھ دیا۔ مگر ہر شغلڈ اسپرنگر کی اس رائے نے مستشرقین کے لئے قیاس آرائی اور افترا پر دازی کا ایک نیا دروازہ کھول دیا، اور انھوں نے اس سے عجیب و غریب اور نہایت بعید از قیاس نتائج اخذ کر لئے اور اس طرح کی بے سرپیر کنی بات از ادنیٰ کہ آپ کا نام محمد بعثت کے بعد رکھا گیا، اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک ستم ڈھایا کہ قرآن میں جہاں محمد و احمد کا ذکر ہے، وہ بعد کا اضافہ ہے۔ مثلاً

وَاذْ قَالِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي  
اسرائيل انى رسول الله اليكم  
مصدقاً لما بين يدي من التوراة  
ومبشراً برسول ياتى من بعدى  
اسمه احمد

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ  
اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا  
کا بھیجا ہوا امدیق کرتا ہوا آیا ہوں اپنے  
سے پیشتر سے آئی ہوئی تورات کی اور  
ایک پیغمبر کی بشارت سنا تا ہوا آیا ہوں جو

(صف-۶) میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا

لیکن یہ ساری باتیں اسلام کے خلاف ان کے بغض و حسد کا نتیجہ ہیں، ورنہ یوحنا کی انجیل کے باب اصحاح (۱۴) میں فارقلیط کا لفظ آیا ہے، جو محمد ہی کے ہم معنی ہے۔ ان مستشرقین نے اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا کہ ان کے اس بے بنیاد الزام کے ماخذ سیرت حبیبہ کے اندر اس کا بھی ذکر ہے کہ آنحضرت سے پہلے تقریباً سولہ اشخاص کا نام محمد تھا۔ علاوہ ازیں عربی زبان میں قسم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بدن گنھا ہوا ہو یا جسمانی اعتبار سے کامل و جامع ہو، ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا تم قسم ہو اور تمہاری خلقت درست ہے، پتہ نہیں مستشرقین اس کے بارہ میں کیا کہیں گے؟ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بعثت کے بعد فرشتے نے آپ کو قسم کا خطاب عطا کیا تھا۔

(ب) رسول کی امیت | بار کہتے ہیں ” دوسری آیت یہ ہے:

وَمَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ مِنْ إِنْ تَأْمَنَهُ  
بِقِنْطَارٍ يُؤَدُّهُ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ

اور اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ  
اگر ان کے پاس امانت کا ڈھیر بھی رکھو تو

إِنْ تَأْمَنَهُ بَدِينَارٍ لَا يُزِدْهُ إِلَيْكَ إِلَّا  
مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ  
قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأَمِينِ سَبِيلٌ  
وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبُ وَهُمْ  
يَعْلَمُونَ

(آل عمران - ۷۵)

مانگنے پر لوٹا دیں گے اور ان میں وہ بھی  
ہیں کہ اگر تم ان کی امانت میں ایک دینار  
بھی رکھو تو وہ اس وقت تک اس کو لوٹانے  
والے نہیں ہیں جب تک تم ان کے سر پر  
سوار نہ ہو جاؤ، یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے  
ہیں کہ ان امینوں کے معاملہ میں ہمارے  
اوپر کوئی الزام نہیں ہے، اور یہ جانتے  
ہو جھٹتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ بت پرستوں کے لئے امی یا امین کا لفظ اہل کتاب یا  
یہودیوں نے وضع کیا تھا۔ اس رائے کی مزید تائید ہارنٹر کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ عبرانی  
میں اس کا مقابل لفظ اموت باعولام ہے، پھر وہ کہتے ہیں کہ محمد کی لفظ امی سے کیا مراد تھی؟ اس کے  
بارے میں کوئی قطعی بات کہنی مشکل ہے، بول کا خیال ہے کہ امی سے وہ شخص مراد ہے جو لکھ پڑھ نہ  
سکتا ہو، اس کے معنی وثنی (بت پرست) نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد وہ یہ بھی کہتا ہے کہ بعض اسباب  
کی بنا پر امی کے معنی کی یہ تعین دشوار ہے۔ کیونکہ عربی میں ”امت“ عبرانی میں ”اما“ اور آرائی میں  
”امیا“ کا لفظ کسی امت یا قوم کی جہالت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوتا، بعض لوگ کہتے  
ہیں کہ امی کا لفظ حضرت محمد کے لئے اس وجہ سے استعمال ہوا ہے کہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے، مگر  
حقیقت یہ ہے کہ لفظ امی کا ان سب معنوں سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ  
إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ  
(بقرہ - ۷۸)

اور ان میں امی (ان پڑھ) ہیں جو کتاب  
الہی کو صرف اپنی آرزوؤں کا مجموعہ خیال  
کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف انکل کے  
تیرکے چلاتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امین سے مراد نوشت و خواند سے ناواقف لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ  
لوگ ہیں جن کو منزل من اللہ آسمانی کتابوں سے ناواقفیت تھی۔

مستشرقین کے اقوال کے تعارض و تضاد کو نظر انداز کر کے ان کے اس شبہ کی تردید میں چند  
باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱- نبی اکرم کی شان میں امی کا لفظ سورہ اعراف کی دو آیتوں میں آیا ہے، یہ ٹکی سورہ ہے چونکہ اس وقت تک آپ کا یہود سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس بنا پر یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسے یہود نے بت پرستوں کے لئے استعمال کیا تھا۔ عبرانی و آرامی میں اس کے مقابل کا ہونا بھی اس کے یہود کی وضع و اصطلاح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲- امی کا لفظ قرآن مجید میں چھ جگہ آیا ہے۔ اعراف کی دو آیتوں (۱۵۷-۱۵۸) میں اور آل عمران کی دو آیتوں (۲۰-۷۵) میں اور ایک ایک جگہ جمعہ (۲) اور بقرہ (۷۸) میں، ان آیتوں کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد نوشت و خواند سے بے بہرہ لوگ ہیں۔ اور یہی عربی زبان میں اس لفظ کے معروف معنی ہیں، لغت کے ائمہ اور عربیت کے ماہرین نے بھی اس کی یہی تشریح کی ہے، طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ”عربوں کے نزدیک امی وہ شخص کہلاتا تھا جو لکھنا نہ جانتا ہو“۔ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں ”نوشت و خواند سے ناواقف امی کہلاتا ہے۔“ ام کی جانب اس کی نسبت بھی اسی معنی کی نشاندہی کرتی ہے کہ قرأت و کتابت عورتوں کا عمل و مشغل نہیں، قرآن نے آپ کی امیت کی صراحت اس طرح کی ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ  
وَلَا تَخْطُّوْنَ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَارْتَابَ  
الْمُبْطَلُونَ.

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں  
پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ  
ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور  
شک کرتے۔ (عنکبوت-۲۸)

رسول کی امیت تو اتر سے ثابت ہے اور مستشرقین اس کی ذات سے جس نبوت کو سلب کرنا چاہتے ہیں اس کے دلائل میں امیت بھی ہے۔

۳- اوپر نقل کی گئی آیت (ومنہم امیون الخ) سے مقالہ نگار نے دعویٰ کیا ہے کہ اس سے مقصود خدا کی نازل کی ہوئی کتابوں سے عربوں کی عدم معرفت ہے، یہی رائے بعض مفسرین کی بھی ہے (۱)۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا ایک اثر بھی نقل کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیوں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کی تصدیق نہیں کی تھی اور خدا نے اس نام سے انہیں اس

(۱) کو کثرت سے علمائے اسی معنی کو مراد لیا ہے جس کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، مگر تحقیق کے نزدیک صحیح قول دوسرا ہے، گورسول اللہ کا نوشت و خواند سے عاری ہونا ثابت ہے، مگر تمام عربوں کا یہ حال نہ تھا۔

لئے موسوم کیا کہ وہ اس کی کتابوں اور رسولوں کے منکر تھے، لیکن اس اثر کی سندیں ضعیف ہیں، اور یہ از روئے نقل بھی ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ نہاک اگرچہ ثقہ ہیں لیکن ان کی نہ حضرت ابن عباس سے ملاقات ثابت ہے اور نہ کسی اور صحابی سے، اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تو مجازاً ہی یہ مفہوم مراد ہو سکتا ہے مگر طبرانی نے اس کی تردید کی ہے، اور یہ تاویل کلام عرب کے معروف استعمال کے خلاف بھی ہے۔

(ج) قرآن خدا کی طرف سے وحی نہیں ہے | پہلے الزام سے زیادہ خطرناک دوسرا

الزام یہ ہے کہ قرآن رسول اللہ کا کلام ہے جو آپ کے نسل اور کاریگری کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ان غرض پسند مستشرقین کی نظر اللہ کے کلام اور رسول کے کلام کے اس فرق پر نہیں جاتی جو اسلوب اور اعجاز وغیرہ کے لحاظ سے دونوں میں ہے، گو کہ رسول کا کلام بھی انسانی بلاغت و بیان کا سب سے عمدہ وارفع نمونہ ہے، قرآن نے جب تمام انسانوں کو عموماً اور عربوں کو خصوصاً یہ چیلنج کیا کہ قرآن جیسا کوئی کلام یا اس کی کسی سورہ بیسی کوئی سورہ پیش کریں تو سب سے پہلے اس چیلنج کا خود محمد ہی کو سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ آپ نے تو اپنی زندگی میں حدیث کی کتابت سے بھی منع کر دیا تھا تا کہ قرآن و حدیث ایک دوسرے سے گڈنڈ نہ ہو جائیں۔ (۱) یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ کیا کوئی مصنف برسر عام ایسے شاندار کارنامہ کو اپنی جانب منسوب کرنے کی تردید کرے گا اور اس پر خود اپنی اس قدر شدید ملامت کرے گا۔ نیز کیا عربوں کا رسول کے کلام اور خدا کے کلام میں فرق و امتیاز کرنے سے عاجز رہنا ممکن ہو سکتا ہے، جب کہ ان کی زبان دانی اور طلاق لسانی مشہور ہے، بیان و بلاغت کا کوئی نکتہ شناس اور عربیت کا رمز آشنا قرآن مجید کے خدا کی وحی ہونے کا منکر نہیں ہو سکتا، انور جندی تحریر کرتے ہیں ”مستشرقین کی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ آنحضرت کی ذہانت، عبقریت، فہم و فراست کی بنا پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن اس ماحول کے اثر سے آپ کے ذہن و دماغ میں ڈھلا جس میں آپ کی نشوونما ہوئی تھی اور جس میں آپ نے زندگی بسر کی تھی یا پھر وہ باطنی عقل کے فیضان کا نتیجہ ہے، اس پروپگنڈہ کا مقصد مسلمان کا قرآن سے رشتہ کاٹنا ہے، کیونکہ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ محمد کا کلام ہے۔ تو لامحالہ یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ انسانی فکر و عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد اس کی ساری عظمت اور معنوی بلندی خاک میں مل جائے گی اور مسلمان متفرق اور پراگندہ ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں نظم و نسق اور گونا گوں پہلوؤں سے نہایت واضح اور بین فرق ہے۔ علاوہ ازیں محمد امی تھے۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے

(۱) یہ ممانعت ابتدائی دور کے لئے تھی، بعد میں رسول اللہ نے تحریر و کتاب کی اجازت دے دی تھی۔

تھے۔ تنہا یہی ایک ایسی دلیل ہے جن سے ان لوگوں کی مکمل تردید ہو جاتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو گذشتہ کتابوں سے واقفیت تھی، جب آپ کو اپنی قوم کے سوا کسی اور قوم کے واقعات و حالات کا علم ہی نہ تھا تو آخر کس ذات نے آپ کو اگلے لوگوں کے واقعات اور قصوں سے مطلع کیا تھا۔

(د) رسول اللہ کی اعصابی کیفیتیں | اسپرنگر کہتا ہے کہ آپ کو اعصابی عوارض لاحق ہو گئے

تھے اور یہ انھیں اپنی ماں حضرت آمنہ سے وراثہ ملے تھے، کیونکہ زمانہ حمل میں وہ ایسے خواب دیکھتی تھیں جو از قسم خرافات تھے، مگر بھل اس کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسپرنگر کی طرح ہمیں خوابوں کا سہارا نہیں لینا چاہئے، شیخ محمد عرفہ لکھتے ہیں ہم کو خوشی ہے کہ خود مستشرقین ہی نے اسپرنگر کے اس خیال کی تردید کر دی ہے کہ آنحضرت کو اعصابی کیفیتیں اور حالتیں پیش آتی تھیں، جو انھیں اپنی ماں سے وراثہ ملی تھیں لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں کہ حضرت آمنہ کے خواب از قسم خرافات تھے، کیونکہ ان کا خواب دیکھنا محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح خواب دیکھنے والے کے لئے اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہونا ضروری نہیں ہے۔

مستشرقین اور مسلمانوں میں سے متعدد محققین نے نفسیات اور علم تاریخ کی روشنی میں اس الزام کی تردید کی ہے، انھوں نے انسانی نفسیات کے مطالعہ اور آدمی کی صحت و مرض کا تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ اعصابی بیماریوں میں مبتلا اشخاص سے عظمت و برتری کے کمالات، قابل رشک و فخر کارنامے اور غیر معمولی ذہنی نتائج کا ظہور ناممکن ہے، نیز وحی کے حالات و کیفیات اعصابی امراض (مرگی اور بیہوشی وغیرہ) کی حالتوں اور کیفیتوں سے بالکل مختلف ہیں، ڈاکٹر ہیکل لکھتے ہیں ”مستشرقین کی تحقیقات نے ان کی رہنمائی اس امر کی جانب کی ہے کہ آنحضرت کو مرگی کی بیماری تھی، اس لئے آپ پر جنونی کیفی طاری ہو جاتی تھیں، اس حالت میں آپ پوشیدہ ہو جاتے، بدن سے پسینہ بہنے لگتا، جسم میں تشنج آ جاتا، اعضاء و جوارح سکڑ جاتے اور منہ سے جھاگ گرنے لگتا جب افاقہ ہوتا تو آپ مسلمانوں کے سامنے تلاوت کرتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی جانب سے مجھ پر وحی ہوئی ہے، حالانکہ یہ سب باتیں مرگی کے دورے کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ مگر محمد پر وحی کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی اور آپ پر جو کچھ فیضان ہوتا اس کی یہ تعبیر و توجیہ علمی حیثیت سے نہایت غلط ہے۔ کیونکہ جس پر مرگی کا دورہ ہوتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اسے اس اثنا میں پیش آنے والی باتیں یاد رہیں بلکہ افاقہ کے بعد وہ ان سب باتوں کو بھول چکا ہوتا ہے اور اسے بالکل ہی یاد

نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا پیش آیا تھا، کیونکہ فکر و شعور کی حرکت اس حالت میں یکسر معطل ہو جاتی ہے، لیکن وحی کے وقت پیغمبر کا یہ حال نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ہوش و حواس بجا رہتے ہیں، ادراک کی قوت بیدار رہتی ہے اور جو کچھ اسے ملتا ہے، وہ اسے پوری توجہ سے سنتا اور محفوظ کر لیتا ہے اور پھر اسے اپنے ساتھیوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔

نزول وحی کے وقت روحانی ادراک کو مکمل طور پر بیدار رہتا ہے، تاہم جسم کی اصل کیفیت کا اس وقت زائل ہو جانا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ اکثر تو نزول وحی کے وقت آپ عادی طریقے پر بالکل بیداری کی حالت میں ہوتے تھے۔ سورہ فتح کے نازل ہونے کے وقت آپ کی یہی کیفیت تھی، یہ سورہ واقعہ حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ واپسی کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اعصابی بیماریاں انسان کے ہوش و حواس کو معطل کر کے ایسی حالت میں کر دیتی ہیں جس میں شعور، احساس اور ادراک مفقود ہو جاتا ہے لیکن وحی میں یہ صورت پیش نہیں آتی بلکہ دراصل یہ روحانی ارتقا کا نام ہے جو انبیاء ہی کو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ اعلیٰ اور یقینی حقائق کو نبی کو ان پر القافر ماتا ہے تاکہ وہ انھیں لوگوں تک بھی پہنچا دیں۔

اعتدال پسند مستشرقین کی تصنیفات میں بھی اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے، مثلاً محمد رسول (آینادینہ) حیات محمد (ڈر منگم) حیات محمد (آرونک) تہذیب و تمدن کی کہانی (دل ڈیوران) مشرقی تحقیقات (ڈاگویہ) وغیرہ۔

سنوک ہر گرنگ کہتا ہے کہ محمد کا وزن تسلیم کرنا چاہئے وہ تاریخ عالم کے ممتاز ترین فرد تھے، دوسرے مصنفین کی کتابوں میں بھی اس پر طویل بحثیں موجود ہیں اور انھوں نے وحی کی کیفیت بیان کرنے میں صحیح حدیثوں اور معتبر کتب سیرت و ماخذ بنایا ہے۔

**معجزات نبوی کا انکار** وحی کا خارق عادت ہونا بالکل واضح ہے، اور جب اس کی مختلف

شکلیں احادیث سے ثابت ہیں تو دوسرے خوارق و معجزات بھی اگر صحیح حدیثوں سے ثابت ہوں تو انھیں تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع ہو سکتا ہے، مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد یہ تصور اپنے دل سے نکال دینا چاہئے کہ آپ کی زندگی کا صرف ایک ہی معجزہ قرآن ہے اور اگر کسی کا آپ پر ایمان ہی نہ ہو تو بھلا وہ آپ کے کسی معجزہ کو کیا تسلیم کرے گا، خواہ یہ معجزہ قرآنی ہی کیوں نہ ہو۔

معجزات کی من مانی تاہم اور ان کی اپنی خواہشات کے مطابق توجیہ بڑی ناروا جسارت

ہے، نہ یہ بحث و تحقیق کا صحیح انداز ہے اور نہ کسی معقولیت پسند شخص سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے، معجزات کو مقتضائے عادت کے خلاف ہونے ہی کی بنا پر خوارق کہا جاتا ہے، اور جو چیزیں عادی اور مانوس طریقے کے مطابق ہوں انہی کے امکان و عدم کی بحث علم قیاس کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن علم و دانش کا کبھی بھی یہ فیصلہ نہیں رہا ہے کہ مالوف اور عادی چیزیں ہی صرف ممکن الوقوع ہوتی ہیں، اور نامانوس اور غیر عادی چیزوں کا وقوع غیر ممکن اور محال ہے۔ اگر تم معجزات و خوارق کے متعلق علم، قانون اور ضابطہ کا فیصلہ معلوم کرنا چاہو گے تو ان کی زبان حال سے جس کو ہر صاحب علم و نظر سمجھتا ہے، یہی جواب ملے گا کہ معجزات و خوارق کا تعلق فنی و عملی موضوعات سے نہیں ہے، اس لئے وہ ان کے بارہ میں کوئی متعین حکم نہیں لگا سکتے بلکہ خارق عادات چیزوں کے ظہور کے بعد ہی وہ بحث و تجزیہ کا موضوع بن سکتے ہیں۔

براق، اسراء اور معراج | کارادافو (Carradevaw) کہتے ہیں، براق کا لفظ جو براق

کے لفظ سے متصل اور جڑا ہوا ہے، افسانوں اور قصوں میں ایک عجیب شکل و صورت کے اس انوکھے اور بے بنیاد جانور کے لئے آیا ہے، جس پر رسول اللہ معراج کی شب میں سوار ہوئے تھے۔

احمد محمود شاہ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسراء و معراج کی حدیثوں میں اس کی صراحت ہے کہ آنحضرت صلعم کورات میں لے جانے کے لئے ایک چوپایہ لایا گیا تھا، جو خنجر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور اس کا رنگ سفید اور رفتار بہت تیز تھی، محدثین اور علمائے فن کے نزدیک ان حدیثوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں بلکہ یہ متواتر اور قطعی الثبوت ہیں، ان کو مفسرین کے اقوال قرار دینا غلط ہے، مقالہ نگار کو تعبیر و بیان کا یہ طریقہ اور ایسے نامناسب الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے تھا، مسلمانوں کے علما کے نزدیک جو چیزیں نواتر سے ثابت ہوں ان کا صحیح اور یقینی ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ہے، ان کی نوعیت اساطیر اور افسانوں جیسی نہیں ہوتی اور حقیقت براق کا تعلق ان نبی امور سے ہے جن کی آنحضرت نے خبر دی ہے اور جو ماوراء مادہ ہونے کی وجہ سے آدمی کے احساس اور گرفت میں نہیں آسکتے ہیں، اس زمانہ میں فلکیات سے متعلق جو علمی انکشافات ہوئے ان کی حقیقت اس سے پہلے غیر معلوم تھی۔

مقالہ نگار نے اسراء و معراج کو آنحضرت کا خواب کہا ہے، لیکن صحیح و صریح متواتر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالم خواب کا واقعہ نہ تھا، بلکہ روح و جسم کی بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اس کی اسی خصوصیت و اعجاز کے قریش منکر تھے، انہوں نے اس سلسلہ میں بعض مسلمان اہل قلم کا



حوالہ بھی دیا ہے، جن کا یہ خیال ہے کہ معراج روحانی تھی، ان لوگوں کو حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے وہم ہوا ہے کہ ”معراج کی شب آپؐ کا جسم مبارک اپنی جگہ پر موجود تھا۔“ مگر یہ بے اصل جھوٹی اور گڑھی ہوئی روایت ہے، اس کی سندیں درست نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی رخصتی مدینہ میں ہوئی جب کہ اسرا کا واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ میں پیش آیا تھا۔ (۱)

مستشرقین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار و عدم تصدیق کی یہ ایک مثال تھی، یہ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت موسیٰ اور دوسرے نبیوں کے خوارق و معجزات کو تو تسلیم کرتے ہیں، مگر آنحضرتؐ کے اسی قسم کے معجزات کو مستبعد قرار دیتے ہیں اور انھیں افسانہ اور خرافات شمار کرتے ہیں اعتدال پسند مستشرقین آئینہ، بوذلی اور کارلائل وغیرہ کا حال یہ ہے کہ وہ آپؐ کے دوسرے معجزات کو نظر انداز کر کے صرف معجزہ قرآنی سے آپؐ کی نبوت پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ یہی آپؐ کا دائمی فکری معجزہ ہے، اسے تعریف و توصیف کے پیراہے میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ محمدؐ نے اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی ملائکہ سے بات چیت ہوئی یا عجائب و غرائب کا ان سے صدور ہوا، اور طبیعی قوانین کے خلاف خرق عادت چیزیں ظاہر ہوئیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم ہی لوگوں جیسا ایک آدمی ہوں۔“ ان لوگوں کا مقصد جو بھی ہو مگر اس سے غرض پسند مستشرقین کے لئے انکار نبوت کا مواد فراہم ہوتا ہے، اور معتدل مستشرقین کو بھی آپؐ کی اہمیت کو کم کرنے اور آپؐ کی ذات کو نکتہ چینی کا نشانہ بنانے کا موقع ملتا ہے۔ چونکہ رسول اللہؐ کے معجزات انشقاق قمر (چاند کا ٹکڑے ہونا) حنین جذع (درخت کے تینے سے آواز نکلنا) تکثیر الطعام (تھوڑے کھانے کا زیادہ ہو جانا) نبع الماء (انگشت مبارک سے پانی کے چشمہ کا جاری ہونا) وغیرہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں بلکہ ان میں سے بعض معجزات کے طرق اسناد حد تو اتر کو پہنچے ہوئے ہیں، اس لئے مستشرقین کے انہیں نظر انداز کرنے اور نہ کرنے سے نہ تو کسی مسلمان کا ایمان ہی ڈگمگا سکتا ہے اور نہ انسانی عقل ان کے وقوع کو محال خیال کر سکتی ہے، موجودہ تاریخی حقائق نے بھی آپؐ کے بعض معجزات کے ثبوت مہیا کر دیے ہیں

(۱) اس میں شبہ نہیں کہ جمہور کا وہی نقطہ نظر ہے جس کی فاضل مصنف نے ترجمانی کی ہے، مگر مستشرقین اور علمائے حق کی ایک جماعت کی رائے وہی ہے جو حضرت عائشہؓ کے علاوہ بعض دیگر صحابہؓ سے بھی منقول ہے، سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے، آخر میں مصنف سیرت بھی جمہور کے مسلک ہیں تو صحیح سمجھتے تھے مگر دوسرے قول کو سراسر بے اصل قرار دینا بھی درست نہیں ہے، علاوہ ازیں بعض مسلمانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ معجزہ اور خارق عادت ہونا ظاہر ہے۔ (مترجم)

چنانچہ سائنس کے جدید انکشافات کے بعد چاند کے ٹکڑے ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایناڈینہ لکھتے ہیں کہ تمام مذاہب کے علمبرداروں میں صرف پیغمبر اسلام ہی وہ واحد شخص ہیں جن کی رسالت کا ثبوت معجزات کا محتاج نہیں ہے، آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن مجید کی بلاغت ہے، قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں اس کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَمَا مَنَعْنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ الْآنِ  
 كَذِبَ بَهَا الْآوَلُونَ  
 اور ہم نے نشانیاں بھیجی اس لئے موقوف  
 کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی  
 تکذیب کی تھی۔ (اسراء-۵۹)

ڈینہ کا مقصد رینان کی تردید ہے، جو حضرت عیسیٰ کی مدح و منقبت کے ثبوت میں ان کے معجزات کو پیش کر کے کہتا ہے کہ اس طرح کے معجزات دوسرے انبیاء سے ظہور میں نہیں آئے، وہ معجزات کو اس لئے محال قرار دیتا ہے کہ وہ تاریخ و علم النفس کے اصول و قواعد کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس کی اس راے سے عقلی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بعض مسلمان محققین بھی متاثر نظر آتے ہیں، عقاد کا بیان ہے کہ مخالفین کو دعوت دینے میں نبی کے لئے خوارق مفید نہیں ہوتے کیونکہ وہ لوگ تو معجزہ و سحر و شعبدہ یا مدہوشی اور دیوانگی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور اس کے ذریعہ سے انبیاء کے لئے چاہے آسمان کا دروازہ ہی کیوں نہ کھل جائے۔ رسالت و نبوت کی اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہوگی کہ قرآن میں اس کی توثیق پر تاکید کی گئی ہے کہ آسمانی رسالت لوگوں کی عقل و ضمیر کی رہنمائی کے لئے ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک بنائی گئی ہے، مگر نبوت پر ہر قسم کے اعتراضات و اوہام کے باوجود اس کی صحت کو خوارق یا اخبار غیب سے مشروط نہیں کیا گیا ہے، فرمایا:

وَيَسْأَلُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ  
 رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا  
 إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ  
 اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار  
 کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نازل  
 نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ ہی کو  
 ہے سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ  
 انتظار کرتا ہوں۔ (یونس-۲۰)

وہ اس مفہوم کی مزید آیتیں نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علم غیب سے سرف اللہ ہی کو واقفیت ہوتی ہے۔ مگر اس مسئلہ کا معجزات سے کوئی تعلق نہیں، قدیم علمائے اسلام اور جدید کے

فضلاء نے معجزہ کی حقیقت اور تمام انبیاء کے لئے اس کے ثبوت و امکان کے مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے، پس اسلام کی رو سے معجزہ کا ثبوت درست اور مسلم ہے، یہ اس فارق عادت امر کا نام ہے جو انبیاء مرسلین سے ان کی نبوت کی صحت و صداقت ظاہر کرنے کے لئے صادر ہوتا ہے، پس معجزات کے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ماہی علوم کے منافی ہو، مگر انسان عقل و ادراک کے ناقص و محدود ہونے کی بنا پر ان اسباب و مقاصد سے واقف نہیں ہوتا جس کے لئے یہ رونما ہوتے ہیں، مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسباب و اسباب اور اصول و قوانین کا صانع ہے۔ اس لئے وہ ان کو تبدیل کر دینے اور انبیاء کے ذریعہ مقتضائے عادت کے خلاف چیزیں ظاہر کر دینے پر بھی قادر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم اور شہیم الشان معجزہ قرآن مجید ہے، یہ اب تک قائم و باقی رہے گا اور اس اعتبار سے وہ دوسرے انبیاء کے معجزات سے ممتاز ہے، اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کے حقائق سے دائمی و مطابق ہونے کی مثال دی جاتی رہے گی۔

**شارح کی حیثیت سے نبی پر اعتراضات** مستشرقین سے ان شرعی احکام و قوانین پر

بھی اعتراضات کئے ہیں جن کی نبی اکرم نے دعوت دی ہے جیسے اسلامی عبادات، معاملات، جہاد اور شریعت کے حکم و امر اور غیرہ، اختصار کی وجہ سے چند ہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ حج۔ ڈر منگھم اپنی کتاب حیات محمد میں لکھتا ہے: قریش عہد جاہلیت میں حج کے جو مراسم و مناسک اختیار کئے ہوئے تھے، آنحضرت نے انہیں مدینہ کی امید و توقع کے برخلاف انہیں کو جاری و باقی رکھا کیونکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس کی وجہ سے قریش اسلام کی جانب راغب ہو جائیں گے اور بہ تدریج ان چیزوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے جو روحانی بلندی کی موجب اور کتاب مقدس کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہیں۔

اس شبہ کی تہہ میں متعدد اور شبہات بھی پہاں ہیں، چونکہ فاضل مستشرق نے حج کے اعمال و مناسک کو آپ کی جانب منسوب کیا ہے، اس لئے ہمیں اس پر دو گدلی ضرورت پیش آئی، اس کا تحلیل و تجزیہ کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(الف) ڈر منگھم یہ لکھ کر قارئین کو باہر کرانا چاہتا ہے کہ حج کے اعمال و مناسک خود نبی کے وضع کئے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے قریش کو اسلام سے فریب کرنے کے لئے ان کی خاطر داری و دلجوئی کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ مگر فاضل مستشرقین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کے احکام و مسائل سے کسی نبی یا رسول کی خواہش پر مبنی نہیں ہوتے، ان کی اصل نوعیت تو یہ ہے۔

انْ هُوَ الْاَوْحٰى يُوْحٰى  
یہ تو وحی (حکم خداوندی) ہے جو (ان کی  
طرف) بھیجی جاتی ہے۔ (نجم-۴)

جس نبی کی صداقت، امانت اور پیغام حق کو بے کم و کاست پہنچانے کی مسلمہ شہادتیں موجود ہیں وہ بھلا اس قدر پست سطح پر کیسے اتر سکتا ہے کہ سیاسی قیادت کی ہوس کرے اور حق کے اصول و مبادی سے دستبردار ہو جانے اور ان کے بارہ میں بھاؤ تاؤ کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں لائے، چاہے یہ ڈر منگھم ہوں یا کوئی اور مستشرق، جب یہ لوگ یہ اور اسی طرح کے دوسرے دعوے کرتے ہیں تو ان کی دلیلیں کیوں نہیں پیش کرتے، اس کے بغیر کون ان کی باتوں سے مطمئن ہو سکتا ہے۔

(ب) ڈر منگھم کا مقصد یہ ثابت کرنا بھی ہے کہ حج کے اعمال و مناسک ملت ابراہیمی کی یادگار نہیں ہیں بلکہ ان میں قریش کے حج کی نقل و متابعت کی گئی ہے، لیکن یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے اور شریعت محمدی سے اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ میں ایک حدیث منقول ہے، جس کے متن کا خلاصہ امام مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال  
دخلنا علی جابر بن عبد اللہ  
فسأل عن القوم حتی انتھی الی  
فقلت انا محمد بن علی بن  
حسین فاهوی بیدہ الی راسی  
فقلت اخبرنی عن حجة رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال  
بیدہ فعقد تسعا فلما کان یوم  
الترویة توجھوا الی منی فاهلوا  
بالحج وركب رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم فصلی بہا الظهر  
والعصر والمغرب والعشاء  
والفجر ثم مکث قليلا حتی

جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) اپنے  
والد محمد بن علی (امام باقر) سے روایت  
کرتے ہیں کہ ہم چند لوگ جابر بن  
عبداللہ کے پاس گئے، انھوں نے  
دریافت کیا کہ آپ لوگ کون ہیں (سب  
نے اپنا تعارف کرایا) یہاں تک کہ جب  
میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد  
بن علی بن حسن ہوں، چنانچہ انھوں نے  
اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھا۔ میں  
نے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ کے حجۃ  
الوداع کے بارہ میں بتائیے! انھوں نے  
ہاتھ کی انگلیوں سے نوکی گنتی کا اشارہ کرتے  
ہوئے ارشاد فرمایا: جب یوم الترویہ

طلعت الشمس و امر بقبة من  
شعر تضرب له بنمرة فسار  
رسول الله صلى الله عليه وسلم  
ولاتشك قريش الا انه واقف  
عند المشعر الحرام كما كانت  
قريش تصنع في الجاهلية فاجاز  
رسول الله صلى الله عليه وسلم  
حتى اتى عرفة فوجد القبة قد  
ضربت له بنمرة فنزل بها حتى  
اذا زاغت الشمس امر بالقصواء  
فرحلت له فاتي بطن الوادي  
فخطب الناس.

(صحیح مسلم بشرح النووی - ج ۸، ص ۱۸۱)

(۸/ذی الحجہ) ہوا تو سب لوگ منی کے  
لئے روانہ ہوئے (اور جو عمرہ کر کے  
احرام ختم کر چکے تھے) انھوں نے حج کا  
احرام باندھا اور رسول اللہؐ اونٹنی پر سوار ہو کر  
منی چلے اور وہاں آپ نے ظہر، عصر،  
مغرب عشا اور فجر کی نماز ادا کی، فجر بعد  
تھوڑی دیر آپ اور ٹھہرے، یہاں تک  
کہ جب سورج نکل آیا (تو آپ عرفات  
کو روانہ ہوئے) آپ نے حکم دیا تھا کہ  
صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے نمرہ  
میں نصب کیا جائے، قریش کو اس میں  
شک نہ تھا کہ آپ مشعر حرام کے پاس  
قیام کریں گے کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت  
میں ایسا ہی کرتے تھے، مگر آپ (ان کے  
علی الرغم) مشعر حرام سے آگے بڑھ کر  
عرفہ پہنچ گئے اور نمرہ میں جو خیمہ آپ کی  
ہدایت کے مطابق نصب کیا گیا تھا آپ  
اسی میں اتر گئے۔ یہاں تک کہ جب  
آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی  
قصو پر کجاوا کسنے کا حکم دیا، جب کجاوا  
کسنے کے بعد وہ لائی گئی تو آپ اس پر  
سوار ہو کر وادی کے درمیان آئے اور  
لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی حج کے اندر ایسی جو باتیں داخل  
کر لی گئی تھیں جن کا ملت ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس حدیث میں ان کو باطل قرار دیا گیا ہے

چنانچہ قریش عہد جاہلیت میں بیت اللہ کے مجاور و متولی ہونے کی بنا پر حدود حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کے حدود کے اندر مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام کی پہاڑی قزح کے پاس ہی وقوف کرتے تھے اور اسے اپنا خاص امتیاز سمجھتے تھے، ان کو یقین کامل تھا کہ رسول اللہ بھی ان کے اسی خاندانی دستور کے مطابق مشعر حرام ہی کے پاس وقوف کریں گے اور وہاں سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط اور ملت ابرائیمی کے خلاف تھا اس لئے آپ نے آگے بڑھ کر عرفہ اور وادی نمر میں حدود حرم سے باہر قیام کیا جس کی ہدایت آپ کو اس آیت میں دی گئی تھی:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ۚ  
پھر تم لوگ (قریش) بھی وہیں سے چلو  
(بقرہ-۱۹۹) جہاں سے لوگ چلیں۔

یعنی جس طرح تمام لوگ حدود حرم سے باہر عرفہ تک جاتے ہیں وہیں آپ اور آپ کے اہل خاندان بھی قیام کریں، اس میں قریش کو کوئی امتیاز اور خصوصیت حاصل نہیں ہے۔

۲- حج کے سلسلہ میں مستشرقین کا دوسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ اس میں بت پرستی کا شائبہ اور سامی قبائل کی رسموں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

(الف) مستشرقین اپنے پہلے دعویٰ کے ثبوت میں رمی جمرات (کنکریاں مارنے) کو پیش کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ رسم بت پرستی سے ماخوذ اور اسی کی یادگار ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، صرف سیرت کی کتابوں اور حدیثوں ہی میں اس کا ذکر ملتا ہے، اسلام سے قبل جمرات کے پاس خون سے رنگے ہوئے چند پتھر رکھے رہتے تھے اور یہیں قربانی کی جاتی تھی۔

احمد محمد شاہ مرحوم اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: رمی جمرات بت پرستی کی علامت اور یادگار نہیں ہے، بلکہ حج کے شعائر اور دین ابراہیمی کی قدیم یادگاروں میں ہے۔ عربوں میں اس کی بعض چیزیں وراثہ چلی آرہی تھیں، مگر اکثر چیزوں میں انہوں نے تحریف و تغیر کر ڈالا تھا، اسلام نے حج کے تمام شعائر کو خدائے واحد کی خالص عبادت کے لئے مخصوص کر دیا، وہ توحید اور خدا پرستی کا دین ہے، رسول اللہ کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز رہتی تھی کہ مسلمانوں کے اعمال، اقوال، عقائد اور عبادات میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

(ب) احرام۔ دوسرے دعویٰ کے سلسلہ میں مستشرقین کا خیال ہے کہ احرام کے لئے غسل کرنا اور خضاب اور خوشبو لگانا بھی ایسی رسم و یادگار ہے جس کا سلسلہ ان عبادتوں اور دعاؤں سے جا ملتا

ہے جو قدیم زمانہ میں شیاطین کو بھگانے اور دور کرنے کے لئے کی جاتی تھیں، اسی طرح احرام کا کپڑا قدیم سامی لوگوں کے یہاں بھی بہت مقدس سمجھا جاتا تھا، کابنوں اور زاہدوں کی چادریں بھی اسی وجہ سے سفید ہوتی تھیں، نیز بعض رینی رسمیں انجام دینے کے وقت جسم کی جانب توجہ نہ کرنا سامی قبائل کی معروف عادت تھی۔

اس سلسلہ میں بھی وہی جواب مناسب ہے جو اوپر گزر چکا ہے، مزید وضاحت کے لئے یہ بتانا کافی ہوگا کہ اسلام خدا کی شریعت اور قانون کا نام ہے، یہ اپنے شخص، امتیاز اور جداگانہ خصوصیات کی بنا پر دوسرے تمام شرائع و قوانین سے بالکل مختلف و ممتاز ہے۔ اس پر کسی اور مذہب و شریعت کی کوئی چھاپ نہیں ہے، اگر کوئی اسلامی عبادت کسی قدیم عمل کے مشابہ ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا تعلق بھی آسمانی و الہامی شریعت سے ہوگا، اسلام کسی الہی قانون اور اسلامی عبادت کو برقرار رکھنے میں مزاحمت نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کی عبادت فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہوتی ہے، غسل، خضاب اور سفید کپڑا پہننا وغیرہ بھی عین فطرت کے مطابق ہیں، اسلام کسی چیز کو اس وقت تک ناگوار اور معبود نہیں قرار دیتا جب تک کہ وہ توحید خالص کے تصور کے منافی نہ ہو، غرض حج کے اعمال و مناسک کو بت پرستی کی علامت قرار دینا یا سامی قبائل کی یادگار بنانا مستشرقین کا ایسا فرضی دعویٰ ہے، جس کی تائید کسی قابل اعتماد تاریخی دلیل سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس حج کے تمام اعمال کا تعلق حضرت ابراہیمؑ کی عبادتوں سے بڑا ہوا ہے، سامی قبائل کی جسم کی جانب سے اہمال و غفلت کی مشہور رسم کو اسلام نے نہ حج کے اندر باقی رکھا ہے اور نہ حج کے باہر، رہے وضو، غسل اور طہارت تو یہ مسلمانوں کی ہمہ وقتی عبادتوں کا خاص جز ہیں۔

(ج) جہاد۔ مستشرقین کے نزدیک جہاد قتل و خون ریزی اور دوسری قوموں کو زیر اور مغلوب کرنے کا نام ہے، وہ اس کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشاعت میں اس کی سونٹی ہوئی تلوار ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے عام مذاہب کے برخلاف دنیا کو اس قدر حیرت انگیز سرعت سے جونچ و بن سے اکھاڑ دیا تو اس کا راز بھی اس کے تشدد و طاقت ہی میں پنہاں ہے، اس طرح اسلام اور دوسروں کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں وہی تعلق ہے جو ایک جڑ سے نکلنے والے دو درختوں میں ہوتا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے، اسی لئے تخریب، ہلاکت، وحشت، بربریت، خون ریزی اور سفاکی ہی اسلام کے برگ و بار ہیں اور جبر، استبداد اور لوگوں کو زبردستی حلقہ اسلام میں داخل کرنا اس کا شیوہ ہے۔

جہاد کے خلاف مستشرقین کی ان چند ہی ہرزہ سرائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ بہترین حکمت و موعظت کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت، اسلامی حقائق پر لوگوں کا انشراح، متعدد قبائل کا رضا و رغبت سے اسلام قبول کرنا اسلام کا عقیدہ و فکر کی آزادی کا اعلان، کلمہ پیش کر کے اسلام کی تلقین وغیرہ کے واقعات نہ کبھی پیش آئے اور نہ اسلام نے اپنی دعوت و تبلیغ کا کبھی یہ انداز ہی اختیار کیا۔

میکڈونالڈ لکھتا ہے: ”تلوار کے ذریعہ اسلام کی نشر و اشاعت سارے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔“ جہاد کے مفہوم کی اس تحریف کے بعد اس نے جو نتیجے اخذ کئے ہیں وہ سب بھی نہایت بے بنیاد اور سراسر غلط ہیں، مثلاً پڑوسی قوموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے رسول اللہ نے جو خطوط لکھے یا ان کے پاس جو وفد اور سفرا بھیجے، اس کا مقصد فاضل مستشرق کے نزدیک کشور کشائی اور ان قوموں کو سرنگوں اور مغلوب کرنا تھا، حالانکہ اگر کوئی انصاف پسند قرآن و اسلام کے مقصد و روح کو واقعی سمجھے اور رسول اللہ کی سنت و سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اسلامی جہاد ایک ایسا دقیق قانون ہے جو نہ تو جلدی اور رواروی میں تیار ہوا ہے اور نہ عدم غور و فکر کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے، بلکہ یہ خدا کی طرف سے وحی کردہ ہے۔ اور اس کا منشا یہ ہے کہ اسلام ساری انسانیت کا دین بن جائے اور اسے تمام مذہبوں پر برتری و بالادستی حاصل ہو جائے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے جو پورا ہوگا۔

وَلتَعْلَمَنَّ نَبَاَهُ بَعْدَ حِينٍ اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد

(ص-۸۸) معلوم ہو جائے گا۔

مستشرقین اور عیسائی مبلغین نے اسلامی جہاد کی جو تعبیر کی ہے اس سے اسلامی فتوحات اور جہاد کے اصل اسلامی اغراض و مقاصد کا حلیہ ہی بگڑ گیا ہے، کرین کا بیان ہے کہ فریضہ جہاد کی بنا پر کسی شخص کو بھی اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ نہ اسلام کا اصول ہے اور نہ علمائے اسلام نے اس کی کہیں صراحت کی ہے۔ مسلمانوں کے یہاں محض جنگ و قتال ہی جہاد کی صورت نہیں ہے، بلکہ کلمہ کی تلقین و دعوت اور علم کی طلب و اشاعت کا نام بھی جہاد ہے۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ بھی جہاد ہے، نیز نفس اور اس کی خواہشات سے بھی جہاد کیا جاتا ہے، یہ سب صورتیں بھی جہاد کے مفہوم میں داخل ہیں اور بہت مشہور ہیں۔

۳- اسلام صرف وعظ و پند کی دعوت ہے | کہاں تو یہ اعتراض تھا کہ اسلام قتل و



خون ریزی کا مذہب ہے، اور کہاں اس کے بالکل برعکس یہ کہا جاتا ہے کہ جہاد کا حکم تو صرف نبی کی زندگی ہی تک کے لئے تھا، اور اب اس کا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا، ان لوگوں کی نظر میں اسلام صرف پند، موعظت، رہبانیت اور درویشی کا نام ہے اور بعض مستشرقین کے نزدیک جہاد کی حیثیت دفاعی ہے، اسلام قتال کی اسی وقت اجازت دیتا ہے جب خود اس کو برباد کرنے کے لئے اس پر حملہ کیا جائے، مستشرقین کے اس پروپگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ خود مسلمانوں نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کر لیا ہے اور بقول مولانا مودودی اپنی اس طرح صفائی دینا شروع کیا ہے کہ

”حضور! بھلا ہم جنگ و قتال کیا جانیں؟ ہم تو بھکشوؤں اور پادریوں کی طرح پر امن مبلغ لوگ ہیں، چند مذہبی عقائد کی تردید کرنا اور ان کی جگہ کچھ دوسرے عقائد لوگوں سے تسلیم کر لینا، بس یہ ہمارا کام ہے، ہمیں تلوار سے کیا واسطہ؟ البتہ اتنا قصور کبھی کبھار ہم سے ضرور ہوا ہے کہ جب کوئی ہمیں مارنے آیا تو ہم نے بھی جواب میں ہاتھ اٹھا دیا، سواب ہم تو اس سے بھی توبہ کر چکے ہیں، حضور کی طمانیت کے لئے تلوار والے جہاد کو سرکاری طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے، اب تو جہاد فقط زبان و قلم کی کوشش کا نام ہے۔“

اس پروپگنڈہ سے برطانوی استعمار کو ہندوستان پر اپنا تسلط جمائے رکھنے میں بڑی مدد ملی، اس سلسلہ میں ان کو قادیانیوں سے بھی خوب سہارا ملا جو جہاد باسیف کو موجودہ زمانہ میں باطل قرار دے کر انگریزوں کے معاون اور پشت پناہ بن گئے تھے۔

# مشہور مستشرقین اور ان کی تصنیفات

(جائزہ اور تعارف)

مولانا سلمان شمسی ندوی

مستشرقین نے اپنی مہم کو چلانے اور اپنی تحقیقات کی اشاعت کے لئے ہر ممکن وسیلہ کو اختیار کیا، جن میں سے چند کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر کتابوں کی تالیف، جن میں اسلامی نقطہ نظر، قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو موضوع بنایا جاتا ہے، جن میں سے اکثر نصوص و متون کی تحریفات پر مشتمل ہوتی ہیں۔

(۲) رسائل و مجلات کی اشاعت، جس میں اسلام اور بلادِ عربیہ کے مسائل پر بحث ہوتی ہے۔

(۳) عالم اسلام میں مشنریوں کا قیام، جو بظاہر انسانی خدمت اور گرام سدھار کے نام پر کام انجام دیتی ہیں، لیکن ساتھ ہی پرخطر اور دور رس نتائج لوگوں کے دلوں میں چھوز جاتی ہیں ان خدمات کے تحت اسپتال، ڈسپنسریوں، یونین، کالج، یتیم خانوں اور مہمان خانوں کا بہت سے مقامات پر پورا انتظام موجود ہے، اس کے علاوہ مسیحی نوجوانوں کی بہت سی انجمنیں عالم اسلام میں قائم ہو چکی ہیں۔

(۴) یونیورسٹیوں اور علمی سمیناروں میں محاضرات و مقالات کے اجتماعات کا انتظام ہے، اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اسلامی ملکوں کی یونیورسٹیوں اور سمیناروں میں انھیں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، چنانچہ قاہرہ، دمشق، رباط، کراچی اور علی گڑھ کے علمی مراکز میں انھیں اظہار خیال کا پوری آزادی سے موقع ملتا ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنے افکار و خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔

(۵) انھوں نے اپنے قلم کے زور سے اسلامی ملکوں کی محنت اور ہمت سے نکلنے والے جرائد و اخبارات کی بڑی تعداد کو خرید لیا ہے، ڈاکٹر محمد علی قزوینی اور ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کی مشہور کتاب "التبشیر والاستعمار" جسے اشتراق کے سلسلہ میں سائیس (Souse) سے درجہ حاصل ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"کئی کاروباروں نے مصر کی حالت سے فائدہ اٹھایا ہے، بہت زیادہ فائدہ اٹھایا، اس کے ذریعہ انھیں بیرونی تفریقیت کی اشد حالت نظر نہ آ رہی تھی، وہ شاید ہی کسی دوسرے ملک میں ایسی حالتوں کا شکار بنائیں مگر تہذیب و تمدن کے مسائل کی صورت میں ان کے لیے یہ تفریقیتوں کی حالتوں سے گزرنا اور بہت سے مسائل اور صورتوں کو سامنے دیکھنا پڑتا ہے۔"

(۶) اپنے داخلی خرابیوں کو مٹی تھلے دیکھنے کے گاہکوں کا اظہار ہوتا ہے، جس میں

پچھلے عہدہ عام خدوین سے بھاری کڑی جاتی ہے۔ یہاں تا فرانس اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر ملکوں کی بددعوتی رہتی رہی ہے۔

(۷) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (Encyclopedia of Islam) کی انگریزی زبان

تعداداً ۱۴ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، ان مستشرقین کی اس کتاب میں اسلامی تعلیم کے لیے کچھ مسائل اور مسائل کا اظہار کیا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

(۸) سوسائٹی سائنس کے بارے میں لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

(۹) سوسائٹی سائنس کے بارے میں لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

(۱۰) سوسائٹی سائنس کے بارے میں لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

(۱۱) سوسائٹی سائنس کے بارے میں لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

(۱۲) سوسائٹی سائنس کے بارے میں لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے، اور انہیں کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

غرض سے ایک انجمن قائم ہوئی، اس کے زیرِ نگرانی رسالہ ”مجلة الجمعية الاسبوية الملكية“ شائع ہوا، اس صدی میں امریکی مستشرقین کے زیرِ اہتمام نکلنے والے رسائل میں ”مجلة الدراسات الشرقية“ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، یہ صوبہ OHIO کے شہر Combier سے شائع ہوتا تھا، اور اس کے مختلف ایڈیشن روس، لندن اور دوسرے مقامات سے شائع ہوتے تھے، معلوم نہیں اس وقت اس نام سے شائع ہوتا ہے یا کسی دوسرے نام سے، اس پر سیاسی سامراج کی پوری چھاپ تھی۔

(و) اس وقت امریکی مستشرقین کے قلم سے نکلنے والے رسائل میں مشہور یہ ہیں: (The Islamic world affairs) ”مجلة شنون الشرق الاوسط“ جو بڑی حد تک سیاست سے متاثر ہے۔

(و) سب سے خطرناک رسائل وہ ہیں جو امریکی مشنریاں نکال رہی ہیں، ان میں ”صموئیل زویر“ (S. Zwenier) کے زیرِ ادارت نکلنے والا رسالہ ”العالم الاسلامی“ (The Muslim World) خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، یہ رسالہ ۱۹۱۱ء میں پہلی بار نکلا، اور اب بھی (Harl Forse) امریکہ سے شائع ہوتا ہے، حال میں اس کے مدیر اعلیٰ کینٹ کراچ (K. Cragg) تھے۔

(ز) اسی سے ملتا جلتا ہوا رسالہ (Le Mede Muslmalmane) ہے، جو ایک فرانسیسی مستشرق کے زیرِ نگرانی نکلتا ہے۔

### مشہور مستشرقین اور ان کی تصنیفات:

اے۔ جے۔ آربرے A.J. Arberry مشہور انگریز مستشرق ہے، اس کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے۔ اسلامک انسائیکلو پیڈیا کے مرتبین میں ہے، آج کل کیسبرج یونیورسٹی کا پروفیسر ہے، وہ ہمارے معاصر مصری فاضلوں کا استاد رہ چکا ہے، اس کی مشہور ترین کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ الاسلام والیوم ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ مقدمة لتاریخ التصوف ۱۹۴۷ء ” ” ”

۳۔ التصوف ۱۹۵۰ء ” ” ”

۴۔ ترجمة القرآن ۱۹۵۰ء ” ” ”

الفروڈ جیوم A. Geom ہم عصر انگریز ہے، تعصب اس کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے، لندن یونیورسٹی میں لکچرار ہے، اس کی تحریر میں مشنری روح کا غلبہ ہے، اس کی تصنیفات میں معرکۃ الآراء کتاب ”الاسلام“ ہے، مصری حکومت نے بہت سے نوجوانوں کو مشرقی زبانوں کی

تحقیقات کے لئے اس کے پاس بھیجا ہے۔

فرانسیسی مستشرق ہے، اسلامک

Baron Carra De Rounon کیرا ذی فونون

انسائیکلو پیڈیا کے مرتبین میں اس کا نام اہم ترین ہے۔

انگلینڈ کا ہم عصر مستشرق ہے، مصر کی

ایچ۔ اے۔ آر۔ گب H.A.R. Gibb

لینگویج اکیڈمی کا ممبر رہا ہے، آج کل امریکہ میں اسلامیات کا پروفیسر ہے، دائرۃ المعارف کے مرتبین میں یہ بھی ہے، اس کی اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ طریق الاسلام : ۱۹۴۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی، اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے

ہیں، اس کا عربی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲۔ الاتجاهات الحديثة في الاسلام : ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ المذهب المحمدي : یہ بھی ۱۹۴۷ء میں پہلی بار شائع ہوئی، اور اب تک

مختلف ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۴۔ الاسلام والمجتمع الغربي : اس کی کئی جلدیں ہیں، اس کی تالیف میں

دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔

۵۔ مجموعہ مضامین۔

علمی بددیانتی اور اسلام دشمنی کے لئے مشہور ہے،

گولڈ زیہر Gold Zieher

دائرۃ المعارف کی ترتیب میں اس کا بھی حصہ رہا ہے، قرآن مجید اور حدیث پر اس کی تصنیفات ہیں، اس کی کتابوں میں "تاریخ مذاہب التفسیر الاسلامی" کو خاص شہرت حاصل ہوئی، جس کا ترجمہ عربی میں بھی ہوا ہے۔

متعقب امریکی ہے، "رسالۃ دراسات الشرقیہ" کے

جان مائی نارڈ Mynard

ایڈیٹوریل اسٹاف میں رہ چکا ہے، اس رسالہ کے مضامین اس کی زہر افشانی کے شاہد ہیں۔

مشنری مستشرق ہے، اس لئے اسلام کے ساتھ

ایس۔ ایم۔ زویمر S.M. Zwemer

اس کی دشمنی دوہری ہے۔ رسالہ "العالم الاسلامی" کا بانی اور کتاب "الاسلام تحد لعقیدۃ"

کا مصنف ہے، یہ کتاب ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی، یہ کتاب اس کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو

مشنریوں کی کانفرنس منعقدہ ۱۹۰۷ء کو لکھنؤ میں پڑھے گئے تھے، اس کی علمی اور تبلیغی سرگرمیوں کی یاد

میں امریکیوں نے ایک اوقاف قائم کیا ہے، جس کے تحت لاہوتی مطالعہ اور مبلغین کی جماعت

تیار کی ہے۔

**عزیز عطیہ سوریال** | مصری سیکی مستشرقہ تھی ہے، اسکندریہ کی یونیورسٹی میں استاوریو چکا ہے، اور

اب امریکہ کی کسی یونیورسٹی میں ہے، اہل لٹری تعلیمات کی تخریب میں اس کا بڑا حصہ ہے، اس کے لئے اس نے بہت سے وسائل اختیار کئے ہیں، سلیبس جنگوں سے متعلق اس کی بہت سی تصنیفات ہیں۔

جی۔ ونون گروہارم **G. Von Greav Bourm** | یہودی النسل جرمن ہے، بعد میں

امریکہ میں سکونت اختیار کر لی، اور تدریس کا شغل اختیار کیا، شیکاگو یونیورسٹی میں بھی پروفیسر رہے ہیں، اس کی تصنیفات میں اسلامی اقدار پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی ہے، لکھنے میں بڑا مہم ہے،

اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسلام العصور الوسطی ۱۹۴۶ء میں پہلی بار چھپی۔

۲۔ الاعیان المحدثیہ ۱۹۵۱ء میں چھپی۔

۳۔ محاورات فی شرح الاسلام المعاصر ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔

۴۔ دراسات فی تاریخ النفاثہ الاسلامیہ ۱۹۵۲ء .. ..

۵۔ الاسلام مختلف مقالات کا مجموعہ ہے۔ ۱۹۵۷ء .. ..

۶۔ الوحده والتنوع فی الحضارة الاسلامیة ۱۹۵۷ء .. ..

**فیلپ حتی P.H. Hitti** | لبنانی سیکی مستشرق ہے، پرنسٹن یونیورسٹی میں پہلے اسلامک

اسٹڈیز کے استاد تھے، پھر اس کے ہڈ ہو گئے، آج کل امریکہ کے وزیر خارجہ کے کاؤنسلر ہیں، ان کی شدید کوشش رہتی ہے کہ انسانی تہذیب کی تشکیل میں اسلام کی وٹا ہی ثابت کی جائے، مسلمانوں کی طرف کسی مرتبہ و شرف کی نسبت نہ ہونے پائے۔

دائرة المعارف الاسلامیہ مطبوعہ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۲۹ پر الادب العربی کے مقالہ میں تحریر

فرماتے ہیں:

”عربوں میں ادبی زندگی کی علامتیں پہلے نہ تھیں، ان کا ظہور

انیسویں صدی کے اخیر میں ہوا ہے، نئی تحریک کے قائدین کی صف اول میں

لبنان کے وہ نصاریٰ ہیں، جنہوں نے امریکی مبلغین کی کوششوں سے تعلیم

کی منزل طے کر کے نئی روشنی اخذ کی۔“

اس کی ساری کوشش یہ رہی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے علم و فضل کو ناقص قرار دیا جائے

ان کی رائے میں یہ کوتاہی اور کمی عصر جدید میں نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے ہر مرحلہ میں رہی ہے۔  
ان کی یہ رائے ان کی اپنی تصنیفات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان کی بعض کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تاریخ العرب  
اصلاً انگریزی میں ہے، عربی میں بعد میں ترجمہ ہوئی  
کتاب اسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لعن و اتہزاء  
تہجری ہوئی ہے۔

۲۔ تاریخ سوريا

۳۔ اصل الدرر و دیانتمہم ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔

اے۔ جے۔ وینسنگ **A.J. Wensink** پہلے مصر کی اسانی اکیڈمی کا ممبر تھا، طیب سن  
ہواری نے اس کو الٹ کر لیا، اس کے نزدیک قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے،  
انہوں نے مذہبی اور فلسفیانہ قدیم کتابوں کا مطالعہ کر کے اس کو لکھا ہے، دیکھئے: "المستشرقون  
والاسلام" ص ۱۷، اس کی دوسری مشہور کتاب عقیدۃ الاسلام ہے جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔

لوی ماسینون **L. Masegnon** فرانسیسی مستشرق ہے، شمالی افریقہ میں فرانس کی  
وزارت نوآبادیات کا ایڈوائزر تھا، مصر کے مشنریوں کا روت رواں ہے، اس نے دنیا کے اسلام کا کئی

بار سفر کیا، مصر کی اسانی اکیڈمی اور مشرق کی المجمع العلمی العربی کا ممبر رہا، فلسفہ و تصوف اس  
کے امتیازی علوم ہیں۔ اس کی مشہور کتابوں میں الحلج الصوفی الشہید فی الاسلام ہے،  
یہ کتاب ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی، اس کے علاوہ اس کے مقالات و محاضرات کے مجموعے بھی شائع  
ہو چکے ہیں، دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگاروں میں ہے، اس کی ترتیب میں اس کا بڑا حصہ ہے۔

ڈی۔ بی۔ ماکڈونالڈ **D.B. Macdonald** امریکی مستشرق ہے، یہ بھی

دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگاروں میں ہے، اس کی مشہور کتابوں میں "تطور علم الکلام

والنظرية الدستورية في الاسلام" مطبوعہ ۱۹۰۳ء اور "الموقف الديني والحياة في

الاسلام" مطبوعہ ۱۹۰۸ء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجید قدوری **مجید قدوری** عراق کے عیسائی ہیں، واشنگٹن یونیورسٹی میں اور نیٹل اسٹڈیز کے بڈ آف

پارٹمنٹ اور مجلس علوم شرقیہ کے سرگرم رکن ہیں، یہ بھی اسلام کے خاص ناقدوں میں ہیں، ان کی

شام کا کتاب "الحرب والاسلام في الاسلام" ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی، اس کے علاوہ مطبوعہ

مقالات بھی ہیں۔

ڈی۔ ایس۔ مارگولیس D.S. Margoliouth انسلا انگریز، اور انسائیکو پیڈیا کے

مرتبین میں سے ہیں، مصر و مشرق کی اکیڈمیوں کے ممبر رہے ہیں، ان کی مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ التطورات المبكرة في الإسلام مطبوعہ ۱۹۱۳ء

۲۔ محمد ومصطلح القرآن ،، ۱۹۰۵ء

۳۔ الجامعة الإسلامية ،، ۱۹۱۲ء

نیکولسن R.A. Nicholson مشہور انگریز مستشرق ہے، دائرۃ المعارف کا مقالہ نگار ہے،

مصر کی اسلامی اکیڈمی کا بھی ممبر رہا ہے، اسلامی فلسفہ و تصوف اس کا خاص موضوع ہے، اس کے

باوجود اس کو اسلام کے روحانی نظام ہونے سے اتفاق نہیں ہے، اور اس کو وہ سطحی مذہب قرار

دیتا ہے۔ (۱) متصوفو الاسلام: مطبوعہ ۱۹۱۰ء اور (۲) التاريخ الادب العربی: مطبوعہ ۱۹۳۰ء

اس کی مشہور کتابیں ہیں۔

ہنری لامنس | فرانسیسی مستشرق اور دائرۃ المعارف کا مقالہ نگار ہے، اس کی اسلام دشمنی مشہور

ہے، فرانسیسی میں اس کی دو کتابیں ہیں، ”اسلام“ اور ”طائف“۔

اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستشرقین کی حسب ذیل کتابیں قابل ذکر

ہیں، ان میں سے بعض کے نام اوپر آچکے ہیں:

۱۔ حياة محمد رسول الله ﷺ (آرنلڈ ٹون بی) A. Ton bee

۲۔ الاسلام (ولیم مویر) William muir

۳۔ دین الشیعه (الفرڈ گیوم) A. Geom

۴۔ تاریخ شارل الکبیر (ڈونالسن) D.M. Donolson

۵۔ الاسلام (ترپن) Bishop Turpin

۶۔ الاسلام تحد لعقيدة (ہنری لامنس) H. Lammens

۷۔ دعوة المسندنة (زویر) S.M. Zwemer

۸۔ الاسلام اليوم (کینٹ کراچ) K. Cragg

۹۔ ترجمة القرآن (اے۔ جے۔ آربری) A. J. Arbary

۱۰۔ تاریخ مذاہب التفسیر الاسلامی (گولڈ زیہر) Gold Zieher



- Gold Zieher (گولڈزیہر) ۱۱۔ تاریخ العرب
- P.Hitti (فلپتی) ۱۲۔ اليهودية في الاسلام
- Abraham Kash (ابراہیم کاش) ۱۳۔ عقيدة الاسلام
- Wensnik (وینسک) ۱۴۔ الحلاج الصوفي الشهيد في الاسلام
- مجید قدوری ۱۵۔ الحرب و الاسلام
- L.Massegnon (لوی ماسینون) ۱۶۔ تطور علم الكلام و الفقه و النظرية الدستورية في الاسلام
- Meedo Nald (میکڈونالڈ) ۱۷۔ الاتجاات الحديثة في الاسلام
- A.R.Gibb (اے۔ آر۔ گب) ۱۸۔ طريق السلام
- “ “ ۱۹۔ التصوف في الاسلام
- Nicholson (نیکولسن) ۲۰۔ مصادر تاريخ القرآن
- Arthur Jeffeiry (آرتھر جیفیری) ۲۱۔ اصول الاسلام في البيئة المسيحية
- R. Bell (آر۔ بل) ۲۲۔ مقدمة القرآن
- “ “ ۲۳۔ التطورات المبكرة في الاسلام
- D.S.Marglious (مارگولیس) ۲۴۔ محمد و مصطلح الاسلام
- “ “ ۲۵۔ الاسلام
- “ “ ۲۶۔ الجامعة الاسلامية
- “ “ ۲۷۔ قنطرة الى الاسلام
- A Betmon (اریک بتمان) ۲۸۔ اسلام العصور الوسطی
- جی۔ ون۔ گروتیارم ۲۹۔ الاسلام
- Von Grieboun “ ۳۰۔ الاعیاد المحمدية
- “ “ “ ۳۱۔ الوحدة و التنوع في الحضارة الاسلامية
- “ “ “ ۳۲۔ دراسات في تاريخ الثقافة الاسلامية

مستشرقین کا سب سے بڑا کارنامہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ہے، ویہ بھی بددیانتی سے

خالی نہیں، لیکن اسلامیات کے مطالعہ کے لئے ناگزیر ہے، اس کے اہم مقالہ نگاروں کے نام

حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابراہم کاش  
اليهودية في الاسلام كما منصف ہے۔

۲۔ (سی۔ سی۔ ایڈمز) C.C. Adams امریکن یونیورسٹی میں استاد روچکا ہے۔

الاسلام في التجديد في مصر كما منصف ہے۔

۳۔ (اوردار فرمان) E.Ferman تاریخ المسلمین وفتوحانہم کا منصف ہے

۴۔ (ایڈون کیلوری) E.Calverry رسالہ "العالم الاسلامی کے ایڈیٹروں کے

ہیں، انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب میں بھی حصہ

لیا، اور قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی میں

استاد رہے۔

انہوں نے "امت محمد" کے نام سے ۱۹۵۵

میں کتاب لکھی تھی۔

۵۔ اریک شرور

The Muslim World Elder

۶۔ ایڈلڈر

کے ایڈیٹر ہیں۔

۷۔ (الفرڈ کارٹن) A. Carlton

۸۔ (ال ایزمیرج) L. Eisembeeg

۹۔ (ڈبلو۔ ایوانو) W. Iwanow

۱۰۔ (ہالنگر) H. Balinger

۱۱۔ (اے۔ باگیاریو) A. Bagliaro

۱۲۔ (جے۔ بارٹھ) J. Barth

۱۳۔ (آر۔ پیرٹ) R. Peret

۱۴۔ (آر۔ بسٹ) R. Besst

۱۵۔ (بشپ) Bishap

۱۶۔ (سی۔ سی۔ برگ) C.C. Berg

۱۷۔ (ایچ۔ ایچ۔ براؤ) H. H. Brau

۱۸۔ (آئی۔ ال۔ پرنسل) I. L. Previncsal

۱۹۔ (آر۔ بل) R. Bell

موصوف نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، جن میں اصول الاسلام فی البینة  
المسیحیة مطبوعہ ۱۹۳۷ء اور مقدمہ القرآن مطبوعہ ۱۹۵۳ء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۲۰۔ (ام۔ پلنسر) M. Plenser

۲۱۔ (ایف۔ بول) F. Buhl

۲۲۔ (وی۔ ٹی۔ بوشنر) V. T. Bushner

۲۳۔ (جے۔ پورسن) J. Paderson

۲۴۔ (ایس۔ ایچ۔ بیکر)

۲۵۔ (اے۔ ایس۔ تریٹون) A. S. Triton

۲۶۔ (آر۔ چوڈی) R. Chudi

۲۷۔ (ٹی۔ ایچ۔ ٹوینبال) T. H. Toynaball

۲۸۔ (گارڈ فرائی) Gouard Feray

۲۹۔ (ویڈ جیرکومن) W. Jerkomon

۳۰۔ (جیڈی) Guidi

۳۱۔ (بی۔ گوئیل) B. Goll

۳۲۔ (کی۔ ڈوسوڈ) G. Dussaud

۳۳۔ (ڈی۔ ایل۔ ڈیلویڈ) D. L. Dellvid

۳۴۔ (ڈی۔ بوئر) D. Boer

۳۵۔ (ڈیڈلین) Dielec

۳۶۔ (ای۔ ڈینٹ) E. Dinet

۳۷۔ (آر۔ روبرٹ) R. Robert ان کی دو کتابیں زیادہ مشہور ہوئیں۔

(۱) القوانین الاجتماعية فی القرآن

(۲) القرآن البوراق فی القوانین الاجتماعية (مطبوعہ ۱۹۲۵ء)

۳۸۔ (ریکندر) Recenderf

۳۹۔ (کے۔ ایف۔ زٹرسن) K. F. Zattersan

۴۰۔ (او۔ اسپايس) O Spies

۴۱۔ (ایم۔ اسٹریک) M. Streck ان کی کتاب تاریخ الحروب الصلیبیہ ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔

۴۲۔ (ایچ۔ اسپیر) H. Spyer

۴۳۔ Snouk Horgrovji

۴۴۔ R. Slart-meut

۴۵۔ (بی۔ شریک) B. Schrecch

۴۶۔ (جے۔ شیلفر) J. Sheifar

۴۷۔ (ایس۔ مرسر) S. Merser

۴۸۔ C. Von Areudonk

۴۹۔ H. Huches

۵۰۔ (کے۔ فولزر) K. Vollers

۵۱۔ (ایف۔ ووکا) F. Vocca

۵۲۔ (اے۔ فیشر) A. Fecher

۵۳۔ (کارل بروکلمان) Karl Brockelman

موصوف اصلاً جرمن ہیں، جرمن زبان میں عربی ادب کی تاریخ لکھی ہے، تاریخ الشعوب الاسلامیہ بھی انہی کی کتاب ہے، روس کی مجلس علمی کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔

۵۴۔ (آر۔ اے۔ کرن) R. A. Kern

۵۵۔ (کور) A. Cour

۵۶۔ (کوشی ولسن) K. Wilson

۵۷۔ (کریمرز) J. H. Kromers

۵۸۔ (لانگ ورتھ ڈیمس) Lohng warth Dames

۵۹۔ T. Luwichi

۶۰۔ Bernard Lewies

ان کی مشہور کتاب العرب فی التاريخ ہے، یہ کتاب ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی، آج کل

ساحب کتاب لندن میں پروفیسر ہیں۔

G. Marsais - ۶۱

T. Menzel - ۶۲

Morrison - ۶۳

V. Minorski - ۶۴

Naleno (نیلنو) - ۶۵

H. S. Nebredg - ۶۶

Hartner (ہارٹنر) - ۶۷

Hartman (ہارٹمان) - ۶۸

ان کی کتاب الاسلام والقومیۃ شائع ہوئی ہے۔

H Dunne (ایچ۔ ڈیون) - ۶۹

H. Reed (ایچ۔ ریڈ) - ۷۰

موصوف ٹرکی میں عیسائی مشنری کا کام انجام دے کر بعد میں امریکن یونیورسٹی میں استاد

مقرر ہوئے، اور کئی کتابیں لکھیں۔

M. Houtsma - ۷۱

J. Horovits - ۷۲

A. Aongman - ۷۳

A. J. Hwsman - ۷۴

B. Aeller - ۷۵

Huart - ۷۶

M wat (ام۔ واٹ) - ۷۷

ان کی کتاب ”الجبر والاختیار فی الاسلام“ شہرت عام حاصل کر چکی ہے۔

J. Walker (جے۔ والکر) - ۷۸

Witteck (پی۔ وٹک) - ۷۹

T. H. Wair - ۸۰

۸۱۔ C. Young

۸۲۔ J. Welhousen

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے علاوہ انھوں نے اس کا اختصار

۱۔ موجز دائرۃ المعارف الاسلامیہ Short Encyclopedia of Islam

۲۔ دائرۃ المعارف من قسم الدین Encyclopedia of Religion &amp; Ethics

۳۔ دائرۃ المعارف العلوم الاجتماعیہ Encyclopedia of Social Science

۴۔ اور دراستہ التاریخ Study in History

تکھیں ان سب کو اسلامیات کے مطالعہ کے لئے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

کتابیات

- |   |                                 |
|---|---------------------------------|
| ۱۔ التبلیغ والاستعمار (عربی)            | ڈاکٹر عمر فرخ .. و مصطفیٰ خالدی |
| ۲۔ المستشرقون والاسلام                  | طیب حسن ہواری                   |
| ۳۔ الاسلام غدا                          | ڈاکٹر محمد البسی                |
| ۴۔ الاسلام علی «مشرق الطریق»            | محمد اسد (لیوپولڈ)              |
| ۵۔ المشبرون والمستشرقین                 | ڈاکٹر محمد البسی                |
| ۶۔ الاستشراق ، ماله و ماعلیہ            | ڈاکٹر سباعی                     |
| ۷۔ حرکات هدامة                          | “                               |
| ۸۔ Oriental Studies                     | R. K. Siddiqui                  |
| ۹۔ اسلامی ممالک میں مغربیت کی کشمکش     | سید ابوالحسن علی ندوی           |
| ۱۰۔ السنۃ و مکانتہا فی التشریح الاسلامی | ڈاکٹر سباعی                     |
| ۱۱۔ رسائل و مجلات                       |                                 |

# ہالینڈ میں استشرق

تلخیص و ترجمہ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

المستقع الغربی لندن مکی اور جون ۱۷۲۲ء کے نمبروں میں پروفیسر انڈنگ کے قلم سے ”ہالینڈ میں استشرق“ کے عنوان سے ایک مفید مقالہ نکلا ہے، اس کی تلخیص درج کی جاتی ہے۔

آج یورپ کے قریب قریب تمام بڑے بڑے ملکوں میں عربی اور مشرقی زبانوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے، یونیورسٹیوں میں عربی کی چیر قائم ہیں، اور یہاں کے مستشرقین نے کسی نہ کسی حیثیت سے عربی کی خدمت انجام دی ہے، لیکن اس کی ابتداء مغرب کے ایک چھوٹے خطہ یعنی ہالینڈ سے ہوئی، سب سے اول یہیں کے علماء نے عربی، ترکی اور فارسی زبانوں خصوصاً عربی اور اس کے علوم کی طرف توجہ کی، اور اس کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ۱۵۷۵ء میں لیڈن یونیورسٹی قائم ہوئی، اور بہت جلد یورپ میں الہیات اور پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم کا مرکز بن گئی، ۱۵۹۰ء میں پروفیسر اسکا لیگر (Scaliger) فقہ اللغۃ کے چیرمین مقرر ہوئے۔

اس زمانہ میں یورپ میں تجارت کا سب سے زیادہ مذاق اہل ہالینڈ میں تھا، اس سلسلہ میں انھیں بحر متوسط کی ساحلی اسلامی حکومتوں سے واسطہ پڑتا تھا، اس تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں انھیں عربی کے ترجمان اور اس کی تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی، انھوں نے تجارتی مراسلت کے لئے پروفیسر اسکا لیگر کی طرف رجوع کیا، یہ عربی زبان بہت واجباً جانتے تھے، اور یورپ میں اس زمانہ میں عربی لغت اور قواعد کی کتابیں ناپید تھیں، اس لئے پروفیسر مذکور کو بڑی زحمت پیش آتی تھی، انھوں نے اپنے ایک ہونہار اور لائق شاگرد ارپینس (Erpenius) کو عربی اور بعض دوسری مشرقی زبانوں کے سیکھنے پر آمادہ کیا، اس نے پیرس جا کر ایک مصری سے عربی زبان اور وائنا میں فارسی، ترکی اور حبشی زبان سیکھیں، اور جامعہ لیڈن میں مشرقی زبانوں کا استاد مقرر ہوا، چند دنوں کے بعد اس نے مشرقی زبانوں کی کتابوں کی اشاعت کے لئے ایک چھوٹا سا مطبع قائم کیا، اور ۱۶۱۳ء میں

عربی قواعد کی ایک کتاب شائع کی جو مدتوں یورپ میں عربی تعلیم کا ذریعہ رہی، ۱۸۴۴ء میں فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا، ارنہیمس کے ایک لائق شاعر جو لیس (Julius) نے بڑی محنت اور ذوق و شوق سے مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی، دو مرتبہ مراکش اور ایشیائے کوچک کا سفر کیا، اور یہاں سات برس قیام کر کے عربی اور ترکی میں کمال حاصل کیا، اور واپسی میں جامعہ لیڈن کے لئے نادر منطوطات کا تحفہ لے گیا، جو لیس پورا طالب علم تھا، مشرقی زبانوں کے علاوہ ریاضیات کا بھی استاد تھا ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر میں چینی زبان سیکھنے کی طرف توجہ کی، اس کو عربی، فارسی اور ترکی سے بڑا شغف تھا، سب سے پہلے اسی نے عربی لاطینی لغت لکھا جو کئی صدیوں تک یورپ میں مستشرقین کا مرجع رہا، پروفیسر فریٹاگ (Freytag) کے مشہور عربی لاطینی لغت کی تالیف کے بعد علماء نے ادھر توجہ کی، یہ لغت بالکل عربی لغات کے نمونے پر لکھا گیا تھا، لاطینی میں عربی لغات کی تشریح تھی، گو یہ کوئی بڑا جامع لغت نہ تھا، لیکن اپنے زمانہ کے اعتبار سے غنیمت تھا۔

پروفیسر جو لیس کی توجہ اور دلچسپی سے یورپ میں لیڈن یونیورسٹی مشرقی زبانوں کی تعلیم کا مرکز بن گئی، اس کے نامور شاگرد وارنر (Levin Warner) نے قسطنطنیہ کا سفر کر کے عربی زبان سیکھی اور ترکوں کی معاشرت اور ان کے اوضاع و اطوار کا مطالعہ کیا، اس کی ناوقت موت نے اسے وطن واپس ہونے کی مہلت نہ دی، لیکن اس نے عربی، فارسی اور ترکی کی بہت سی نادر قلمی کتابیں جامعہ لیڈن کے لئے تحفہ بھیجیں، جنہوں نے ”عطیہ وارنر“ کے نام سے یورپ میں اتنی شہرت حاصل کی کہ شائقین دور دور سے اسے دیکھنے کے لئے لیڈن آتے تھے۔

اس دور کے نامور مستشرقین میں ایک پروفیسر ایڈرین ریلینڈ (Adrian Reyalnd) استاذ جامعہ اٹرشٹ (Utreogt) ہیں، یہ ہالینڈ کے سب سے فاضل مستشرق تھے، فلسطین کا جغرافیہ اور اسلامی تعلیم کا ہوں پر ان کی تصانیف ان کے علمی کمال کا ثبوت ہیں، ان کا نمایاں اور ممتاز وصف ان کی بے تعصبی اور انصاف پسندی ہے، ان کے پیشرو مستشرقین سخت متعصب تھے، اور ان کی تصانیف اسلام کے خلاف اندھے تعصب سے خالی نہ ہوتی تھیں، جن کا مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کو سمجھنا نہیں، بلکہ محض مسیحیت کی مدافعت اور اسلام پر اعتراض کرنا تھا، پروفیسر ریلینڈ کی روش اس سے بالکل مختلف تھی، ان کا مقصد انصاف اور بے تعصبی کے ساتھ اسلام کی تعلیم کا مطالعہ، اور اس کو اصلی اور صحیح ماخذوں سے لے کر اصلی شکل میں پیش کرنا تھا، وہ علانیہ کہتے تھے کہ میں راسخ العقیدہ مسیحی ہوں، لیکن میرا مذہب دوسرے مذاہب پر طعن و طنز کا سبب نہیں بن سکتا، ان کا مقولہ تھا



کہ ہم سب انسان ہیں، جن سے غلطی کا ہو جانا بعید نہیں، خصوصاً مذہبی معاملات میں ہم حد اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور اپنے جذبات کے ماتحت فیصلہ کر دیتے ہیں۔

ریلینڈ کے عہد کے بعد لیڈن یونیورسٹی میں ایک ہی گھر کے تین افراد البرٹ شلٹنس (Albert Shultens) اس کا لڑکا جان جیمز (John James) اور اس کا پوتا یکے بعد دیگرے شعبہ عربی کے صدر مقرر ہوئے، اور ستر سال تک یہ عہدہ اس گھرانے میں رہا، ان میں جیمز اپنے عہد کا سب سے بڑا مستشرق تھا، اور البرٹ پہلا شخص ہے جس نے عربی زبان کے ذریعہ عبرانی کو سمجھنے کی کوشش کی، گو اس کا یہ نظریہ غلط تھا، لیکن اس کی بنیاد صحیح تھی، اتنا مسلم ہے کہ توراہ کی اصل زبان عبرانی کے بہت سے الفاظ ایسے ہیں، جن کے صحیح معنی مرور زمانہ نے بھلا دیے ہیں، یہی وجہ ہے کہ توراہ کے مختلف زبانوں کے ترجموں میں ایک ہی عبرانی لفظ کے مختلف بلکہ متضاد ترجمے ہو گئے ہیں، البرٹ کا نظریہ یہ تھا کہ قدیم عبرانی الفاظ کے معنی کو ان کے مقابل عربی الفاظ کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے، اس کے ثبوت میں اس کے پاس دلائل اور مثالیں بھی تھیں، لیکن یہ بڑا متعصب تھا، اس لئے عربی زبان کے مطالعہ میں اس نے کوئی اچھا اثر نہیں چھوڑا، اس کے بعد ہالینڈ میں استشرق کی رفتار سست پڑ گئی۔

گذشتہ صدی کے اواخر میں پھر اس کی تجدید ہوئی اور ایسی ہوئی کہ اس میدان میں اس کا قدم پچھلے دور سے بہت آگے بڑھ گیا اور ایسے نامور اور صاحب کمال مستشرق پیدا ہوئے، جن کے کارناموں کے سامنے گذشتہ مستشرقین کے کارنامے ماند پڑ گئے، ان میں ڈوزی (Dozi) ڈی جی (Degoeje) اور اسنوگ ہرگرونج (Snouck Hargronje) زیادہ ممتاز ہیں، ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مشرقی علوم کے مطالعہ کو طعن و تعصب سے پاک کر کے خالص علمی مقصد بنا دیا، ان کے علمی کارناموں نے مشرقیات میں ہالینڈ کا علمی پایہ بہت اونچا کر دیا، بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ اس میں یورپ کا کوئی ملک ہالینڈ کی ہمسری نہیں کر سکتا، ان علماء نے علم کی ریامر سائی بنا کر جمع ادا کیا، اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک دائمی عظمت میراث میں چھوڑ گئے۔

ڈوزی ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوا، اور ۱۸۸۳ء میں وفات پائی، اس میں مختلف زبانوں کے سیکھنے کی فطری صلاحیت تھی، ادب اور عہد وسطی کی تاریخ سے اسے خاص دلچسپی تھی، فنون لطیفہ سے بھی ذوق رکھتا تھا اس کی خوش قسمتی سے اس کو لیڈن یونیورسٹی میں ویرس (Weyers) جیسا کامل استاد مل گیا، جس نے اپنے تلامذہ کے لئے علمی تحقیق کا ایک قابل تقلید طریقہ ایجاد کیا، اور ڈوزی کو عربی

زبان کے مطالعہ میں الفاظ اور معنی کے ساتھ ان کے اشتقاق کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ہدایت کی، اس طریقہ تحقیق کا نتیجہ وہ عربی اور فرانسیسی لغت ہے، جو عربی زبان کا خزانہ تصور کیا جاتا ہے، ڈوزی نے اپنے علمی مساعی اور محنت کا نصف حصہ اس بے مثل لغت کی تالیف و تحقیق میں صرف کیا، اس کی اہم تاریخی تصانیف میں فرانسیسی زبان میں اس کی قابل قدر کتاب ”اپین میں مسلمانوں کی تاریخ“ ہے۔

ڈی گج ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوا، اور ۱۹۰۹ء میں وفات پائی یہ ڈوزی کے ارشد تلامذہ میں تھا، مہارت فن، غیر معمولی ذہانت اور جدت طرازی اس کا نمایاں وصف ہے، آج عربی زبان کے طالب علموں کے لئے جو کتابیں ناگزیر سمجھی جاتی ہیں، ڈی گج کے زمانہ میں ان کا نام و نشان نہ تھا، اور نہ مشرقی کتابیں یورپ تک پہنچی تھیں، جن سے تشنگان علم اپنی پیاس بجھاتے، عربی کتابوں کے بیشتر قلمی اور نادر الوجود نسخے مشرق و مغرب کے کتب خانوں کی ردی کے انبار میں مٹ گئے، ان گنجماں گرانمایہ کو گوشہ گمنامی سے نکالنے میں ڈی گج کی کوششوں کو بڑا دخل ہے، اور یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ گذشتہ نصف صدی کے اندر یورپ میں جتنی نایاب کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان میں سے اکثر کی اشاعت میں کسی نہ کسی حیثیت سے ڈی گج کی امداد ضرور شامل ہے، اس نے عربی تصنیفات کو بہترین تصحیح و ترتیب و تفسیر اور فہم ستوں کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کے بعد کے ان تمام مستشرقین نے جنہوں نے عربی کتابیں شائع کیں، اس کے طریقہ کی تقلید کی اور اس میں وہ سب اس کے احسان مند ہیں، ڈی گج نے سب سے اول یعقوبی کے جغرافیہ کا وہ حصہ جو مغرب (شمالی افریقہ اور اندلس وغیرہ) سے متعلق ہے شائع کیا۔

اس کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا، ابو جعفر طبری کی مشہور تاریخ ”تاریخ الامم والملوک“ کی اشاعت ہے، ان خدمات کے ساتھ مختلف اسلامی موضوعوں پر مقالات کا سلسلہ بھی جاری رہا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے ذمے اور گیارہویں حصے میں متعدد مقالات اس کے قلم کے ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ مشرقیات میں اس شغف و انہماک کے باوجود ان دونوں فاضلوں کو مشرق دیکھنے کا کبھی موقع نہ ملا، بلکہ جو لیس کے علاوہ اس دور کے کسی بالینڈی مستشرق کو اسلامی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اسنوک ہرگرونج ڈوزی کا شاگرد رشید اور اپنے مہد کا صاحب کمال فاضل، مشہور عالم سیاح اور نامور سیاست داں تھا، اس نے البتہ اسلامی ملکوں کی سیاحت کی، اس کی پیدا کردہ روح

سے یورپ میں اسلامیات کے مطالعہ کے ذوق کی ترقی ہوئی، ۱۸۴۱ء میں پیدائش ہوا اور ۱۹۳۶ء میں وفات پائی، انہیات اور شرقی زبانوں کی تحصیل کے بعد ترقیۃ العرب کی سیاست کی اور مکہ کے نام سے اس سیاحت کا سفر نامہ شائع کیا، ۱۸۹۹ء سے لے کر ۱۹۱۱ء تک جاوا میں جہاں وہ مسلمانوں کے امور کے متعلق حکومت ہالینڈ کا مشیر ہوا، اسلامیات اور جہاں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلقات پر مطالعہ اور تلاش و تحقیق میں مشغول رہا، ۱۹۱۱ء تک اپنی رہنمائی میں مشرق مغربی کا صدر مقرر ہوا، اس کو مشرق خاص طور سے مسلمانوں کے ساتھ بڑا تعلق خاطر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور و فکر مسلمانوں کے ساتھ واپس و تعلقات، رالی سے زیادہ خیالات سے، بعد اس مغربی عقول کے برخلاف کہ ”مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے اور دونوں کو یکساں نہیں مل سکتا“ اس کو یقین کامل تھا کہ اسلام اور جہاں یورپ تک پہنچا جائے اور وہ مشرق و مغرب کے درمیان محبت کے رشتہ کو مضبوط کرنے اور ایک دوسرے کے درمیان تعلق کے لئے سب سے زیادہ

موزوں ذرائع ہے۔

# مستشرقین کی بین الاقوامی موتمر کا اٹھارہواں اجلاس

منعقدہ لائنڈن ۷-۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

از

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب جو اپنے رشحات سے اکثر معارف کو سیراب کرتے رہے ہیں، وہ چند سال کے علمی سفر کے بعد اب وطن کو کامیاب مراجعت فرما ہوئے ہیں، شیخ صاحب مشرق و مغرب کی کئی زبانوں کے ماہر ہیں، اور آئندہ ان سے ہم کو بہت کچھ علمی توقعات ہیں، کانفرنس مذکورہ کا مختصر حال مارچ ۱۹۳۲ء کے معارف میں گوجھپ چکا ہے، مگر تفصیلی روداد یہ پہلی بار شائع ہو رہی ہے۔

”معارف“

مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا اٹھارہواں اجلاس گذشتہ سال ستمبر کے دوسرے ہفتے میں بمقام لائنڈن (ہالینڈ) منعقد ہوا تھا، جس کی مختصر کیفیت امیر شکیب ارسلان کے فرانسیسی رسالہ ”قوم عرب“ کے حوالہ سے معارف بابت مارچ میں شائع ہو چکی ہے، راقم الحروف نے جو اس زمانہ میں لندن میں اقامت پذیر تھا، کانگریس مذکورہ میں بذات خود شرکت کی تھی، ایک مدت سے ارادہ تھا کہ اس کے مفصل حالات سے ناظرین معارف کی ضیافت طبع کا سامان مہیا کروں مگر افسوس کہ بوجوہات چند اپنے خیال کو تا حال عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

## افتتاحی جلسہ

موتمر کی صدارت عمومی اسلامیات اور عربی زبان کے فاضل اور لائڈن یونیورسٹی کے مشہور عالم پروفیسر ڈاکٹر سنوک ہرخرنچے (Snouck Hurgronje) سے متعلق تھی، چنانچہ موتمر کا افتتاحی جلسہ ان کی صدارت میں لائڈن کے ٹاؤن ہال میں ۱۷ ستمبر کو بوقت تین بجے سہ پہر میں منعقد ہوا، جلسہ کا آغاز ہالینڈ کے وزیر تعلیم کی تقریر سے ہوا، جس میں اس نے اپنی حکومت کی طرف سے شرمکائے جلسہ کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ملک ہالینڈ کو مشرقی السنہ اور علوم کے ساتھ کئی صدیوں سے دلچسپی ہے، جبکہ ابھی اس نے ایک استعماری سلطنت کی حیثیت سے زور نہیں پکڑا تھا، چنانچہ اس عہد میں ولندیزی علماء کے درمیان عبرانی اور عربی کے کئی جدید عالم پیدا ہوئے، اس کے بعد جب ولندیزی جہازرانوں نے اپنے وطن کے لئے مشرق کی تجارت کا راستہ کھول دیا تو اہل ہالینڈ اور اہل ہند کے درمیان براہ راست تعلق پیدا ہو گیا اور اہل ملایا کے ساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی خواہش نے ان دور دراز ممالک کی زبانوں اور وہاں کے باشندوں کے رسوم و عادات کے متعلق اپنی معلومات کے بڑھانے کی ضرورت پیدا کی، بہر کیف یہ سچ ہے کہ اہل ہالینڈ کے استشرق کو خالصتہً صرف انھیں مادی اغراض سے تحریک نہیں ہوئی، سترہویں صدی میں ہالینڈ میں مذہبی مشن کا کام شروع ہوا، اس مشن کی خواہش تھی کہ عیسائیت کی برکات کو اہل مشرق تک پہنچایا جائے چنانچہ بائبل کو جزائر ملایا کی زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی، اس طور پر وہ پادری لوگ جو ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے، دیسی زبانوں کی تحصیل و مطالعہ میں پیش پیش نکلے، اس کے بعد متعدد علمی انجمنوں نے مشرقی علوم والسنہ کی تحصیل و تحقیق کے کام کو جاری رکھا۔ ارباب حکومت کے حلقوں میں یہ خیال مستحکم ہو رہا ہے کہ مشرقی لوگوں پر حسن و خوبی کے ساتھ حکمرانی کرنے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ پہلے ان کو اچھی طرح سمجھا جائے۔

(وزیر تعلیم کے اس اظہار سے کہ گذشتہ عہد میں ولندیزی مشن کی تبلیغی مساعی کے ضمن میں بھی مشرقی السنہ کے درس و مطالعہ کو ترقی حاصل ہوئی ہے، امیر شکیب ارسلان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے ان کی اصل فرانسیسی رپورٹ کو نہیں دیکھا مگر (اردو ترجمہ میں) ان کے روایت کردہ الفاظ کا اخیر جملہ یقیناً صحیح نہیں ہے، اور اس پر امیر موصوف نے ملاحظت کی جو عمارت کھڑی کی ہے، کم از کم وزیر مذکورہ کی اصل تقریر میں اس کے لئے کوئی بنیاد نظر نہیں آتی)

## خطبہ صدارت

اس کے بعد صدر کانگریس، پرویسر ہارٹس نے فرانسیسی زبان میں ایک نہایت پر مغز اور بڑے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ ”تقریباً نصف صدی کی بات ہے کہ اسی مقام پر میرے اسباب التعظیم استاد کوئٹن (Kuennen) نے اسی کانگریس کے پچھلے اجلاس کا افتتاح کیا تھا، یہ پہلی کانگریس تھی جس میں اہل نوآوری شریک ہوئے، جبکہ میرا نوشہء علم قابل رحم طور پر نہایت قلیل تھا، اس کانگریس نے میرے دل و دماغ پر ایک گہرا نقش چھوڑا، اس شاندار محفل کی صف آخر میں، میں نشست اختیار کرتے ہوئے اگر مجھے کسی بات کی ضرورت تھی تو صرف اس امر کی کہ بزرگان محفل میری شرکت کی جرأت نہ نظر افغانی دیکھیں، اب جبکہ عمر رسیدگی نے مجھے اس کانگریس کی صدارت پر فائز کر دیا ہے، مجھے آپ حضرات سے یہ درخواست کرنی ہے کہ ازراہ کرم آپ میری ان خامیوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی کریں جو بتقاضاے سن لازمی ہیں، نہ تو ان کا میرے پاس علاج ہے اور نہ ہی میں ان کو چھپا سکتا ہوں۔“

اس کے بعد انھوں نے پچھلے اجلاس کا موجودہ اجلاس سے مقابلہ کرتے ہوئے اس حیرت انگیز علمی ترقی کا ذکر کیا جو پچھلے پچاس سال میں مشرقیات کے میدان میں رونما ہوئی ہے۔ چھٹی کانگریس میں صرف ۲۱۹ ممبروں نے شرکت کی تھی، جو تقریباً تمام تریورپ کے علمی مراکز کے نمائندے تھے، ریاستہائے متحدہ امریکہ نے صرف دینیات کا ایک پروفیسر بھیجا تھا، مشرقی ممبروں میں صرف تین ہندوستانی عالم تھے، اور ایک عرب تاجر نو اور قدیمہ جو ان دنوں تجارتی غرض سے بالینڈ میں آ نکلا تھا، اس اثنا میں شعبہ مشرقیات میں جو ترقی ہوئی ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لئے اس اجلاس کے ممبروں کی مطبوعہ فہرست دیکھنا یا اس جلسہ گاہ میں چاروں طرف نظر دوڑانا کافی ہے۔

ہمارے عہد میں اہل امریکہ اپنے علمی اور مادی ذرائع و وسائل کی بدولت ان لوگوں کی صف اول میں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مشرق کے درس و مطالعہ کے لئے وقف کر رکھا ہے، مزید برآں ہمارے مشرق بھائیوں کی روز افزوں شرکت کار (جس پر ہماری مساعی کی کامیابی و ترقی اس بات کی شاہد ہے کہ مشرقی اور مغربی دل و دماغ نے ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی قدر کیجانیے میں بہت حد تک ترقی کر لی ہے۔

اس کے بعد صدر جلسہ نے حسب ذیل الفاظ جرمن زبان میں ادا کئے، کیونکہ اس جملہ کے مخاطب اصلی جرمن لوگ ہی تھے، ”اہل برٹش نے مشرقی تحقیقات میں جو حصہ لیا ہے، وہ اس وقت بھی ایسا ہی شاندار تھا جیسا کہ اس وقت اس عہد میں ان کے علاوہ کسی شخص کو نہ سید ان لم میں جو لمبے لمبے قدم پر چلے ہیں ان کی بدولت انھوں نے تقریباً شہ ندر اور دہلی حاصل کر لیا ہے، اس لحاظ سے ہم اس بات پر ادرش ز ادو ستاسف ہیں کہ ہماری اس کانگریس کے جرمن ممبروں کی تعداد ان کی اہمیت کے تناسب سے بہت کم ہے، ہر ایف ایم ایم سے ان جرمن شرکاء کے جلسہ کا خیر مقدم کرتے ہیں جو شکاکتہ زمانہ کے نئی المزم یہاں اپنے شاندار وطن کی نمائندگی کر رہے ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ جاریہ حالات کی بنا پر اس سے غائب جرمن علماء کے لئے اعلیٰ علمی مقاصد کے حصول کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔“

پھر ہمارے نمائندگی کرنے والے اور حاضر رہنے والے سائنس دانوں اور ان کے سائقین الطیف ہمارے ہمسایوں اور برادرانہ پیرائے میں ان کی کھراویوں کو دیکھ کر سے زیادہ متحیر ہو گئے۔ وہ دیکھ کر عورت کے نام کی زبان کی نامہ میں حاصل کیا ہے۔ ان کے لئے ان کے لئے ان کے لئے بھی ظاہر ہے جس کا تمام نکتہ جنس نازک پر مشتمل ہے اور جو مشرق میں مسکروں کو برہمن کی اطلاع ہم پہنچانے کے لئے مستعد ہے، اسی طرح ان گورتوں کی تعداد سے جن جن کے نام کانگریس کے ممبروں کی حیثیت سے مندرج ہیں یا جنھوں نے اپنے مضامین پڑھے ہیں، یہ بات ظاہر ہے کہ جنس نازک نے تحقیقات سید کے مختلف شعبوں میں اپنے نمایاں شاندار کردہ کیا ہے۔“

پھر اس نے اس نوبت کی تفصیل کے ساتھ یہ بیان کیا کہ ان نوبت کے میدان میں بچپن پچاس سالوں میں واقع ہوئی ہے اور کہا کہ ”مشرقی تحقیقات“ کے مختلف شعبوں میں تقسیم ہو گئی ہے کہ اس امر کا قوی خطرہ ہے کہ علامہ کے اختتام میں اپنے نمایاں شعبہ یا مضامین کے تنگ دائرہ میں اس قدر منہمک اور غور ہو جائیں کہ وہ دیگر شعبوں کی نگاہ دار کی اور نمایاں تحقیق سے بہت حد تک بے خبر رہیں، اندر میں حالات ہماری کانگریس کے نمایاں مسائل کے لئے جو اس قسم کے خطرات کا ازالہ اور تدارک مقصود ہے تاکہ ہم میں یہ خیالی مشاہدہ نہ ہو کہ سہا حشر کے توجہ اور انتشار کے باوجود ہماری حیثیت ایک ہی سلسلہ میں فساد پھیلے۔“

اس خطبے کے بعد افتتاحی جلسہ ختم ہو گیا اور ان کی اعلیٰ تعلیم کی طرف سے حاضرین جلسہ کی چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی، اسی ایسا وعلوم سے بائینڈ کی طرف سے تمام شرکاء کے کانگریس کو

دارالسلطنت ہیگ میں ایک شاندار استقبالیہ محفل (Reception) میں مدعو کیا گیا۔

## کانگریس کے مختلف شعبے

اگلے روز کانگریس کی کارروائی نو مختلف شعبوں میں منقسم ہو گئی جن کے جلسے چار پانچ روز تک علی التواتر مقامی یونیورسٹی کی مختلف عمارتوں میں منعقد ہوتے رہے، شعبہ سوم (وسطی اور مغربی ایشیا) اور شعبہ ہاشتم (اسلام) کی تفریق کئی ایک ایسے اشخاص کے لئے تکلیف دہ اور مایوس کن تھی جو ایران اور اسلام کے متعلقہ مباحث کے ساتھ یکساں دلچسپی رکھتے تھے، کیونکہ ایک شعبہ کو چھوڑے بغیر دوسرے میں شرکت کرنا ممکن نہ تھا۔

کل (۴۷-۵) اشخاص نے کانگریس میں بنفس نفیس حصہ لیا، جن میں سے (۱۱۰) (Associated) ممبر تھے، ان ایسوسی ایٹڈ ممبروں کی اکثر تعداد شرکائے کانگریس کی بیویوں پر مشتمل تھی، جو اپنے خاوندوں کے ہمراہ بالینڈ کی سیر کو آئی تھیں، اگرچہ شروع شروع میں مستشرقین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کا ارادہ ظاہر کیا تھا، مگر بہت سے لوگ خصوصاً جرمن علماء، بوجہ اقتصادی حالات کی خرابی یعنی تنگی و عسرت کے شریک نہ ہو سکے، جرمن علماء کی قلت کی یہ بھی وجہ تھی کہ چند سالوں سے جرمن مستشرقین اپنے ہاں ایک علاحدہ کانگریس ہر دوسرے سال آسٹریا یا جرمنی کے کسی شہر میں منعقد کر رہے ہیں، جس کا نام انھوں نے Orientalistentag یعنی یوم المستشرقین رکھا ہے۔

## شعبہ اسلام

چونکہ مجھے بذات خود زیادہ تر شعبہ اسلام کے ساتھ دلچسپی تھی، اس لئے اکثر اسی شعبہ کے جلسوں میں شریک رہا، اگرچہ چند ایک مقالے شعبہ سوم میں ایرانی اور ترکی مضامین پر بھی سنے، اس شعبہ کی صدارت عموی لائڈن کے پروفیسر (Wensinck) سے متعلق تھی مگر مختلف ایام میں مختلف سربراہان اور وہ علماء نے اس کی صدارت کی، پروفیسر ہرخر سینے نے بھی زیادہ تر اسی شعبہ کو اپنی شرکت سے مشرف کیا، اور تمام مقالات غایت توجہ سے سنے، آپ کی عمر اس وقت اسی سال سے متجاوز ہے، مگر ان کی سن رسیدگی ان کے معمولی مشاغل میں حارج ہوتے معلوم نہیں ہوتی، جن مصری یا عربی علماء نے اس شعبہ میں مضامین پڑھے ان کا تذکرہ معارف میں ہو چکا ہے، جس کی



تکرار یہاں غیر ضروری ہے، باقی مقالات میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ہر مقالہ کے بالمقابل اس رسالہ کا نام بھی درج کر دیا گیا ہے، جہاں وہ مقالہ شائع ہو چکا ہے، یا ہونے والا ہے۔

محل اشاعت	موضوع بحث	زبان	مضمون نگار
Den Islam Revue de eltadas Islamiquis	شریعت اور قانون، موجودہ مصر میں فرقہ انصیریہ کے تعلقات ایران کے ساتھ ابوالولید الخمیری الاندلسی اور اس کی کتاب البدیع فی وصف الربیع	جرمن فرانسیسی ،،	پروفیسر شاخت ،، ماسینیو ،، پیریس
جرنل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن، جنوری ۳۲،	بعض کتب جنکی اشاعت ہندوستان میں زیر تجویز ہے اسمعیلی دعوت کی تاریخ اور اس کا لٹریچر	انگریزی ،،	ڈاکٹر کرنیکو ،، ہمدانی
،،	اواخر عبدالفاطمیہ میں کتاب المنتظم لابن الجوزی	،،	،، سموجی
Re, Paris	فقہ اسلامی اور رومن لاکے تعلقات قرآن کا ایک مصور نسخہ (?)	اطالین انگریزی	پروفیسر نالینو ،، گوٹائل
المشرق، بیروت	مکتبہ امبروزیانا (میلان) اور اسکے قیمتی عربی مخطوطات اسلامی فن تعمیر کے مصطلحات	اطالین فرانسیسی	گال بیاتی دیولانار
	تاریخ العلوم فی الاسلام (بحوالہ صوان الحکمة لابن سلیمان البستانی)	جرمن	ڈاکٹر پلسنر
	فرقہ مانویہ اور معتزلہ کے تعلقات کا مسئلہ احصاء العلوم للفارابی	،، فرانسیسی	،، کراؤس پروفیسر بلنسد (میدرڈ)
اسلامک پبلیشنگ ہاؤس	جمہوریہ الانساب لابن القطبی کا تجزیہ اور ڈیٹیشن	اطالین	،، لیوی دلاویدا
	یوگوسلاویہ میں مطالعات اسلامیہ کی کیفیت جغرافیہ طبعی ماحول کا اثر	فرانسیسی انگریزی	،، بجرک تاروج شیخ عنایت اللہ (بلغراد)
مسلم ریواؤل، لاہور	عربوں کے تمدن اور تاریخ پر		

## بعض مقالوں کا مختصر بیان

شعبہ اسلام | ڈاکٹر کرنیلو نے اپنے قیام ہندوستان کے حالات زبانی بیان کرتے ہوئے ان

کتابوں کا ذکر کیا جن کو ہندوستان کی مختلف مجالس یا علماء شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ

میں علی گڑھ اور دائرۃ المعارف حیدرآباد کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ ہندوستان میں لوگ زیادہ تر تصوف یا

اس سے اتر کر فقہ کی کتابوں کی طرف مائل ہیں، باقی علماء و محققین سے دو تہی نسبت کم ہے، دائرۃ

المعارف والے بغیر اعراب اور فہارس کے کتابیں چھاپتے ہیں، الدرر الاہمہ لایں تحریر چارج میں

وہاں چھپ گئی ہیں، میں نے ان کا انڈکس تیار کیا تھا، مگر ادارہ نے اپنی خوش فہمی (۱) سے فیصلہ کیا کہ

بجائے انڈکس کے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی ایک کتاب بطور

پانچویں جلد کے شائع کی جائے، گو کہ اس نظام عربی کتابوں کی طباعت پر زور دینا سرفہ کرتی ہے،

مگر لائق کمپوزیٹر اور تیز نظر <sup>محقق</sup> ... نے سب سے پہلے تجویز فرمائی تھی کہ کتاب علی گڑھ میں ایک مدت

سے قانون مسعودی کی اشاعت کی تجویز ہو چکی ہے، میں نے وہاں سے ایک صاحب کے ساتھ مل

کر اس کام کو ہاتھ لگایا تھا، مگر ان کی قابلیت یعنی انگریزی میں ناواقفیت کے سبب پھر نتیجہ برآمد نہ ہوا

جب تک ان دنوں سے پچھلے دنوں میں ہندوستان میں ناواقفیت کے سبب پھر نتیجہ برآمد نہ ہوا

بیان کی ناقصی برداشت کر کے اور تقابلاً وہ ہندوستان کے حالات کے بارے میں ناواقف اور

پرہیزگاروں کی کاغذی نا اہلیت کی سبب اس قسم کے ناواقف حالات بھی ہیں، غرض ان کی تقریر

ہندوستان اور ہندوستانیوں کی ایک جگہ مسلمان تھی، اگرچہ ان کی بعض باتیں سچی تھیں، تاہم

اسپینا ملک اور قوم کا محض نمونہ ہیں، اس تناظر میں اس کے بارے میں ناواقفیت کے بارے میں ناواقف اور

تھی ان باتوں کا ارادہ کرتے دل کرنا ہے، مگر اس کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور

تھی ان باتوں کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور

تھی ان باتوں کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور

تھی ان باتوں کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور

(۱) اس بارے میں اس "خوش فہمی" کی وجہ سے ہندوستان میں ناواقفیت کے سبب پھر نتیجہ برآمد نہ ہوا

تھی ان باتوں کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور

تھی ان باتوں کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور غیرت کے بارے میں ناواقف اور

اپنے آپ کو صرف ادب اور شعر میں محصور کر رکھا ہے، اب سنہ رواں کے آغاز سے ڈاکٹر صاحب جو صوف بن (Bonn) یونیورسٹی میں اسلامیات اور عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر سوچی جو قوم کے بینکرین اور گولڈ سیر آئینہ جہانی کے شاعر ہیں، ابن الجوزی کی ضخیم تاریخ ”کتاب المنتظم“ کے قلمی نسخوں کا برٹش میوزیم میں ایک مدت سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کا پر از معلومات مقالہ جو اب رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے جرنل میں شائع ہو چکا ہے، اپنی اسی ذاتی تفتیش اور تفحص پر مبنی تھا، موصوف نے اس تاریخ کے حصہ نکل اور اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو بہت خوبی سے واضح کیا اور طبقہ علماء سے روزیاست کی کر وہ اس کی اشاعت کی طرف جلد توجہ سب دل فرمائیں اور فی الواقعہ اس کے کلام نکلنے کی اشاعت سے ہمارے علم میں بہت بڑا اضافہ یقینی ہے، کام بہت بڑا ہے، اس سے شاید ایک نئی واحد عمدہ برآمد ہو سکے، یورپ میں بھی تا حال اس کام کے سرانجام ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے، دائرۃ المعارف حیدرآباد کو چاہئے کہ وہ سلف کی اس یادگار کی کمال شائستگی کا عندیہ قائم کرے۔

ڈاکٹر پلسنر (Plessner) ڈاکٹر ہورواٹس آئینہ جہانی کے شاعر ہیں اور ایک نہایت مستعد اور صاحب لیاقت نوجوان ہیں اور فرانکفورٹ یونیورسٹی میں معلم ہیں۔ کچھ مدت سے اسلامی علوم و فنون، ان کی تاریخ اور دیگر متعلقہ مسائل سے بحث کر رہے ہیں جیسا کہ ان کے کاپیٹل پبلشرز سے ظاہر ہے، زیر نظر مقالہ میں انھوں نے ابوسلمان اہستہانی کا خاص طور پر ذکر کیا، جو ابن الحدادی کا معاصر تھا، اور جس کی کتاب صوان الحکمہ چوتھی صدی اسلامی کے علوم اور اساطیر علم اور ان کی تاریخ کے متعلق ایک اول درجہ کی قیمتی دستاویز ہے، یہ کتاب ہمیں تا حال صرف متفرق اقتباسات کے واسطے سے معلوم تھی، اس کے چند ایک نسخے حال میں دریافت ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو اس سلسلے کا جلد چہارم، حال میں رٹز صاحب (Bitter) نے غالباً قسطنطنیہ میں ایک اور نسخہ کا پتہ لایا ہے، یہ وہی کتاب ہے، جس کے ایک تہہ کا فارسی ترجمہ ہمارے مخدوم مولوی محمد شفیع صاحب، رشتہ دار ہیں۔

## ہندوستانی مقالہ نگار

اسلامی شعبہ میں وہ ہندوستانیوں نے اپنے مقالے پڑھے، ایک تو خاکسار راقم الحروف نے اور دوسرے ہمارے صدیق المحترم ڈاکٹر حسین ہمدانی (یا بقول امیر شکیب ارسلان انیسویں کے

علامہ ہمدانی نے، اگرچہ آپ نسلاً یمن کے مشہور و مقتدر قبیلہ ہمدان سے ہیں، مگر چونکہ آپ کا خاندان چند نسلوں سے مغربی ہند میں آباد ہے اور آپ کا مولد و منشا بھی ہندوستان ہی کا خطہ ہے، اس لئے ہم ان کو ہندوستانیوں ہی کے زمرہ میں شامل کر کے شرفِ انتساب حاصل کرتے ہیں، آپ ایک مدت سے اسمعیلی دعوت کی تاریخ، فرقہ اسمعیلیہ کے مذہبی اور فلسفیانہ خیالات و عقائد کی نشوونما اور ان کے مشہور داعیوں کے حالات کی ایسے قلمی خزانوں کی مدد سے تحقیق کر رہے ہیں، جن تک غیر اسمعیلیوں کی آج تک دسترس نہیں ہوئی، ان کی استعدادِ فائقہ اور غیر معمولی ذرائعِ معلومات سے امید واثق ہے کہ ان کے نتائج تحقیق کی اشاعت اس موضوع کے متعلق نہ صرف حیرت انگیز بلکہ انقلاب انگیز ثابت ہوگی، کانگریس میں انھوں نے جو مقالہ پیش کیا وہ بھی اسی قبیل کی تحقیقات کا ایک جز تھا، جو حاضرین نے اشتیاق اور غور و خوض سے سنا اور پروفیسر ماسینیو (پیرس) اور ڈاکٹر کراؤس (برلن) نے خوب دل کھول کر داد دی اور پروفیسر مارگولیتھ نے تحسین کرتے ہوئے فاضل مقرر سے امید ظاہر کی کہ وہ اسمعیلی لٹریچر کی مزید تحقیق کر کے اہل علم کو ممنون کریں گے، ان کا یہ مقالہ تمامہ ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے رسالہ میں چھپ گیا ہے، ڈاکٹر موصوف کے شوقِ تحقیق، علمی شغف اور باہمت ذات سے ہماری بہت سی علمی اور قومی توقعات وابستہ ہیں، اور ہمیں اس امر میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے قوم کی کماحقہ قدر شناسی اور اپنی مسلمہ لیاقت اور عزم راسخ سے ہندوستان کی علمی بزم میں خاص درجہ اور امتیاز حاصل کریں گے۔

## ایرانیات

ایران سے متعلقہ تاریخی اور ادبی مضامین شعبہ سوم (وسطی اور مغربی ایشیا) میں پڑھے گئے، افسوس کہ اس کے شعبہ اسلام سے علاحدہ ہونے کے سبب سے اکثر مضامین کے سننے کا موقع نصیب نہ ہوا، اس شعبہ میں شاید سب سے زیادہ دلچسپ اور پراز معلومات مضمون فرانس کے فاضل پروفیسر منورسکی (Minorsky) کا تھا، جس میں انھوں نے ان تمام اہم تحقیقات کا ذکر کیا جو ایران کی تاریخ اور تاریخی جغرافیہ کے متعلق ۱۹۰۰ء سے لے کر تاحال رونما ہوئی ہیں اور ان اہم مطبوعات پر ایک نظر دوڑائی جو اس دور میں شائع ہو کر ایران کے متعلم ہمارے زیادتِ علم کا موجب ہوئی ہیں، انھوں نے کہا کہ "۱۹۰۰ء تک ہمارا ذخیرہ معلومات ایران کے اسلامی عہد کے متعلق بہت کم تھا، مگر گب میموریل فنڈ کے قیام اور پروفیسر براؤن اور ان کے رفیقوں اور شاگردوں کی علمی مساعی

کے طفیل ایران کے متعلق بہت سی اہم اور قیمتی کتابیں چھپ گئی ہیں، ابن مسکویہ کی اشاعت نے دسویں اور گیارہویں صدی کے متعلق بہت سی نئی تحقیقات کا راستہ کھول دیا ہے، موسیو محمد اقبال کی راجۃ الصدور نے ہوٹسما کی شائع کردہ کتابوں پر عہد سلاجقہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے، اسی طرح تاتاریوں کے عہد کے متعلق بھی بہت سی عمدہ کتابیں (مثل جوینی اور رشید الدین کے) روز روشن میں آئی ہیں، مگر ۱۴۰۰ء سے بعد کی تاریخ تا حال نسبتاً تاریکی میں ہے اور ضرورت ہے کہ اس عہد کی طرف توجہ مبذول کی جائے، مثلاً مقامی تاریخوں تاریخ بیہقی اور تاریخ سیستان کو شائع کرنا بہت مفید ہوگا، اس کے ساتھ اس عہد کے تمدنی اور اقتصادی حالات کو خاص طور پر زیر نظر رکھنا ہوگا، کیونکہ ان امور پر تا حال بہت کم توجہ ہوئی ہے۔“

ایران کے تاریخی جغرافیہ کے متعلق پروفیسر منورسکی نے کہا کہ ”اس مضمون پر روسی محقق بارٹولڈ (متوفی ۱۹۳۰ء) دلی سٹریچ اور سٹوارٹھ (Schwartz) کی کتابیں بہت قابل قدر ہیں۔ اس قسم کی مطبوعات میں سے سب سے جدید اور تازہ کتاب ”حدود العالم“ ہے، جس کا سنہ تالیف ۱۹۳۷ء ہے، مگر مؤلف کا نام معلوم نہیں، بارٹولڈ نے اس کو ۱۹۳۰ء میں لینن گراڈ سے شائع کیا، اب میں اس کا ترجمہ گب میوریل سیریز میں شائع کرنے والا ہوں۔“

اسی شعبہ کے ایک جلسہ میں مدرسہ السنہ شرقیہ لندن کے مدیر و ناظم اور ہمارے کرم فرما پروفیسر سدینی سن روس نے اعلان کیا کہ ”میں شٹائن گس کی فارسی انگریزی لغت کا تہ مرتب کرنے پر مامور ہوا ہوں، میں بہت ممنون ہوں گا اگر فارسی کے علما مجھے ایسے الفاظ اور محاورے وقتاً فوقتاً ارسال کریں جن سے ان کو اپنے دوران مطالعہ میں سابقہ پڑے اور وہ مذکورہ بالا لغت میں موجود نہ ہوں، میں خاص طور پر ایسے جدید الفاظ اور محاورے شامل کرنا چاہتا ہوں، جو زمانہ حال کے فارسی اخبارات اور رسائل میں استعمال ہوتے ہیں، مجھے خود اہل زبان سے اچھی خاصی مدد ملی ہے اور بہت سا ذخیرہ الفاظ کا جمع کر لیا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ مجوزہ تہمتی الامکان مکمل ثابت ہو۔“

## ترکی نمائندہ

ناظرین معارف کو علم ہوگا کہ چند سالوں سے ترکی میں غازی سنی کماں کی سرپرستی میں ایک تاریخی انجمن قائم ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ترکی اقوام کی قدیم اور جدید تاریخ کے متعلق وسیع پیمانہ پر تحقیق کی جائے اور ترکوں کے تمدن اور تاریخ کے متعلق جو غلط آراء اور خیالات پھیلے ہوئے

ہیں ان کے ازالہ کی کوشش کی جائے، اس انجمن کی طرف سے رشید صفوت بک نے جو ترکی پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں، کانگریس میں شرکت کی اور اپنا مضمون جو ”ترکیات“ (Tureology) کے موضوع پر فرانسیسی زبان میں تھا، شعبہ سوم میں پڑھا، انہوں نے ترکی کے اندر اور غیر ممالک میں بھی اثری تحقیقات میں عملاً حصہ لیا ہے، چنانچہ اپنے مقالہ میں اپنے وسیع مطالعہ اور پختہ خیالات کا ثبوت دیا اور ترکی تاریخی انجمن کے اغراض و مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ترکی اقوام کی تاریخی اہمیت پر زور دیا، افسوس کہ اطناب کے خوف سے ان کا خلاصہ کلام درج کرنا ممکن نہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ترکی قوم میں دوسرے تمدنوں کے اخذ و قبول اور نقل کا مادہ تو ضرور موجود ہے، مگر قوت ایجاد و اختراع مفقود ہے، فاضل مقرر نے اپنی تقریر کے آخر حصہ میں اس خیال کی جس پیرایہ میں تردید کرنی چاہی وہ ناظرین کے لئے دلچسپ ہوگا، آپ نے کہا کہ ”جس طرح ہماری تاریخ علوم و فنون، تجارت و صنعت اور ہماری عادات و رسوم کی تشریح میں لوگوں سے غلطیاں ہوئی ہیں، اسی طرح ہم محسوس کرتے ہیں کہ عقل و فکر (فلسفہ) کے میدان میں ترکوں کے کارناموں کے متعلق بعض غلط خیالات کو یکسر تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے جس طرح Grotis Leibnizz اور Descartes صرف اس وجہ سے رومن مصنفین میں شمار نہیں کئے جاسکتے کہ انہوں نے اپنی کتابیں لاطینی زبان میں تصنیف کیں، اسی طرح فارابی، ابن سینا، غزالی اور دیگر سینکڑوں حکماء اور شعراء کے عظیم الشان مصنفات کے متعلق ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ دراصل ترکی تہذیب کا سرمایہ افتخار ہیں، عام طور پر ان کو دوسری قوموں میں صرف اس لئے شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کی مروجہ زبانوں مثل عربی یا فارسی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا،“ ملک و قوم کے امتیازات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمارے لئے یہ بات دیکھنا دلچسپی بلکہ مسرت کا موجب ہے کہ قرون وسطیٰ کے اسلامی عہد نے تہذیب و تمدن کا وہ شاندار اور بیش بہا تر کہ چھوڑا ہے کہ آج تاریخ کی عدالت میں عرب، ایرانی، ترک سبھی اپنے اپنے حق وراثت کے دعاوی پیش کر رہے ہیں۔

رشید صفوت بک سے ایام کانگریس میں ایک سہ پہر کو لائڈن کے ایک قہوہ خانہ میں بہت پر لطف صحبت رہی، وہ انگریزی سے ایسے ہی بے بہرہ تھے جیسا کہ میں ترکی سے نا آشنا، مگر فرانسیسی اور قدرے فارسی بول سکتے تھے، چنانچہ آدھی فارسی اور آدھی فرانسیسی میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی، مجھ سے پوچھتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود اس عقیدت و محبت کے جو ہندوستانی مسلمانوں کو ہم سے ہے ہندوستانی شرفاً ترکی میں سیاحت کے لئے نہیں آتے، سوال اگرچہ قدرے مشکل تھا تاہم میں

نے یوں جواب دینے کی کوشش کی کہ اول تو زبان کی مشکل ہے، ہندوستانیوں میں ترکی جاننے والے خال خال ہیں اور دوسری قوی وجہ یہ ہے کہ آج کل انقلابِ زمانہ سے مغرب قبلہ حاجات بنا ہوا ہے، ہر ذی استطاعت شخص ادھر ہی کو اپنا قبلہ راست کرتا ہے، نیز پوچھتے تھے کہ ہندوستان میں تیموری مغلوں کا کیا حشر ہوا، تختہ حکومت تو مٹ چکا مگر ان کی نسل تو کلیتہً معدوم نہ ہوئی ہوگی، میں نے اس کا بھی اپنی معلومات کے بموجب جواب دیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دورِ زمانہ نے پیس ڈالا، کارواں گذر گیا، گرد باقی ہے، اردو زبان کی ابتدا اور نشوونما کے متعلق بھی دلچسپی کا اظہار کیا، کہا کہ لفظ تو ترکی ہے، معلوم نہیں اس کی ابتداء اور تشکیل میں ترکی زبان کا کتنا حصہ ہے، اگر علماء اردو اور ترکی گریمر کا باہمی مقابلہ کریں تو شاید اردو کے دھندلے عہد پیدائش پر کچھ روشنی پڑ سکے۔

### اندلسی نمائندہ

اس مشرقی کانگریس جیسی بین الاقوامی علمی محافل کے مقاصد اولین میں سے یہ امر ہے کہ مختلف ممالک کے علماء ایک جگہ جمع ہو کر نہ صرف بذریعہ اپنے مقالات کے اپنے اپنے خاص مضامین کے متعلق اپنی کارگذاری سنائیں بلکہ باہمی تعارف اور ذاتی ملاقات حاصل کریں تاکہ باہمی شناسائی اور مبادلہ خیالات سے علمی کاموں میں سہولت اور ترقی پیدا ہو، اس لحاظ سے ہمارے لئے یہ بین الاقوامی اجتماع بہت مفید ثابت ہوا، بہت سے علماء و فضلاء سے ذاتی میل جول اور گفت و کلام کا موقع ملا، جن کی فرداً فرداً ملاقات کے لئے ہزاروں کوس کے سفر اور زرِ خطیر کے صرف کی ضرورت تھی، جن فضلاء سے مل کر ہمیں کمال مسرت ہوئی، ان میں اندلسی شرکائے کانگریس کا ذکر ضروری ہے، اسپین کی خانہ جنگی اور عام شورش اور بد نظمی کی وجہ سے مجھے سفر اندلس کی پر شوق آرزو کو حسرت کے ساتھ خیر باد کہنا پڑا تھا، اس لئے ہسپانی علماء کی ملاقات لائڈن میں بسا غنیمت معلوم ہوئی، ہسپانی علماء میں جنھوں نے کانگریس کے شعبہ اسلام میں شرکت کی، پروفیسر بلنسیہ (Palencia) اور پروفیسر غومز (Gomez) قابل ذکر ہیں، اول الذکر میڈرڈ کی مرکزی یونیورسٹی میں عربی کے استاذ ہیں، ابھی چند سال ہوئے کہ وہاں اپنے استاذ Ribera کے جانشین ہوئے، نہایت مستعد اور مہنتی شخص ہیں، اگرچہ عمر تاحال چالیس برس کے قریب ہوگی، مگر ان کی تالیفات کی فہرست کئی صفحات پر پھیلتی ہے، ان میں ہسپانی اور عربی دستاویزیں، تراجم اور مستقل تصانیف بھی کچھ شامل ہیں، مستشرقین کے متعلق دستاویزیں بمعہ ترجمہ اور حواشی کے چار ضخیم جلدوں

میں شائع کی ہیں، جب میں نے ان سے ذکر کیا کہ اس خاکسار نے ان کی "تاریخ ادب اندلس" کا اپنے ملکی رسالوں میں تذکرہ کیا ہے اور ایک آدھ فصل کا ترجمہ بھی بطور نمونہ کے شائع کیا ہے تو وہ بے حد متعجب ہوئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا آپ لوگ بھی ہمارے ملک کی تاریخ و تمدن سے دلچسپی رکھتے ہیں، میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں، بلکہ لفظ اندلس میں ہمارے لئے وہ جادو بھرا ہے کہ فرط عقیدت سے اس کے متعلق معمولی سی تحریر کو بھی سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور آپ کی تالیف تو ماشاء اللہ ہر طرح قابل قدر ہے اور فی الواقعہ ان کو اس بات سے کمال مسرت ہوئی کہ ان کی تحریر کردہ کتاب ایک دور دراز مشرقی ملک میں قدر دانی اور استحسان کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے اور نہایت خوشی کے ساتھ مجھے اس کے انگریزی اور اردو ترجمہ کی اجازت دی۔

آج کل وہ اس مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں کہ مشرقی تہذیب و تمدن نے مغرب پر کیا اثر ڈالا ہے، اس موضوع کے متعلق میں نے ان کو چند ایک جرمن مصادر اور مواد کے حوالے دئے، جن کا ان کو علم نہ تھا، جس سے ان پر اچھا اثر پڑا اور ان کو معلوم ہوا کہ ہندوستانی لوگ بھی کچھ جانتے ہیں، اگرچہ بظاہر یہ مضمون پامال اور فرسودہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ عموماً ایک ہی بات کو کئی اشخاص بغیر مزید تحقیق و تنقید کے بار بار بیان کرتے آئے ہیں، مگر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور تمدن کی مختلف شاخوں کے متعلق نئے اور غیر مستعمل مواد کی بنا پر مزید تحقیق و تفتیش کی ابھی بہت گنجائش ہے، اگرچہ اسی موضوع پر پچھلے سال انگریزی میں ایک اچھی جامع کتاب (The Legacy of Islam) شائع ہو چکی ہے، مگر پروفیسر بلنسیہ کو امید ہے کہ وہ اس مضمون پر مزید معلومات بہم پہنچا سکیں گے۔

اب ان کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ اسپین کی جدید جمہوری حکومت، میڈرڈ میں مشہور و معروف عربی داں پروفیسر آسین کی ادارت اور نگرانی میں ایک مدرسہ عالیہ مشرقی السنہ اور علوم کا قائم کرنا چاہتی ہے، اور اگر اس سال حکومت کی جانب سے ضروری رقوم کی منظوری مل گئی تو امید قوی ہے کہ ایک مرکزی ادارہ کے قیام سے عربی علوم و فنون کے مطالعہ کو اسپین میں بہت ترقی حاصل ہوگی اور اس وقت ملک کے اطراف و جوانب میں نوجوان مستعد کام کرنے والوں کی جو قوتیں منتشر اور پراگندہ ہیں وہ ایک مرکز پر جمع ہو کر مفید نتیجہ پیدا کریں گی۔

دوسرے اندلسی نمائندے پروفیسر غومز (Gomez) تھے جو غرناطہ میں عربی کے استاذ ہیں، نو عمر آدمی ہیں، تحقیق کا اچھا شوق ہے، کانگریس میں ایک مقالہ بھی پڑھا، مراکش میں مدت



تک قیام رہا، عربی اچھی خاصی بول لیتے ہیں جب وہ اپنے آپ الاندلسی الغرناطی کہتے تو میرے دل پر ایک خاص اثر پیدا ہوتا جس کا زبان قلم سے ادا کرنا ممکن نہیں۔

## دیگر محافل

کانگریس کے معمولی جلسوں کے علاوہ کئی دیگر محفلیں سہ پہر یا رات کو برپا ہوئیں اور درحقیقت شرکاء کو اس قسم کی صحبتوں ہی میں ایک دوسرے کے ساتھ اطمینان اور فراغت کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا، ورنہ دن کے جلسوں میں علمی قیل و قال اور مقالوں کی تگ و دو میں باہم ملنے جلنے کی کم ہی فرصت ملتی تھی، شرکاء کے باہمی تعارف کی سہولت کے لئے یہ انتظام تھا کہ کارکنان کانگریس کی طرف سے ہر ایک ممبر کو دھات کا ایک خوبصورت چھوٹا سا تمغہ دے دیا گیا تھا، جو اس ممبر کے کوٹ پر آویزاں رہتا، اس تمغہ پر کانگریس کا پورا نام اور سن انعقاد (۱۹۳۱ء) چھپا تھا، اور ساتھ ہی طرف بالا میں واضح ہندسوں میں اس ممبر کا خاص نمبر شمار لکھا تھا، ایک علاحدہ کتاب میں تمام ممبروں کے نام مع ان کے اعداد و شمار کے درج تھے، جس سے ہر فرد کی شخصیت باسانی معلوم ہو سکتی تھی۔

پہلے ہی روز شب کو حکومت ہالینڈ کی طرف سے دارالسلطنت ہیگ کے ایک محل میں تمام ممبران کانگریس کو دعوت دی گئی، جہاں وزیر مستعمرات نے ایک مختصری تقریر میں شرکائے کانگریس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ”مستشرقین کی علمی مساعی اور اجتماع صرف اس لئے مفید اور اہم نہیں ہیں کہ اس سے علم کی ترقی ہوتی ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ ان سے مشرق و مغرب کی باہمی منابہت بڑھتی ہے“۔ سہ پہر کی چائے کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا جس میں تمام ممبروں نے جمع ہو کر باہمی شناسائی پیدا کی اور ایک دوسرے کے لطفِ ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے، حاضرین محفل کی مختلف قسم کے بلکے سامان خورد و نوش بلکہ مغربی رسم کے مطابق مے ناب سے بھی تواضع کی گئی، ناظرین معارف کی تسکین خاطر اور ان کی ثقاہت کی رعایت سے اس بات کا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بطور بدلہ کے زاہدانِ خشک کی خشکی دور کرنے کے لئے آکس کریم بھی کافی مقدار میں مہیا تھی، غرض دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یہ شاندار اور پرلطف محفل جس کے ہر گوشہ کو لالہ رخسان مغربی نے اپنی جلوہ باری سے جیت نکال دیا تھا، ختم ہو گئی۔

اسی قسم کا ایک اجتماع ایک اور رات کو شہر لائنڈن کی میونسپل کمیٹی کی دعوت پر شہر کی کچھ عیاری

میں قرار پایا، جس میں ممبران کانگریس کو باہمی ملاقات کا مزید موقع ملا۔

## جلسہ طعام

ایک شب ممبران کانگریس کا مجموعی ڈنر (Dinner) ہوا، جہاں دو تین گھنٹے خوب خوش گپی میں گزرے، کلام بعد از طعام یعنی (After Dinner Speeches) میں جو مغربی ضیافتوں کا دلچسپ لازمہ ہیں، انگریز، فرانسیسی، جرمن اور اٹالین نمائندوں نے اپنے اپنے ملک و قوم کی طرف سے حکومت اور اہالیان ہالینڈ کی مہمان نوازی کا شکر یہ ادا کیا، یہ جلسہ طعام اس لحاظ سے بھی ہمارے لئے یادگار ہے کہ ڈنر کے بعد ایک پر لطف مختل رقص و سرود قائم ہوئی، مگر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ یہ محفل کانگریس کے سرکاری پروگرام میں شامل نہ تھی، اگرچہ کانگریس کمیٹی کی یگ پارٹی (نوجوان جماعت) اس بات پر مصر تھی کہ محفل رقص کو باقاعدہ طور پر کانگریس کے پروگرام میں جگہ دی جائے مگر کانگریس کے معمر صدر یعنی پروفیسر ہرخرینے نے آغاز ہی سے اس خیال کی سخت مخالفت کی اور اس تجویز کو قبول کرنے سے اس بنا پر قطعی انکار کر دیا کہ اس قسم کا رقص و سرود کانگریس ایسے جلسہ علماء کی متانت و ثقاہت کے بالکل منافی ہے، مگر یار لوگوں نے اپنے شوق کو پورا کرنے کی یوں ترکیب نکالی کہ صدر جلسہ اور دیگر ثقہ حضرات کے رخصت ہونے پر اسی ہوٹل کے رقص خانہ کا (جہاں جلسہ طعام منعقد ہوا تھا) راستہ لیا اور نصف شب تک طرب انگیز موسیقی کی دمسازی میں اپنی خوش لباس، دلفریب اور نازک ادا ساتھیوں کی پر کیف معیت میں ناچائے، چونکہ خود کانگریس کے نوجوان سکریٹری ڈاکٹر کرامر (Kraemer) اور ہمارے معمر مگر جوان دل ڈاکٹر سر ڈینی سن روس نے لطف اندوز ہونے میں پیش قدمی کی، لہذا ہماری شرکت بھی ایسے محترم منتہاؤں کی اقتداء میں جائز ٹھہری، امیر شکیب ارسلان بھی ایک طرف بیٹھے تھوہ نوشی میں مصروف اور نوجوانوں کی عیش کوشی کو بنظر عقود دیکھ رہے تھے، ان کے پرسکون مگر پراندیش چہرہ سے ایسا معلوم ہوا تھا کہ گویا اب بھی وہ عرب اقوام اور عرب ممالک کی قسمت پر غور کر رہے ہیں۔

## دیگر جلسے

ایک شب فنون لطیفہ کے لئے وقف تھی، پروگرام کے تین حصے تھے، پہلے مدراس کے ایک پروفیسر ستیہ مورتی نے ہندی اور مغربی موسیقی کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر دو کی امتیازی خصوصیات کو

دکھلایا، اور اپنے مطلب کو ہندوستانی راگ، ٹاکرا اور ہندوستانی آلات موسیقی استعمال کر کے واضح کیا۔ اس کے بعد جاوا کے چند طالب علموں نے جو ہالینڈ کی یونیورسٹیوں میں تحصیل علم کر رہے ہیں، اپنے ملک کے نائٹک کا ایک عمدہ نمونہ پیش کیا جس میں اسین اور آلات موسیقی سب جاوی تھے۔ اس نائٹک کی بخلاف مغربی نائٹک کے مجھے یہ خصوصیت تھی کہ تمام کھیل کے دوران میں ایک خاص قسم کا ساز بجاتا رہا، جس سے ایک ٹرکی تمام حرکات و سکنات کا ساتھ دیا، جب ایک میں چھوٹی یا تیزی آجاتی تو ساز بھی تیز ہو جاتا۔

اس کے بعد ایک جاوی شخص نے ایک تماشا دکھلایا جس کو عربی میں طیف الخیال اور ترکی میں "قرہ گوز"، فرانسیسی میں Ombres chinoises؛ The atred, Ombres اور جرمنی میں Schattenspiel کہتے ہیں اس کی کیفیت یوں ہے کہ ایک سفید پردہ تان کر اس کے پیچھے تیز روشنی کرتے ہیں، پھر اس پردہ کے درمیان چمڑے سے بنی ہوئی چوڑی چینی پتلیاں حاصل کر کے پردہ پر اس ڈالتے ہیں اور مظاہرہ قہر لہانی نہیں کر سکتے ہیں، اس پر تقریباً وہی صورت موجود ہے، یہ کھیل غالباً مشرقی ایشیائی (چین) میں ایجاد ہوا۔ یہ نائٹک اس کا بیان اعلیٰ ملکوں (۱) میں بھی رہا۔

### جنس لطیف کی شرکت

مشرق میں عورت چراغ کا ستارہ ہے، مغرب میں شمع خرد ہے، اور مغرب و مشرق دونوں نعلی قدمدار ہے، مشرقی اور مغربی معاشرے کا یہ وہ فرق ہے جس کا ظہور کا ٹکر جس کی تمام کاروائی میں ازاں تا آخر بدرجہ اتم ہوا اور جنس لطیف نے اپنی شرکت سے ہر جلسہ اور مجلس کو پر لطف بنایا اور انہیں "معارف" کی ممتاز اور شہیدگی سے اعزاز کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف ہے کہ ہم ان کی جہود بار شرکت سے ناخوش نہیں ہوئے، خود صدر نے اپنے افتتاحی خطبہ میں مشرقی معاملات میں عورتوں کی روز افزوں دلچسپی کا ذکر کیا تھا، پہلے ہی روز جب "انفرمیشن بیورو" یا ایوان استقبال میں داخل ہوئے تو

(۱) معارف: غالباً اسی تماشے کا نام پانچویں صدی کے عربیوں میں "فانوس خیال" تھا، خیام ای زمانہ شاعر کہتا ہے:

ایں چراغ فلک کہ ماور و حیرانم  
خورشید چراغ آن، و عالم فانوس  
"فانوس خیال" از و مثالے دانم  
ما یوں صورتیم کاندہ و گردانم

آنکھوں نے ایک خیرہ کن منظر دیکھا، تمام دفتر کا انتظام عورتوں کے ہاتھ میں تھا، کانگریس کانٹاکٹ اور پروگرام اور دیگر متعدد کاغذات انھیں کے دست سیمیں سے وصول پائے، ان کی خوش اسلوبی، کشادہ پیشانی، اور لطف آمیز توجہ سے ہمیں یوں معلوم ہوا کہ گویا ہم اغیار کے درمیان نہیں ہیں، دیگر محافل میں بھی میزبانی کی خدمات انھیں خوش سلیقہ نازنینوں سے متعلق تھیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ گرمی محفل انھیں کے دم سے تھی، جب ان سے میل جول بڑھا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر عثمانیہ شہر اور پروفیسروں کی صاحبزادیاں یا شاگردیں تھیں، جنھوں نے اپنی انمول خدمات کچھ عرصہ سے کانگریس کو دے رکھی تھیں، ان کی زبان دانی نے ہم سے بلا ساختہ خراج تحسین وصول کیا کیونکہ تقریباً سبھی انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں سے کم از کم دو زبانیں بول سکتی تھیں، حیف ہوگا اگر ہم ان کی مہمان نوازی اور لطف توجہ کے شکر یہ میں ان کے ذکر جمیل کو اپنے بیان کا حسن خاتمہ نہ بنا سکیں۔

بعض عورتوں نے بعض شعبوں میں اپنے مضامین بھی پڑھے، خود ہمارے شعبہ اسلام کو ایک کافر ادا نے شرفِ حضورِ بخشا، پہلے ہم نے خط و خال سے سمجھا کہ کوئی مصریہ ہیں، مگر تعارف سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ہورٹس کی شاگرد اور فرانکفورٹ کے ایک یہودی خاندان کی چشم و چراغ ہیں، السنہ سامیہ ان کا خاص موضوع درس ہے، اس ضمن میں عربی اور اہل عرب سے بھی دلچسپی ہے، میرے مقالے اور اس کے موضوع میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور اس کے سننے کا شوق ظاہر فرمایا، اگرچہ میرے مقالہ کا وقت ایک روز صبح سویرے تھا، تاہم شرفِ استماع سے نوازا اور اس کی ایک کاپی مجھ سے طلب کی، ہم نے سمجھا کہ ہماری ناچیز محنت ٹھکانے لگی، اب ان کا ایک آرٹیکل مفصل الضمہ پر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں شائع ہونے والا ہے۔

الغرض مشرقی کانگریس کا یہ پر لطف ہفتہ جس میں طرح طرح کے مشاغل اور گونا گوں مسروریتیں یکجا جمع ہو گئی تھیں، بخیر و خوبی ختم ہوا۔

(معارف جلد ۳۰ شماره ۳ بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء)

# مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس

از

سید صباح الدین عبدالرحمن

اس دفعہ مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا اجلاس گذشتہ ستمبر میں بروسل (بلجیم) میں ہوا، اس کے صدر ایم جین کپارٹ (ڈائریکٹر، رائل میوزیم) تھے۔

کانگریس مشرقیات کے مختلف علوم و فنون پر مشتمل ہوتی ہے، لیکن یہاں ہم صرف اسلامی شعبہ کا ذکر کریں گے، جس کی روداد ڈاکٹر کرنگو نے اسلامک کلچر (جنوری ۱۹۳۹ء) میں لکھی ہے۔

کانگریس کی زبان انگریزی، فرانسیسی، جرمن یا اطالوی ہے، لیکن اس سال اسلامی شعبہ میں خطبے عربی اور اسپینی زبانوں میں بھی پڑھے گئے، اس شعبہ میں مختلف موضوعوں پر مکتلف اہل علم نے حسب ذیل مقالات پڑھے۔

اپسلا کے ڈاکٹر لوف گرن نے ہمدانی کی کتاب الاکلیل کے پہلے اور دوسرے حصہ پر ایک مقالہ پڑھا، اس کا نسخہ برلن کے سرکاری کتب خانہ میں پایا گیا ہے، اب تک اس کتاب کے صرف آٹھویں اور نویں حصہ کا پتہ چلا ہے، جن میں ایک تو بغداد سے شائع ہو چکا ہے، اور ایک ابھی وہیں زیر ترتیب ہے، جو کبھی یمن کے مشہور عالم نشوان الحمیری کی ملکیت تھا۔

رباط (مراکش) کے پروفیسر کولن نے ایک ایسی قدیم عربی کتاب پر مقالہ پڑھا جس میں پودوں اور دواؤں کا حال ہے، یہ کتاب گیارہویں صدی عیسوی کے کسی نامعلوم اندلسی مصنف کی تصنیف ہے، اس کتاب کا حال ابن بیطار جیسے نباتاتی کو بھی معلوم نہ تھا، لیکن غافقی نے اس سے استفادہ کیا تھا، پروفیسر کولن نے وعدہ کیا ہے کہ یہ کتاب بہت جلد چھپ کر شائع ہو جائے گی۔

پروفیسر گوئڈی (روم) نے اپنے ایک خطبہ میں الکندی کی تصانیف کے ان قلمی نسخوں کا

ڈاکٹر کیا، جو حال میں دستیاب ہوئے ہیں، ان میں سے بعض زیر طبع ہیں۔

دی۔ اسے ہمدانی نے بعض مشہور شہروں اور قصبوں کی تاریخوں پر مقالہ پیش کیا، جو استنبول میں ان کو ملی ہیں، ان میں سے ایک حاکم کی تاریخ نیشاپور ہے، جس میں عبدالغفار النریسی نے السياق کے نام سے کچھ اور حالات انصاف کئے ہیں، دوسری تاریخ مرہ ہے، جس کے مصنف کا نام السمعانی ہے۔

پروفیسر آرنلڈ (لیڈن) نے عرب جغرافیہ نویسوں کی اہمیت دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ اسلامی تمدن اور دنیا کے لئے ضروری ہیں، پروفیسر موصوف نے ابن حوقل کے جغرافیہ کو از سر نو ترتیب دیا ہے، اور ادریسی کی کتاب کا ایک جدید ایڈیشن ان کی نگرانی میں شائع ہوگا، جو سائنٹفک اصولوں پر مرتب کیا جائے گا۔

ام کاہن (بیرس) نے شام اور اناطولیہ میں سلجوقی ترکوں کی حکومت پر ایک مقالہ پڑھا، اس حکومت کے چار دور قائم کئے ہیں، پہلا دور بازنطینی حکومت پر ترکوں کے حملہ سے شروع ہوتا ہے، دوسرا بازنطینی اور فاطمی قوت کے زوال سے، تیسرا ملک شاہ کی حکومت سے، اور چوتھا اس خاندان کے خاتمہ اور اناطولیہ میں سلجوقی سلطنت کے عروج سے شروع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر کاسکل نے عرب کے ایام جاہلیت کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ دوسری صدی عیسوی میں بنیویں کی سلطنت کے زوال پر عربوں کی تشکیل کا آغاز ہوا، اس وقت بھی ان میں لسانی اعتبار سے دو قسمیں تھیں، جو اب تک قائم ہیں۔

ام۔ مارکس (الجزائر) نے الحمراء (غرناطہ) کے آرٹ کے جمالیاتی پہلو پر ایک مقالہ پڑھا، اور شمالی افریقہ کی بعض عمارتوں پر اس کے اثرات دکھائے۔

پروفیسر گب (آکسفورڈ) نے ایک تقریر میں کہا کہ ماوردی کی تصنیف خلیفہ کے نظریہ کے متعلق قطعی رائے نہیں ہے، سنیوں کا بھی اس کے بارہ میں کوئی خاص نظریہ نہیں، لیکن ان کا خیال یہ ضرور ہے کہ ایک صاحب حکومت و قوت امیر المؤمنین کافروں کے مقابلہ میں شریعت کو محفوظ رکھتا ہے۔

ام۔ گبریل سے اناطولیہ کے سلجوقیوں کے ان مقبروں پر ایک مقالہ پڑھا، جو مشرقی ایران کے مقبروں سے ملنے جلتے ہیں۔

پروفیسر بروکلین نے مصر میں جدید عربی شاعری پر ایک مضمون پڑھا اور یہ دکھایا کہ شروع

میں یہ قدیم شاعری کے زیر اثر رہی، لیکن بیرونی خصوصاً فرانسیسی اثرات سے اس میں جدید عناصر پیدا ہو گئے ہیں۔

یروفیسر ذینی سن راس نے تیمور اور بایزید پر ایک مقالہ پڑھا اور فارسی ماخذوں سے اس روایت کی تردید کی کہ انقرہ کی جنگ کے بعد تیمور نے بایزید کو وہاں کے پتھرے میں مقید کیا تھا۔ ڈاکٹر ریزی مانو نے اپنے مضمون میں یہ تجویز پیش کی کہ قدیم عہد کے غیر معروف عربی شعراء کے دیوان شائع کئے جائیں تاکہ پہلی صدی ہجری کے معاشرتی حالات معلوم ہو سکیں۔

یروفیسر میسے (پیرس) نے جلائری خاندان پر ایک مقالہ پڑھا، جو عراق اور ایران میں مغلوں کی سلطنت کے بعد برسر اقتدار ہوا، اسی سلسلہ میں مقالہ نگار نے کہا کہ اگر اس عہد کی بعض دستاویزیں اور شاہی فرامین جو پیرس اور دوسرے ممالک میں محفوظ ہیں شائع کر دئے جائیں تو ان سے بہت سے نئے معلومات حاصل ہوں گے۔

ام بلیشر نے دیوان متنبی کی اس شرح پر روشنی ڈالی، جو العکبری کی جانب منسوب ہے، مقالہ نگار کا خیال ہے کہ یہ شرح العکبری کی نہیں ہے، بلکہ اس کے ایک ہم عصر کی ہے۔

یروفیسر کاہلے (بون) نے ابن دانیال کے ڈراموں کے شائع کرنے پر زور دیا، جو اسکوریاں کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں اور ازمنہ وسطیٰ کے عربی ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے۔ یروفیسر لیوی پرونکل نے ایک ایسی کتاب پر مقالہ پڑھا، جو ان کو فاس میں ملی ہے اور جو سکوں کے اصطلاحات پر ہے، بظاہر یہ کتاب (Mermide) حکومت کے نمسال کے کسی افسر کی لکھی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر اوپنٹو (روم) نے تجویز کیا کہ مشرق کے اطالوی سیاحوں کے سفر نامے شائع کئے جائیں تاکہ مشرقی ممالک کے حالات معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

مسٹر جی، گومع (لندن) نے ”الازرقی“ کے استناد پر ایک عرب نوآبادی در بند کا ذکر کیا جو ایران کے شمال میں واقع تھی۔

یروفیسر عطیہ (بون) کا مقالہ مصر کے قبیلوں پر تھا، اس کے بعض حصے مصر کے مسلمانوں کی عہد کی تاریخ سے بھی متعلق تھے۔

یروفیسر طہ حسین (قاہرہ) نے یہ دکھایا کہ جدید طریقہ پر عربی کس طرح پڑھائی جانی

چاہئے۔

پروفیسر نیمت (بداپست) نے ہنگری میں مشرقی علوم و فنون کی تعلیم کا جو سامان ہے اس پر تبصرہ کیا۔

ڈاکٹر میر نے بیت المقدس میں عبرانی یونیورسٹی کے علمی کارناموں پر ایک تقریر کی اور اعلان کیا کہ اس کی طرف سے بلاذری کی کتاب الاشراف کی دوسری جلدیں بہت جلد شائع ہوں گی۔

الجزائر کے ام، ویس مار نے اس صنعت پر مضمون پڑھا کہ کس میلنگ طریقہ سے عثمانی مصحف خطبہ کے وقت ایک طاق سے چکر کھا کر منبر پر چلا آتا تھا، مضمون نگار نے یہ بھی بتایا کہ یہ طریقہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی رائج تھا۔

الجزائر کے ام پیرے نے مصر کے جدید ناولوں پر مقالہ پیش کیا، اس میں یہ بتایا کہ اول اول ۱۸۸۲ء میں ناول سیاسی اغراض کے تحت لکھے گئے، پھر رفتہ رفتہ مصر، شام اور عراق میں زیادہ تر ان کے موضوع معاشرتی مسائل ہونے لگے۔

(معارف جلد ۴۳ شمارہ ۳ بابت ماہ مارچ ۱۹۳۹ء)



# استانبول کی موتمر مستشرقین عالم<sup>(۱)</sup>

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم

حال میں ترکی جانے کا اتفاق ہوا، خیال ہوا کہ اس علمی سفر کے حالات دلچسپی سے خالی نہ سمجھے جائیں گے، اس مقالے کے دو حصے ہیں (۱) موتمر مستشرقین کا حالیہ اجلاس (۲) ترکی کے کتب خانے۔

ناگزیر وجوہ سے محض ایک اطلاع کے طور پر یہ سطرین تحریر ہیں۔

یورپی جامعات میں مشرقی اور خاص کر اسلامی علوم کی تعلیم تو کوئی سو سال سے ہو رہی ہے اور مشرقیات کی انجمنیں بھی کئی مقاموں پر ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے قائم ہیں، لیکن کوئی بین الممالک انجمن نسبتہ حالیہ چیز ہے، اور پچاس سال سے بھی کم عرصہ ہوا کہ ”موتمر مستشرقین عالم“ کے نام سے ایک یورپی ادارہ وجود میں آیا، ہر تین چار سال میں اس کا اجلاس ہوتا ہے، الجزائر کے بعد یہ دوسری دفعہ ہے کہ اس کا اجلاس گذشتہ ستمبر میں ایک اسلامی شہر (استانبول) میں ہوا، اس بائیسویں اجلاس میں ساری دنیا سے اہل علم جمع ہوئے اور ہر حیثیت سے یہ سب سے کامیاب اجلاس رہا، ۱۵/۲۲ ستمبر ۱۹۵۱ء ایک ہفتے صبح اور شام ہر روز اس کی نشستیں ہوتی رہیں، کوئی تین سو

(۱) ہمارے محترم اور فاضل دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب دارالمصنفین کے پرانے مخلص قرداں ہیں، وہ جہاں بھی رہتے ہیں اس کو نہیں بھولتے، چنانچہ جیسے دور دراز مقام سے معارف کے لئے وقتاً فوقتاً علمی سوغات بھیجتے رہتے ہیں، ابھی چند مہینے ہوئے، ان کا ایک علمی خط معارف میں شائع ہو چکا ہے، اب انہوں نے موتمر مستشرقین عالم منعقدہ استانبول کی مختصر رواد اور ترکی کے متعلق متفرق مشیہ معلومات قلم بند کر کے بھیجے ہیں، اس موتمر کا دعوت نامہ دارالمصنفین کے نام بھی آیا تھا، مگر اس غریب ادارہ میں اتنے نشیہ مصارف برداشت کرنے کی طاقت کہاں ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب کی جتنی ہوئی سوغات میں، ظہرین معارف کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔ ”م“

کے اجتماع میں پاکستان سے تو صرف ایک شخص جامعہ پنجاب کے معین امیر آئے، لیکن حیدرآباد اور ہندوستان نے توقع سے زیادہ دلچسپی لی، جامعہ کلکتہ کے استاذ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی سے ناظرین ناواقف نہیں، حکومت ہند کے پانچ نمائندوں میں یہ اکیلے مسلمان تھے، حیدرآباد سے ہر شخص اپنے مصارف سے شوق علم میں آیا تھا اور اس کی قدر بھی کی گئی، چنانچہ دو نشستوں کے صدر حیدرآبادی نامزد ہوئے تھے، ڈاکٹر نظام الدین تو آئے لیکن پروفیسر محمد عبدالرحمن خان نہ آسکے اس کی بنا پر وہ صدارت نہ کر سکے، جامعہ عثمانیہ کے ڈاکٹر محمد غوث اور ڈاکٹر محمد یوسف الدین بھی آئے تھے، صدارت کے اعزاز مصر کے ڈاکٹر ابو بکر اور ڈاکٹر مراد کامل، نیز ایران کے پروفیسر علی اصغر حکمت و بھی عطا ہوئے تھے۔

مقالے توقع سے اتنے زیادہ آئے کہ متعدد شعبوں کو کئی ذیلی شعبوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ چنانچہ اسلامیات کو ایک کی جگہ چار شعبوں میں بانٹا گیا، مزید براں مشرق بعید میں سے ملایا و انڈونیشیا والگ کر کے مستقل شعبہ بنانا پڑا، قدیم اناطولیا کو دو، ترکیات کو تین اور اسلامی فنون لطیفہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔

اجلاس مشترکہ یعنی جلسہ عام میں ڈاکٹر نظام الدین (حیدرآباد) نے یہ بتایا کہ عربی فارسی مخطوطات کی اشاعت میں مشرق اور مغرب کس طرح تعاون کر سکتے ہیں، ڈاکٹر زکی ولیدی طوغان (استانبول) نے کہا کہ قرونِ متوسطہ کے مسلمان مورخ کس قدر ناقدانہ رویہ رکھتے تھے اور ڈاکٹر کرامرس (لانڈن) نے بتایا کہ اسلامی عمرانیات میں عام عمرانیات کے علاوہ کیا خاص اور زائد ابواب ہوتے ہیں۔

یہ دو ممکن نہیں کہ جملہ مقالوں کی (جو عربی، ترکی، نیر یورپی زبانوں میں تھے) فہرست دی جائے، جمالیہ تھے کے مسلمانوں کی دلچسپی کی چیزیں شمار سے باہر ہیں، اس لئے مشتے نمونہ از خروارے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱- حران اور پرچہ کے آثار قدیمہ (پروفیسر لائڈ، انقرہ)

۲- بابو معین (مکین) کی تازہ کھدائیاں (الہرانت، بالسی مور)

۳- زمانہ جاہلیت کی یمنی عورت (ہیسن، آکسفورڈ)

۴- فیثی حروف تہجی معین (مکین) سے لئے گئے (گیورگھیف بلغاریا، صوفیا)

۵- اندرون میں کتاب الغصب (دے می لیا، روما)

- ۶- طوق الحماة لابن حزم کے مشرقی مصادر (گرامیا گو میس، مجریٹ، اندلس)
- ۷- الحکمة العروضية لابن سینا (پادری قنواقی، قاہرہ)
- ۸- جزیرہ مالطہ کی موجودہ زبان کا درجہ عربی بولیوں میں (کولین، پاریس)
- ۹- ہندو ثقافت کا اثر عربی ادبیات پر (رائے پودھری کلکتہ)
- ۱۰- تاریخ ابن ایاس کے چند نو دستیاں شدہ اجزاء (محمد مصطفیٰ، قاہرہ)
- ۱۱- انقرہ کے مخطوطات (بکر صدیقی بایکل، انقرہ)
- ۱۲- جمہورۃ الانساب لابن حزم شائع کردہ لیوٹی پرووان سال کی بے شمار غلطیاں  
(خلیل نیاج، استانبول)
- ۱۳- سفر نامہ ابن فضلان قدیم جرمن معلومات کے ماخذ کے طور پر۔  
(گرائف، بادماٹن برگ، جرمنی)
- ۱۴- ابا فیوں کے ریت میں غائب شدہ شہر سیدرا کی دریافت (میڈم فان برشم، بلیجیا)
- ۱۵- خلفاء فاطمیین کے آداب و مراسم (کاٹارالین، انز)
- ۱۶- عماد الدین اصفہانی کی الفتح القسی (مات، پاریس)
- ۱۷- الیام کی رصد گاہ مصر (آیدین سالی، انقرہ)
- ۱۸- عربی و اسلامی طب (سورینٹس، بیٹیر)
- ۱۹- اودلف کا رسالہ ثانیہ (پہورسکی، گیمبرج)
- ۲۰- ولی کشمیر میں سید علی ہمدانی (علی اصغر خلوت، طبران)
- ۲۱- فن تنقید کی ترقی میں قرآن کا حصہ (غلف اللہ، اسکندریہ)
- ۲۲- فقہ کی تاریخ (برون شوٹنگ، بورڈو، فرانس)
- ۲۳- اسلامی مشرق میں زراعت کا اثر زمین پر (ہلسک، استانبول)
- ۲۴- زانی کے مزنیہ سے نکاح کی حرمت اسلام میں (شاخست، آکسفرڈ)
- ۲۵- ناصر خسرو کی جامع الحکمتیں (کوریٹن، طبران)
- ۲۶- اسلام اور بنیادی حقوق انسانی (محمد غوث، حیدرآباد دکن)
- ۲۷- اسلامی قانون کی تاریخ پیدائش (کونمانن، اسرائیل)
- ۲۸- مقدمہ ابن خلدون کے نئے صحیح اڈیشن کی ضرورت (تادیت لطنجی، قاہرہ)

۲۹- اسلام اور سماجی بیمہ (محمد یوسف، الدین حیدر آباد دکن)

۳۰- فتویٰ تاریخ اسلام میں (ماسینون، پاریس)

۳۱- دیوان حافظ کا قدیم ترین نسخہ کلکتہ میں ہے (زیر صدیقی، کلکتہ)

۳۲- قبائلی قانون کا جاوا پر حملہ (واماے، انڈونیشیا)

۳۳- پندرہویں اور سولہویں صدی کی ترکی مردم شماریاں (عمہ لطفی برکان، استانبول)

۳۴- دیانا (آسٹریا) میں ۱۷۶۶ء کی ترکی جبری فوجی خدمت (اینے پے کی دیس، ویانا)

۳۵- انیسویں صدی کے آغاز میں کوریکا یونانی کی جاسوسی ترکی میں، فرانسیسی وزیر خارجہ

کی روشنی میں (ایضاً)

۳۶- جوامع التواریخ، مؤلفہ رشید الدین خاں کے حالات فرنگ کے ماخذ (یان،

اوتریشٹ، ہالینڈ)

۳۷- بی بی مریم کی تاریخ میں دوسری صدی عیسوی کا ایک ترکی قصیدہ (پسالتی، استانبول)

۳۸- قدیم چغتائی میں ایک ترجمہ قرآن مجید (فاخر عز، لندن)

۳۹- قرہ قویونلو اور آق قویونلو (مینورسکی، کیمبرج)

۴۰- ”سیاست نامہ“ کس حد تک اصلی ہے (یحییٰ الخشاب، قاہرہ)

۴۱- پرانے ایران کا جاگیرداری نظام (ویڈن گرین، اسپالا، سویڈن)

۴۲- تالمود اور حدیث کی مماثلتیں (بانیت اسرائیل)

۴۳- ایرانی سیاست اور یہود کی بابل سے واپسی (گالنگ، مائنس، جرمنی)

۴۴- بحریت کے پاس حال میں دستیاب شدہ قبل مسیح کا نسخہ توریت

(فاندریلوگ، ہیمیکن، ہالینڈ)

۴۵- آتھنس کی فاتحہ جامع مسجد (ماٹھیسکو، آتھنس)

۴۶- مسلمان مصوروں کی سوانح عمریاں مرتب کرنے کی ضرورت (ماری، اسرائیل)

۴۷- فاطمی دور کے منقش مٹی کے برتن (زکی حسن، قاہرہ)

۴۸- قدیم غزنی میں ترکی فنون لطیفہ (ایٹنگ ہازوین، واشنگٹن)

۴۹- ترکی اثر مغلیہ فنون لطیفہ پر ہند میں (پلے براون، پاریس)

۵۰- استانبول کے قبرستانوں کے کتبے (معین اطانچ، استانبول)

۵۱- عربی خط کا ولولہ خیز درجہ فن لطیف میں (مدھیہ، استانبول)

۵۲- ماخذ ہائے فقہ کا جدید مطالعہ (قرآن، حدیث، اہماع اور قیاس کے علاوہ دیگر ایک

درجن ماخذ، راسخ العقیدہ فقہاء کے ہاں) (ناچیز راقم الحروف)

موتمر نے متعدد قراردادیں بھی منظور کیں کہ مختلف حکومتوں سے خواہش کی جائے کہ وہ

اپنے ہاں کے کتب خانہ ہائے عمومی کے مخطوطات کی فہرستیں شائع کریں اور فوٹو لینے کے انتظامات

کریں، مخطوطہ کتابوں کے علاوہ دستاویزوں کے مطالعہ پر اہل علم توجہ کریں اسلامیات کا خصوصی

مطالعہ کرنے والوں کی ایک خصوصی انجمن بنالی جائے اور آئندہ اجلاس انگلستان میں ہو (جو تین یا

چار سال بعد ہوگا)۔

موتمر مستشرقین کے سلسلہ میں استانبول کے علاوہ درجن بھر دیگر ترکی شہروں میں بھی علمی

نمائشیں کی گئی، جن میں قلمی کتابیں، تصویریں، قدیم آلات وغیرہ، غیرہ بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد

میں جمع کی گئی تھیں۔

آئندہ سال ۱۹۵۳ء ۱۵ جمادی الآخر کو مولانا روم کی وفات پر پانچ صدیاں گزر رہی ہیں

اور ۱۶۵۳ء عیسوی میں فتح قسطنطنیہ کی پانچ صد سالہ سالگرہ سرکاری طور پر ترکی میں منانے کا انتظام

ہو رہا ہے۔

یہ خبر مسرت سے سنی جائے گی کہ مکتوب مبارک نبوی بنام مقوقس موجود ہے اور عجائب خانہ

توپ قیوسراے میں کمرہ آثار مبارک میں ایک سنہری صندوق میں عزت و احترام سے محفوظ ہے۔

ترکی حکومت نے مہمانداری کے جو انتظامات کئے تھے اس پر سارے یورپی و امریکی

شرمندہ تھے، کہ ان کے ہاں اس کا عشر عشر بھی نہیں ہوتا۔ (۱)

(۱) معارف: اس کے مقابلہ میں ہم ہندوستانیوں کی میزبانی کا حال یہ ہے کہ ابھی گذشتہ اکتوبر میں آل

انڈیا اور نیشنل کانفرنس کا جو اجلاس لکھنؤ میں ہوا تھا اور جس میں ہندوستان کے علاوہ بیرونی ملکوں کے بعض

نمائندے بھی آئے تھے، اس میں میزبانی کا جیسا انتظام تھا، اس کو دیکھ کر گردن شرم و ندامت سے جھک

جاتی تھی کہ بیرونی ملکوں کے نمائندوں کا سوال تو الگ رہا، خود ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے بلند اور

ستھری معاشرت کے لوگوں نے اہل لکھنؤ کی میزبانی اور سلیقہ و تمیز کے متعلق کیا رائے قائم کی ہوگی، مگر اس

میں اہل لکھنؤ کا شکوہ بے کار ہے اس لئے کہ لکھنؤ جن لوگوں سے عبارت ہے وہ اس میں ذخیل ہی نہ تھے۔

مؤتمر کے شعبہ ہائے اسلامی نے جہاں اور قراردادیں منظور کیں وہیں یہ بھی تھی کہ دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد، دکن) کی خدمات کو وہ قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور توقع کرتے ہیں وہ روز افزوں پھلے پھولے گا اور اپنی خدمت علم کو سدا جاری رکھے گا۔

(معارف جلد ۶۹ شماره ۳ بابت ماہ مارچ ۱۹۵۲ء)

# کیمبرج کی موتمر مستشرقین عالم

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

”محترم جناب اڈیٹر صاحب معارف۔ اعظم گڑھ

سلام مسنون: معلوم نہیں تازہ موتمر مستشرقین کی رونداد

آپ تک پہنچی یا نہیں، بصورت نفی مندرجہ ذیل تذکرہ شاید ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔“

**تمہید و مبادیات** | اگرچہ بعض حالات نے مجھے موتمر میں شرکت کے لئے کیمبرج جانے کا موقع نہ دیا، لیکن مختلف لوگوں سے جو چشم دید حالات سنے اور موتمر کے جو سرکاری نشریات دیکھے، ان کی روشنی میں یہ معلومات ناظرین کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

موتمر کا گذشتہ اجلاس استانبول میں ہوا تھا، جس کی دوروندادیں معارف میں چھپ چکی ہیں، وہاں کی قرارداد کے مطابق تازہ اجلاس انگلستان میں ہوا، اس کی دعوت رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے دی تھی، اور ملکہ برطانیہ نے سرپرستی قبول کی تھی، اور اس کے لئے کیمبرج کا انتخاب ہوا، جس کی وجہ غالباً اس کا جامعاتی قرون متوسطہ کا ماحول بھی ہے اور شہر کا حسن بھی، کیونکہ آکسفورڈ اب ایک صنعتی شہر بن گیا ہے جس کی پرانی ہیئت بدل گئی ہے، یہ موتمر کا تیسواں اجتماع تھا، جو ۲۱ تا ۲۸ اگست ۱۹۵۴ کو منعقد ہوا، آئندہ اجلاس تین سال بعد جرمنی میں ہوگا۔

جو فرنگی استانبول کے اجتماع میں وہاں کی اسلامی مہمان نوازی دیکھ چکے تھے، وہ کیمبرج کی ”ترقی یافتہ“ اور ”مہذب“ مہمان نوازی پر اگر زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو دل میں ضرور شرمائے ہوں گے، کالجوں کے اقامت خانے رہائش کے لئے مفت تھے اور اسی کے باورچی اور ملازم بھی تھے، پھر بھی قیام و طعام کا اقل ترین خرچ تیس شلنگ روزانہ لیا گیا، جو عام ہونٹلوں سے بھی

گراں تھا۔

دعوت نامے میں سب سے پہلے یہ درج تھا کہ پرنٹسٹنٹ، کیتھولک اور یہودی عبادت کا انتظام کن مقاموں پر کس کس وقت ہوگا، جب موتمر میں شرکت کرنے والے عربی نام والے صاحب بہادروں کو خود ہی فکر نہ ہو تو اسلام کوون پوچھتا، جب مدعی خودست ہو تو گواہ کیوں چست ہوگا؟

برسوں کی بے تعلقی کے بعد پہلی مرتبہ اس دفعہ روس سے بھی دس بارہ نمائندے آئے تھے۔ انتخاب اگرچہ ایسے لوگوں کا کیا گیا تھا جو انگریزی اچھی جانتے تھے، لیکن عصبیت یا خودداری کے انہوں نے اپنی مادری زبان ہی میں سارے مقالے سنائے مگر ان کی اس جدت کو اور لوگوں نے رشک کی نظر سے دیکھا کہ ان مقالوں کے انگریزی ترجمے بھی وہ طبع کرا کے ساتھ لائے تھے اور حاضرین میں مفت تقسیم کر دئے گئے تھے، عموماً ہر شعبے میں ان نمائندوں نے حصہ لیا، فالوئی تقریروں کے ذریعہ مزید دلچسپی پیدا کی گئی، اگرچہ فنی نقطہ نظر سے ان رنگین فلموں کی سب نے داد دی لیکن اس کا منشا چونکہ علم سے زیادہ دعایہ اور پروپیگنڈا تھا، اس لئے ہر شخص کا رد عمل اس کے حوصلے کے مطابق تھا، ان میں سے ایک ”بزرگ“ کی تحقیق و استنباط یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل مکہ جس ”اللہ“ کی پوجا کرتے تھے وہ ایک بڑا سرمایہ دار تاجر سمجھا جاسکتا ہے، دوسرے ”بزرگ“ نے دو قدم آگے بڑھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ مسیلمہ کذاب نے قرآن مجید کی نقالی کر کے اس کا منہ نہیں چڑایا تھا، بلکہ اصل میں مسیلمہ کذاب کے ”ادبی شہ پاروں“ کی نقالی کر کے پیغمبر اسلام نے قرآن مجید تیار کیا تھا، اگر خداوند ان ماسکو کا منشا صرف خدا پرستی اور ہر ایک خدا کو ماننے والے دین کی مخالفت ہو تو البتہ ان ”تحقیقاتوں“ کو کسی نہ کسی حد تک درست کہا بھی جاسکتا تھا، لیکن جو لوگ غیر جانبداری سے سیاسیات عالم کا مطالعہ کرتے ہیں اور جنہیں نہ روس سے دشمنی ہے اور نہ امریکہ سے کوئی خوش عقیدگی وہ اس طرح کی بوالعجبیوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں، روس کا یہ منشا تو سمجھ میں آتا ہے کہ سویت علاقہ میں بسنے والے سارے مسلمانوں کو دہریہ اور اشتراکی بنایا جائے، اسی طرح اس کی اس سیاست کو بھی با اصول قرار دے سکتے ہیں کہ اپنے خفیہ کارندوں کے ذریعہ وہ ساری دنیا میں مذہب شکنی کے پرچار میں مشغول رہے، لیکن حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اپنے حریف امریکہ اور اس کے رفقا کا اثر گھٹانے اور ان اسلامی ممالک کو جو اس وقت حریف کے زیر نگیں تو نہیں لیکن زیر اثر ضرور ہیں، اپنا ہمنوا بنانے کی جب وہ کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے حج کو ہر سال سرکاری اہتمام سے چند افراد بھیجے



جاتے ہیں، اور قاہرہ کے سفارت خانے میں کثرت سے مسلمانوں کو مامور کر کے ان کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ پابندی سے نماز باجماعت مسجدوں میں پڑھا کریں، ایسی حالت میں اپنے مخفی نمائندوں کے ذریعہ نہیں، بلکہ علانیہ و مسلمہ سرکاری نمائندوں کے ذریعہ، کیمبرج جیسے مقام پر ایسی حرکتیں کیوں کی جاتی ہیں جن سے روس کے حریفوں کو ایک مفت کا حربہ ہاتھ آتا ہے؟ یہ واقعہ ہے کہ آج کل سارے آزاد اسلامی ممالک امریکہ، برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور بلجیم وغیرہ سے نالاں ہیں، ان حالات میں روس کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ اپنے کو مظلوموں کا بہادر ظاہر ہی نہیں بلکہ ثابت بھی کرے، اس کے لئے ایک آدھ ووٹ اسرائیل کے خلاف کبھی کبھی دے دینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی اعلان کردہ سرکاری پالیسی پر عمل کرے کہ وہ آزادی اور ناظر فداری کا حامی ہے اور یہ پالیسی عملاً اندرون ملک کے مسلمانوں کے ساتھ برتی جائے اور بیرون ملک ان حماقتوں کا سدباب کیا جائے، جس کا کیمبرج میں مظاہرہ کیا گیا۔

**تقسیم کار** تقریباً نو سو نمائندوں کے اجتماع کے باعث کام کو بارہ شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جس کی سرکاری ترتیب یہ تھی۔

- |   |                   |                             |
|---|-------------------|-----------------------------|
| ۱۔ مصریات   | ۲۔ سامی لسانیات   | ۳۔ اشوریات                  |
| ۴۔ ایران، آرمینیا، وسطی ایشیا۔ ۵۔ آلتائی (ترکی) السنہ | ۶۔ ترکیات (تاریخ) |                             |
| ۷۔ ہندیات   | ۸۔ مشرق بعیدہ     | ۹۔ الف اسلام (السنہ، ادبیات |
|   |                   | ۱۰۔ فنون لطیفہ)             |

۱۰۔ اسلام (تاریخ و مذہب ۱۱۔ مشرق و مغرب کا تماس اور مشرقی ممالک کی عیسائیت

۱۲۔ افریقہ

معلوم نہیں اس تقسیم کی ترتیب کس اصول پر کی گئی، ہم کو بے وجہ بدگمانی نہیں کرنی چاہئے۔

**منتخب مقالے** نظام العمل میں مقالے جس ترتیب سے درج ہیں اس کو برقرار رکھتے ہوئے

چند ایسے عنوانوں کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے، جو معارف کے ناظرین کے لئے دلچسپ ہو سکتے ہیں۔ (رموز: گ انگریزی، ف: فرانسیسی، ج: جرمن) :-

۱۔ مسٹر نفیم (گ) - قاہرہ میں تیسرے مصری خانوادے کے سٹریٹو دارا ابراہم کے

ایک احاطے کی دریافت

۲۔ E. J. Baamgartel (ک) خانوادہ داریت سے قبل کا مصری نس قبہ

- ۳- عبدالرحمن بدوی (گ) قدیم مصری اصول تعمیر کے متعلق بعض لسانیاتی شواہد
- ۴- Y. Yadin (گ) تیسرے لختیہ قبل مسیح کے آغاز پر فلسطین و مصر کے حربی تعلقات
- ۵- مسٹر حسن (گ) ابوالہول کے رازنی کھدائیوں کی روشنی میں۔
- ۶- W. F. Albright بنی اسرائیل کے خروج مصر سے متعلق چند ملاحظیات۔
- ۷- J. Rykman (ف) وسطی عرب کے شمودی کتبوں پر عارضی تبصرہ۔
- ۸- Y. C. M. Rykman (ف) وسطی عرب میں ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۲ء میں چٹانوں پر دستیاب شدہ سبائی کتبوں کی مختصر فہرست۔
- ۹- سینٹ جان عبداللہ فلسفی (گ) سعودی عرب میں ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۲ء کی کتبات کی تلاش کی مہم کا جغرافی اور عام تذکرہ۔
- ۱۰- ایضاً ملکہ سبا کے ملک کی تلاش (ایک فلم)
- ۱۱- G. M. Fitygerald (گ) بکسوں بادشاہوں کے قلعے اور جنگی رزمیں (حضرت یوسفؑ کے زمانے میں یہی شامی خانوادہ مصر پر حکمران تھا)۔
- ۱۲- H. Birkeland (گ) قدیم کلاسیکل عربی لہجے کا اتار چڑھاؤ (accent)
- ۱۳- J. Pirenne (ف) یونان اور سبا کے تعلقات، جنوبی عرب کی تاریخ اور واقعات کا زمانہ معین کرنے کی ایک نئی اساس۔
- ۱۴- W. Martin (گ) سامی السنہ کے صیغہ امر کی اصلیت۔
- ۱۵- مسٹر مسقطی (گ) سامی السنہ کا صیغہ جمع۔
- ۱۶- J. Schkirmann (گ) قرون متوسطہ کی عبرانی شاعری میں خوبصورت لڑکا (امرد پرستی)
- ۱۷- C. J. Edmonds (گ) عراق کے اہل حق۔
- ۱۸- T. J. Bibby (گ) ڈنمارک کی ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۴ء میں بحرین بھیجی ہوئی علمی مہم کا مختصر اور ابتدائی خاکہ۔
- ۱۹- Enricoceralli (گ) قرون متوسطہ کے مغربی افسانوی واقعات کا فارسی مخطوطات کے ایک نئے ذخیرے میں ذکر۔
- ۲۰- R. Steihl اور F. Altheim (ج) بہرام چوہیں کا افسانہ

- ۲۱-R. Fryue (گ) کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن تہمکو کا اندوز نامہ۔
- ۲۲- مسٹر موقر (گ) ایران کی تازہ اشریاتی دریافتیں۔
- ۲۳- احمد آتش (ف) شاہنامہ فردوسی کی تکمیل کی تاریخ۔
- ۲۴-V. Minorsky (ف) اسلامی ایران کے جغرافیہ و تاریخ پر چند نشریات
- ۲۵- مسٹر تیمور (ج) سیواس میں ۱۳۲۶ء کا ایک عربی و ترکی وقف نامہ۔
- ۲۶- مسٹر منصور اوغلو (گ) قدیم اناطولی ترکی کے شخصی ناموں اور لقبوں پر چند ملاحظیات
- ۲۷- احمد امرے (ف) ترکی زبانوں اور انڈو یورپی زبانوں کے تعلقات (اردو اور ترکی میں اتنی مشابہت ہے کہ اس کا لفظی ترجمہ گلابی اردو نہیں بلکہ صحیح اردو ہوتا ہے۔)
- ۲۸- عثمان طوران (گ) قرون متوسطہ کے ترکوں میں جہانگیری کا تصور۔
- ۲۹- فائق رزیت اونات (گ) مورخ نشری کی حیات و تالیفات پر جدید تحقیقاتیں۔
- ۳۰- خلیل اینالچی (گ) عثمانی سلاطین ترکی کی فتوحات اور مقامی امراء و معززین۔
- ۳۱- زکی ولیدی طوغان (ج) ازبکیوں کی رزمیہ نظم ”خان نامہ“ کی ممکنہ تاریخی اساس۔
- ۳۲- طیب گونگلیگین (ف) سلطان سلیمان قانونی کے عہد کے علاقہ رومیلی کی تنظیم اور

اس کا نظم و نسق۔

- ۳۳- بکر صدیقی بانگل (ج) سلاطین آل عثمان سے فیصلہ کن جنگ کے متعلق اوزون حسن کی تیاریاں اور جنگ کا آغاز۔
- ۳۴-Deny (ف) سترہویں صدی عیسوی کا ایک عالم ترکیات علی بابا البرٹ باہوفلی۔
- ۳۵- اولوجان چغتائی (گ) عثمانی سلاطین کی بیویاں۔
- ۳۶- احمد وانی (گ) تاریخ ہند کا پس منظر آثار قدیمہ کی روشنی میں۔
- ۳۷- Asilva Rego (گ) پرتگالی دستاویز خانوں میں ہندی مواد۔
- ۳۸-Richard Whitehead (گ) جہانگیری کے کتبوں پر منطقہ البروج کی

علامتیں۔

- ۳۹-Alfred Master (گ) ہندی اور اردو کی اصلیت اور اس کا آغاز۔
- ۴۰-F. P. Bargebarkr (گ) قصر الحمراء گیارہویں صدی عیسوی میں۔
- ۴۱- F E Day (گ) اموی ظروف اور برتن

۴۲-J. V. Mac mulan (گ) ابتدائی اسلامی کے کبیل؟

۴۳-ابوالعالی عصفی (گ) ابن عربی کی تالیفات

۴۴-ولید عرفات (گ) کتب سیرت میں منقولہ نظموں خصوصاً حضرت حسان بن ثابتؓ

کے اشعار کی صحت۔

۴۵-محمد خلف اللہ (گ) چوتھی صدی ہجری میں اعجاز قرآنی کا تصور۔

۴۶-مسٹر مزالی (ف) القرآن اور اس کی تالیف و سائنس الشعر

۴۷-L.A. Mayeer (گ) اسلامی تعمیرات کے متعلق چند حقائق اور چند گتھیاں۔

۴۸-B.S. Rice (گ) عربی مخطوطات کے منقش سرورق کا ارتقاء۔

۴۹-بیگم Van Berchem (ف) صحرائے الجزائر کے ریگ میں دفن شدہ شہر سد راتہ

کی کھدائی کے دو موسموں کا نتیجہ۔

۵۰-J. Walker (گ) اموی اصطلاحات سکہ سازی کے بعد کے اولین سکے۔

۵۱-J. Rabson (گ) اسناد اسلامی علم حدیث میں۔

۵۲-G. Vajda (ف) پاریس کے کتبہ خانہ عام کے چند عربی مخطوطات کے سماعت

۷

واجازات۔

۵۳-G. Weil (گ) خلیل کے علم عروض کی کلید۔

۵۴-C. Cahen (ف) بحر متوسط کے اسلامی ممالک کی معاشی اور سماجی تاریخ۔

۵۵-G. Wiet (ف) مملوک سلاطین کا ایک حکمنامہ مکہ معظمہ میں۔

۵۶-مسٹر مہدی (گ) ابن خلدون کے علم عمرانیات کی اساس قدیم کلاسیکل فلسفہ اور

اسلامی فلسفہ میں۔

۵۷-M. Plessner (گ) طب اور سائنس پر عربی مخطوطوں کی ایک عالمگیر فہرست

۵۸-F. Gabrieli (ف) جغرافیہ ادریسی کے کامل نسخے کی اشاعت کی تجویز۔

۵۹-L. Massignon (گ) بی بی فاطمہؓ سے عورتوں کی عقیدت کا اصل منشاء۔

۶۰-مسٹر ادریس (ف) زیری سلاطین کے زمانہ میں مالکیوں کا شیعوں سے مناقشہ

گیارہویں صدی عیسوی میں (شمالی افریقہ میں)۔

اس کی توقع کم ہے کہ یہ مقالے کبھی یکجا شائع ہوں گے، اکثر لوگ اپنے پسند کے رسالوں

میں اپنا مضمون دیدیتے ہیں اور بعض کے چھپنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی، اس کی وجہ از باب موتمر کے پاس رقم کی کمی ہے، کیا ترقی یافتہ مغرب میں علم کی کساد بازاری اس سے کم ہے جس کی انال مشرق کے متعلق شکایت ہوتی ہے؟

شاید اس مختصر رپورٹ میں کسی کو کوئی کام کی چیز مل جائے، مجھے خاص کر نمبر (۵۷) اور

(۵۸) سے دلچسپی ہوئی۔

(معارف جلد ۷، شمارہ ۶ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء)

# مؤتمر مستشرقین عالم کا اجلاس میونخ ۱۹۵۷ء

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اس مؤتمر کا عموماً سالہ اجتماع ہوتا ہے۔ استانبول اور کیمبرج کے اجلاسوں کی روداد سے معارف کے ناظرین واقف ہو چکے ہیں۔ اس کا چوبیسواں اجلاس ۲۸ اگست سے ۴ ستمبر تک میونخ (مغربی جرمنی) میں ہوا تھا۔ مدعوین میں تقریباً پندرہ سو فضلا تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ مٹھی بھر مسلمان بھی تھے لیکن الحمد للہ انہوں نے بہت اچھا اثر چھوڑا۔ ترک، تونس، شامی وغیرہ مختلف ملکوں کے مسلمانوں نے شعبہ داراجلاسوں کی صدارت بھی کی۔ ہندی مسلمانوں میں دو ایک طالب علم جو یورپ میں موجود تھے، آگئے تھے۔ باقی سرکاری نمائندگی تھی جس کے لئے اب مسلمان چنے نہیں جاتے، آئندہ اجلاس ۱۹۶۰ء میں حکومت روس کی دعوت پر لینن گراڈ میں ہونا طے پایا ہے۔

مؤتمر سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے لئے (جن کی کوئی مسجد شہر میں نہیں ہے اور جس کو ہفتے میں ایک بار نہیں بلکہ روزانہ پانچ بار نماز پڑھنی پڑتی ہے) کانگریس کے احاطے میں کوئی کمرہ خاص کر دے۔ منتظمین نے اسے خوشی سے منظور کیا۔

مؤتمر کا کام اتنا وسیع ہے اور اس میں حصہ لینے والے اتنے زیادہ ہونے لگے ہیں کہ مقالوں کو چودہ شعبوں میں بانٹنا پڑا اور ان کے اجلاس بیک وقت ہوتے رہے۔ آدھے سے زیادہ کام اسلام اور مسلمانوں یا اسلامی علاقوں کے ساتھ خاص تھا، جس سے دنیا میں ان کی اہمیت محسوس ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ اس فہرست سے ہوگا۔

(۱) مصریات (۲) خط منی اور مغربی ایشیا (عراق وغیرہ) (۳) توریت و یہودیت (۴)

سیاسیت (۵) سامی السنہ (۶) اسلامی السنہ (۷) اسلامی تاریخ و فنون لطیفہ (۸) ترکیات (۹)

ایرانی و قفقازیات (۱۰) ہندیات (۱۱) وسطی ایشیا (۱۲) چین و جاپان (۱۳) جنوبی و مشرقی ایشیا  
انڈونیشیا (۱۴) افریقائی زبانیں۔

ان موضوعوں پر کوئی ساڑھے چار سو مقالے پڑھے گئے جن میں سے بعض میں فانوسی  
تصویریں بھی دکھائی گئیں، تقریریں صرف تین زبانوں میں منظور کی گئی تھیں، جرمن، فرانسیسی یا  
انگریزی، روسی نمائندوں نے اپنی تقریروں کو انگریزی میں چھاپ کر سب حاضرین میں تقسیم کرنے  
کی جدت کی تھی۔ یہ کام حکومتیں کر سکتی ہیں، کریمیاں رادست اندر درم نیست۔

یہ تو ممکن نہیں کہ سارے مقالوں کا خلاصہ دیا جائے، محض عنوانات لکھنے کے لئے بھی کافی  
جگہ کی ضرورت ہے، اس لئے منتخب عنوانوں کے ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

مصریات (۲۲ مقالے) | ۱۔ سلیم حسن (قاہرہ) اوئاس میں جدید کھدائی۔

۲۔ روڈ الف آنتیں (فلاڈلفیا) مطرحینہ میں کھدائی۔

۳۔ ژان درکوٹے (خرطوم) ۱۹۵۵ء تا ۵۰ء میں سودان میں اثریاتی تحقیقات۔

۴۔ لیبیب حبشی (الاقصر) رعمسیس دومہ کے زمانے میں مصر اور لیبیا کے تعلقات۔

۵۔ حسن ثابت (خرطوم) سلطنت پتو کے خارجہ تعلقات۔

۶۔ دی جے آڈرنیف (موسکو) قدیم مصر کے معاشی اور ثقافتی اثرات باہمی بیرونی

ممالک سے۔

اشوریات اور منچی خط (۵۵ مقالے) | ۱۔ معزز چینگ (استانبول) استانبول کے عجائب

خانے میں ۱۹۵۰ء کے بعد سے تحقیقاتی کام حصہ اول۔

۲۔ خدیجہ قزل آلی (استانبول) ایضاً حصہ دوم۔

۳۔ ای اے اشپائزر (فلاڈلفیا) مسکین اشوری تمدن میں۔

۴۔ سی جے گیاڈ (لندن) بنو تعد کی حکومت عرب میں۔

۵۔ ژورژ رد (بصرہ) زیریں عراق کا قدیم جغرافیہ۔

۶۔ سلیمان مصطفیٰ زبیں (تونس) قدیم مشرقی قریبہ کے فنون لطیفہ کے بعض اثرات

افریقہ کے اسلامی فنون لطیفہ میں۔

۷۔ ڈبلیو ایف البرائٹ (بائی مور) قبل اسلام عرب کی سنہ وارتاریخ۔

توریت اور یہودیات دو مقالے | ۱۔ ایس ایم عبدالعال (لیڈس) سامریوں کے

عقائد و عبادات پر اسلامی اثرات۔

۲۔ الگزانڈر شراپیرر (بوداپسٹ) ہنگری میں ترکی دور کے عبرانی دفتر۔

عیسائی مشرقی اور بیڑیٹین (۷۱ مقالے) | ۱۔ فریدون دیر متکتین (استانبول)

آلیسی اور مانویل کوسنین کے محلات کا تحقیق محل وقوع۔

۲۔ سماوی ای جے (استانبول) خانوادہ پالیولوگ کے زمانے کا مذہبی فن تعمیر۔

سامیات (۲۳ مقالے) | ۱۔ گونزاک ایگمان (بلجیم) جنوبی عرب کے کتبوں میں

آسمان وزمین کا ذکر۔

۲۔ توفیق فہد (اسٹراسبورگ) قبل اسلام کے ازلام کتب میں۔

۳۔ ژانکین پیرمین (بلجیم) جنوب عرب کی تاریخ میں سلطنت قبتان کا اختتام۔

۴۔ اسٹفان اسٹریلسین (وارسا) ایک یمنی الاصل حبشی روایت ”خط“ کے متعلق۔

اسلامیات، حصہ ادبیات (۳۴ مقالے) | ۱۔ اڈالف گرومان (آسٹریا) قرآن

کریم کے قدیم نسخوں کی تاریخ کا تعین۔

۲۔ صلاح الدین المنجد (قاہرہ) ادارہ مخطوطات عربی اور اس کی کارکردگی۔

۳۔ یحییٰ خشاب (قاہرہ) نظام الملک اور سیاست نامہ۔

۴۔ جورج قنواٹی (قاہرہ) قاضی عبدالجبار معزلی کی المغنی فی اصول الدین۔

۵۔ آنماری شمل (انقرہ) اقبال کا جاوید نامہ۔

۶۔ محمد طالبی (پاریس) قراءۃ بالالخان۔

۷۔ عابد مزالی (تونس) تفسیر یحییٰ بن سلام۔

۸۔ دی آئی بلیائف (موسکو) الاوراق للصولی کا مخطوطہ لینن گراڈ۔

۹۔ آردالتسر (آکسفرڈ) فارابی کی آراء المدینۃ الفاضلہ۔

۱۰۔ مادموازیل ڈالورینی (پاریس) الکندی کے دو غیر مطبوعہ رسالے، علم مرایا اور محریر۔

۱۱۔ عباس زایات (جرمنی) ابو حیان توحیدی کا ایک نایاب واحد مخطوطہ۔

۱۲۔ ایلویل سسٹن (ایونبرا) فارسی علم عروض۔

۱۳۔ باوزانی (روما) فارسی ادبیات میں ”ہندی انداز“

۱۴۔ محمد ابراہیم الکتانی (مراکش) ”المورد الاحلی فی اختصار المحلی“ اور المقدمح المعلی فی



اکمال المخلی“۔

۱۵۔ فبلکس پریخا (مجریط اسپین) مخطوطہ کتاب الشطرنج ص ۲۲۳۳ عطف آفندی استانبول

۱۶۔ امجد طرابلسی (دمشق) زجرا النانج لابی العلاء المعری (از برنش میوزیم)

۱۷۔ مجتبیٰ مینوی (طهران) کلیلہ و دمنہ کا اختصار از خلیفہ مامون۔

۱۸۔ ڈاکٹر فلوہسی (بغداد) عراق کی جدید مختصر کہانیوں کے رجحانات۔

۱۔ صحیح لیبیب

اسلامیات حصہ مذہب، تاریخ و فنون لطیفہ (۲۵ مقالے)

(بامبورگ) قرون متوسطہ کے مصر میں قرض دینے کے اصول۔

۲۔ دادید آیالون (اسرائیل) سلاطین مملوک کی بحری جنگیں۔

۳۔ صابر خان (کلکتہ) مسکو نے اپنی ہم عصر معاملات کن مصادر سے حاصل ہیں۔

۴۔ انوار الحق (مدراس) اسلامی سیاسی تصورات کے اثرات قرون متوسطہ کے یورپ پر

۵۔ ایگناس خلیفہ (بیروت) ابن خلدون کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ۔

۶۔ والنز فٹشل (برکلے) ابن خلدون اور تقابل مذاہب۔

۷۔ علی زاوہ (موسکو) رشید الدین خان کی جامع التواریخ۔ یہ عنوان دیا گیا تھا، لیکن جو

مقالہ پڑھا گیا، اس کا عنوان تھا تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں آذربائیجان کا نظام

مالگزاری آراضی۔

۸۔ عثمان طوران (انقرہ) سلجوقی دور میں اسلام کی اشاعت۔

۹۔ موریس ڈیمانڈ (نیویارک) امریکی عجائب خانوں میں قدیم اسلامی ایرانی بردنز کے برتن

۱۰۔ عباس مزدہ (طهران) قدیم ایرانی کانچ کے برتن ۱۵۰۰ ق م تا ۱۵۰۰ء

۱۱۔ ارنست کیونل (برلن) برلین کے عجائب خانوں کی بعض نامعلوم تصویریں۔

۱۲۔ ڈی ایس رائس (لندن) جامع مسجد حران کے پتھروں میں اہل اسلام کے بعض کتبائے

۱۳۔ امیر موریس شہاب (بیروت) آنجا میں ایک اموی قبل کی دریافت۔

۱۴۔ فواد مسزگین (استانبول) حدیث کی روایت کے بعض پہلو۔

۱۵۔ اے جانس (جوگجا کرتا) اسلام جدید اندونیشیا میں۔

۱۶۔ محمد حمید اللہ (پاریس) جمالیات اور فنون لطیفہ تعلیمات نبوی میں اس کا اثر

ریڈیو نے ریکارڈ کر کے نشر کیا۔

۱۷- سلیم بیراقدار دوچ (بلگراڈ) جنوبی سلاف ممالک میں مشرقی میراث فنون لطیفہ میں

۱۸- صبح عبدالعال (کیمبرج امریکہ) حجاز میں پہلی صدی ہجری میں بڑی جاگیریں۔

۱۹- انی اے بیلائف (موسکو) ساتویں صدی میں اسلامی فرقہ بندیاں۔

۲۰- اوکتائی ارسلان آیا (استانبول) تبریز کے فن کاروں کا بار استانبول میں۔

### ترکیات (۲۶) مقالے

۱- احمد حمدی تانپینار (استانبول) ترکی شاعری میں مرثیہ۔

۲- جی یشکے (مونستر) وحید الدین محمد سادس۔

۳- ٹی بیلکلی، ونگلو (انقرہ) صلح نامہ مدرس ۱۹۱۸ء کی ایک غیر مطبوعہ دستاویز۔

### ایران وقفقاز (۳۷) مقالے

۱- اے جی مرزایف (موسکو) شہنشاہ نامہ کا مؤلف

۲- محمد باقر (لاہور) ایرانی قاموسیں۔

۳- علی سامی (شیراز) اصطر اور پسر گادہ۔

۴- بی جی غفوروف (ماسکو) سامانی خانوادے کا عروج و زوال۔

۵- گل پاشا الفت (کابل) خوشحال کھٹک کی شاعری میں روزمرہ کی زندگی کے مناظر۔

۶- محمد مقری (پاریس) اہل حق کے ہاں حلول کا نظریہ۔

۷- عبدالغفور فرہادی رواں (کابل) مشرقی فارسی کے بعض پہلو۔

۸- سیرنیم الدین (کابل) شیخ سعد الدین احمد انصاری کی سوانح عمری۔

۹- ملیحہ طارق آخیا (انقرہ) سعادت نامہ ناصر خسرو۔

۱۰- ای ای ابرٹلس (موسکو) فردوسی اور سلطان محمود غزنوی۔

۱۱- علی افقہ (طهران) ایران میں ادبی نشاۃ ثانیہ۔

### ہندیات (۴۱) مقالے

۱- خواجہ احمد فاروقی (لندن) انیسویں صدی کی ہندی سماجی

زندگی کے متعلق اردو فارسی معلومات۔

۲- ظل الوحید (کلکتہ) ہندوستان ہمیشہ غیر تبدیل پذیر رہی رہا۔

۳- اربند اباسو (ڈرہام) جدید ہندی تصوف۔

۴- جی ڈیریٹ (لندن) ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۶ء میں ہندو قانون کی تبدیلیاں۔

### وسطی ایشیا (۲۵) مقالے

۱- علی توپچی یاشی (پاریس) چندروی نام جو آلتائی الاصل ہیں

۲- خالدہ دولو (لندن) سقائی اور لطفی کا تقابل۔

۳- سعادت چغتائی (انقرہ) بیطرۃ الواضح کا مخطوط۔

۴۔ جعفر اوغلو (استانبول) اناطولیہ اور روم کی پرچہ تحقیقات۔

۵۔ اے ایم بیلینسکی (موسکو) ساتویں اور آٹھویں صدی میں صغد۔

چینیات (۳۴ مقالے) | ۱۔ ایل سی گڈریج (نیویارک) عربوں کے شہزیتوں یعنی

چو پر بخو پر نئی روشنی۔

جاپان اور کوریا (۱۱ مقالے) | ۱۔ ڈونالڈ شیوہلی (برکلے) سترہویں صدی کے

جاپانی شہروں میں نائک۔

جنوب، مشرق ایشیا (۶ مقالے) | ۱۔ جی ایف ہال (لندن) سفیر اور مستشرق۔

۲۔ ڈی امید (لزبن) جزیرہ تیمور کے فنون اور دستکاریاں۔

افریقیات (۲۸ مقالے) | ۱۔ ایف ڈبلیو پارسن (لندن) عوسہ زبان کی صرف و نحو کے بعض پہلو

عمومی اجتماعات میں تقریریں | ۱۔ کلوڈ شیفر (پاریس) راس شجرہ وغیرہ کی نئی کھدائی۔

۲۔ پروفیسر ارومان (استانبول) اناطولیا میں اسلامی فنون لطیفہ۔

۳۔ پرنس جیو ڈنمارک کے علمی مشن افغانستان میں۔

متفرقات | موتمر کی طرف سے متعدد تحریکیں بھی منظور ہوئیں، ان میں سے ایک قابل ذکر

یہ ہے کہ عرب ممالک میں اعلیٰ معیار کے جو روز افزوں مخطوطے شائع ہو رہے ہیں ان کو قدر کی نظر

سے دیکھا جاتا ہے اور مشرق و مغرب میں اس سلسلے میں تعاون کی توقع کی جاتی ہے۔

یہ عالمی پہلی مرتبہ مغرب نے مشرق کی کتابوں کی ہے۔

جرمن انجمن مستشرقین کا مشہور رسالہ ZMDO ایک رسالہ ہے جس کا شمار

مؤتمر کے سلسلے میں ایک خصوصی سہ ماہی ہے جس میں عربی زبان کے تھانہ جامعہ اسلامیہ

مشرقیات کی تعلیم کی صد سالہ سرگزشت ایک اور مقالہ عربی زبان کی لغتوں کے متعلق تھا۔

میونخ کے کتب خانوں اور عجائب خانوں نے بھی اس سلسلے میں معلومات کی ایک

با تصویر کتاب شائع کر کے تقسیم کی۔ یورپ کے قدیم ترین عربی مطبوعات، قرآن وغیرہ کے قدیم

مخطوطے میونخ میں اور اس طرح کے دوسرے معلومات ان سے حاصل ہوتے ہیں، علاوہ دوسرے

معلومات مثلاً تصاویر، فنکارانہ مصنوعات غیر اسلامی خاص کر یہودی چیزیں وغیرہ۔

غرض یہ اجتماع جس میں ہر مذہب و ملک کے لوگ، ہر رنگ اور ہر خیال کے افراد اور اہل

علم کے علاوہ دست سے تا شاکی جمع ہوئے تھے، بہت دلچسپ تھا۔

(معارف جلد ۸۱ شماره ۳ بابت ماہ مارچ ۱۹۵۸ء)

# موترمستشرقین عالم کا پچیسواں اجلاس ماسکو

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

**تمہید** جیسا کہ تین سال قبل (معارف مارچ ۱۹۵۸ء) میونخ کے اجلاس کی روداد میں عرض کیا گیا تھا کہ اس اجلاس میں مستشرقین نے حکومت روس کی دعوت کو بغلیبہ آرا منظور کیا تھا، چنانچہ یہ اجلاس ۱۶ تا ۱۹ اگست ۱۹۶۰ء کو ماسکو میں منعقد ہوا، اس کے مختصر حالات ناظرین معارف کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

**تاریخ** ۱۸۷۰ء میں جب بسمارک کے زمانے میں فرانس نے جرمنوں کے مقابلہ میں سخت بریت اٹھائی تو صلح کے بعد فرانس نے سارے یورپ پر صوت کرنے کے (نیولین والے) خواب کے بجائے مشرق کی فتح بہتر اور سہل تر خیال کی۔ اس مقصد کے لئے مشرق کے متعلق ہر قسم کے معلومات کی ضرورت تھی تاکہ فوجی فتح کے بعد تسلط قائم رکھنے میں سہولت ہو، چونکہ ان فتوحات میں تنہا اجارہ داری کے بجائے بٹوارہ ہی قابل عمل تھا، اس لئے سارے یورپ نے پورے مشرق کے متعلق ہر قسم کے معلومات فراہم کرنے میں تعاون کیا اور ۱۸۷۳ء میں پہلی موترمستشرقین اسی شکست خوردہ مقام پاریس میں منعقد ہوئی (جنگ ہٹلری کے بعد بھی پہلی موترم پھر اسی شکست خوردہ پاریس میں ۱۹۲۸ء میں ہوئی)۔

اس کے بعد دوسرا اجلاس لندن ۱۸۷۳ء (۳) سنٹ پیٹرسبورگ (حال لینن گراڈ) ۱۸۷۶ء (۴) فلارنس (اطلی) ۱۸۷۸ء (۵) برلین (جرمنی) ۱۸۸۱ء (۶) لائیڈن (ہالینڈ) ۱۸۸۳ء (۷) ویانا (آسٹریا) ۱۸۸۶ء (۸) اٹاکہوم وکریچانا (سوئیڈن و ناروے مشترکہ طور پر) ۱۸۸۹ء (۹) لندن ۱۸۹۲ء (۱۰) جنیوا (سوئٹان) ۱۸۹۴ء (۱۱) پاریس (فرانس) ۱۸۹۷ء (۱۲) روما (اطلی) ۱۸۹۹ء (۱۳) ہامبورگ (جرمنی) ۱۹۰۲ء (۱۴) الجزائر ۱۹۰۵ء (۱۵) کوپن باگن

(ڈنمارک) ۱۹۰۸ء (۱۶) اٹینہ (آٹھنس، یونان) ۱۹۱۲ء (۱۷) آکسفورڈ (برطانیہ) ۱۹۲۸ء (۱۸) لائیڈن (ہالینڈ) ۱۹۳۱ء (۱۹) روما (اطلی) ۱۹۳۵ء (۲۰) بروسیلز (بلجیم) ۱۹۳۸ء (۲۱) پاریس ۱۹۴۸ء (۲۲) استانبول (ترکی) ۱۹۵۱ء (۲۳) کیمبرج (برطانیہ) ۱۹۵۴ء (۲۴) میونخ (جرمنی) ۱۹۵۷ء (۲۵) ماسکو (روس) ۱۹۶۰ء، آئندہ اجلاس غالباً ۳ سال بعد ہوگا۔

تمہ تاریخ کے طور پر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور فرانسیسی مؤلف موسیو بینازی نے اپنی کتاب ”فرانسیسی شمالی افریقہ خطرے میں“ لکھا ہے کہ ۱۸۷۰ء میں جرمنی نے فرانس کے معدنیاتی علاقے الزاس اور مورین چھین لئے تھے، اس لئے فرانس کی توجہ ہٹانے کے لئے ایک دن بسمارک نے فرانسیسی سفیر سے کہا ”تونس ایک پکا ہوا میوہ ہے، تم نہ لو تو کوئی اور اسے توڑ لے گا، چنانچہ ۱۸۸۱ء میں فرانس نے اس پر امن اور دوست ترکی صوبہ پر حملہ کر دیا مگر تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر سارے اسلامی ممالک پر فرنگی قبضہ ہو گیا اور اب خدا کی قدرت کرشمے دکھا رہی ہے، اس موتمر کا مقصد اصلی ابتدا میں خواہ سیاسی رہا ہو مگر مستشرقین میں خالص علم دوستوں کی کمی نہیں۔

**متفرقات** | ۱۹۶۰ء کے آغاز ہی سے روسی اجلاس کی دعوتیں اور اس کے متعلق دوسری

اطلاعیں آنا شروع ہو گئی تھیں، اور بہت سے لوگوں کو موتمر سے زیادہ روس کے دیکھنے کی خواہش تھی اور یہ خیال تھا کہ سرمایہ پرستوں کی جہنم کی جگہ اشتراکی جنت میں ارزانی اور چیزوں کی افراط بہت زیادہ ہوگی، لیکن وہاں جا کر اچھے اچھے کھاتے پیتے لوگوں کے چھلکے چھوٹ گئے۔ قیام کے تین درجے تھے: درجہ اعلیٰ میں تیس ڈالر (ڈیڑھ سو روپیہ) روزانہ، درجہ متوسطہ میں ساڑھے ستاسی روپیہ روزانہ، اور درجہ ادنیٰ میں ساڑھے سرسٹھ روپیہ روزانہ صرف قیام و طعام کا خرچ تھا، درجہ ادنیٰ میں دو دو تین تین آدمیوں کے لئے ایک کمرہ تھا۔ اسٹیشن سے ہوٹل اور واپسی کا ٹیکسی کا کرایہ پچاس روپیہ بتایا گیا تھا، اس کے باوجود میں نے ہمت کی تھی، لیکن بعد کے ایک اعلان میں بتایا گیا کہ ماسکو سے تاشقند، سمرقند، بخارا اور واپسی کا کرایہ کوئی بارہ سو روپے (ہوائی جہاز میں) ہوگا، اور تاشقند میں ایک دن اور سمرقند و بخارا میں صرف چند گھنٹے قیام ہوگا تو بادلِ نخواستہ میں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ ”قل انتظروا وانا منتظرون“۔ اس لئے ذیل کے معلومات مطبوعہ اعلانات پر مبنی ہیں۔

حاضرین میں جو نظام نامہ تقسیم کیا گیا تھا اس میں بتایا گیا تھا کہ یونانی، کیتھولک، پاپسٹ اور ارمنی عیسائیوں کے گرجے ماسکو میں کہاں کہاں واقع ہیں اور یہودی کینسے کہاں ہیں، مسلمانوں

کے متعلق تھا کہ شارع یونیورسٹی میں مسجد ہے جس میں جمعہ کی نماز ایک بجے ہوتی ہے، اس میں ایک تاریخی انسل عالم امام ہیں اور اچھی عربی بولتے ہیں، کئی سو آدمیوں کی اچھی خاصی جماعت ہوتی ہے۔

سیر و دلچسپی کی چیزوں میں متعدد میوزیم تھے جن میں سے ایک مشرقی ثقافتوں کے لئے مختص ہے، اشتر کی حکومت کو اس سے ذاتی دلچسپی ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ زار کی حکومت گر دی کے صرف چند ماہ بعد اسے قائم کر دیا گیا۔ مہمانوں کو ان عجائب خانوں کے علاوہ متعدد فلم، ناچ بھی مفت دکھائے گئے اور کریمین کے دارالامارۃ کی سیر بھی کرائی گئی۔

کانفرنس سے پہلے اخباروں، رسالوں میں مضامین چھپنے شروع ہو گئے تھے، روسی اکیڈمی علوم کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ ”سوویرے سے نی ای دوستوک“ (ہم عصر مشرق) نکلتا ہے، اس کی جولائی ۱۹۶۰ء کی پوری اشاعت موتمر سے مخصوص تھی۔ اس کے چند مضمون یہ ہیں: ”عالم گیر اجتماع مستشرقین“ از باواجان غنوفوف۔ ”از بستان میں مستشرقیت“ از صباحت عظیم جان بیگم ”سوویت مستشرقیت“ از گنام۔ تاجکستان کے دریائے دیش کا تالاب جو زیر تعمیر ہے اور جس سے تیرہ لاکھ ایکڑ زمین زیر کاشت آجائے گی۔ از سینگوف۔ ”بابر نامہ با تصویر“ از پوزرناظم عجائب خانہ ثقافت ہائے مشرقی۔ ”باباے اردوڈاکٹر عبدالحق کی نو سالہ سالگرہ“ از غنی ایوا بیگم ”افغانستان میں“ از تولن شمسی ایف کوغیزی ”سامرہ کی کھنڈر دیواروں میں“ از وربیانٹس ”لبنان کی سیر“ از کاتین ”ایران میں ارتجاعیت کا دور دورہ“ از رومالوف ”برطانوی بوریو کا انجام“ از دوستکی ”مشرقی مطبوعات کا ذخیرہ“ از وائیٹھائن ”سررستانی ریڈن کے اعتراف ہائے جرم“ از وونڈا نیٹکی وغیرہ۔ یہ سارے مضامین با تصویر ہیں، خاص کر بابر نامے کی تصویریں ۴ صفحات میں بہت نفیس چھپی ہیں۔

وہیں سے ”پروٹیمی دوستو کوویدے نیا“ (مسائل معلومات مشرقی) نامی ایک سہ ماہی رسالہ نکلتا ہے، اس کے سرورق پر پہلی سطر میں کچھ چینی عبارت ہے، دوسری سطر دیوناگری خط میں سماویا-پاچھو ویا اور تیسری سطر میں عربی خط میں ”مسائل الاستشراق“ لکھا ہے۔ اس کے بہت سے مضامین دلچسپی کے قابل ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں حکومتی سرمایہ داری، ایران و افغانستان کی سیاست خارجہ اور معاشی ترقی، پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز پر ترکی کسانوں کی بغاوت، الروض المعطار لابن عبدالمعتم الحمیری کا مخطوطہ مدینہ منورہ اور اس میں مشرقی وسطیٰ و شمالی یورپ کا تذکرہ، ابرانی رزمیہ نظموں کا اثر بعض روسی شاعروں پر، ہندی آریائی زبانوں میں بعض الفاظ کی

ساخت، موتمر مستشرقین عالم کے دونوں (تیسرے اور چھیسویں) اجلاس کی عہد آفریں اہمیت، ترکمان اشعار کی ایک نادر بیاض، ابوالفرج ہارون کی کتاب الکافی (فی النحو العبرانی) کی اہمیت، بہرام چوبین اور اس کی تاریخ کے ماخذوں کا تقابل، لیسن گراؤ کی اکیڈمی علوم کا شعبہ مشرق قدیم، چکوسلواکیہ میں ۱۹۵۹ء میں مستشرقیت، سید حبیب احمد و فاطمہ انقلاب پسند شاعر اور عالم، ان کے علاوہ اور مضمون بھی ذکر کے قابل ہیں۔

سر دیو چٹکو نے ایک مقالہ میں بتایا ہے کہ اجنبی زبانوں کے الفاظ و اصوات کا تلفظ روسی خط میں کس طرح دیا جائے اور اس سلسلے میں عربی، اردو، ہندی، فارسی، ترکی، پشتو، منگولی، جاپانی اور کسی قدر چینی کا بھی ذکر ہے۔ (یہ واضح رہے کہ روسی میں ث، ر، ع، غ، ح، ق، ذ، ص، ض، ط، ظ، نون غنہ تو کیا ج، ہ بھی نہیں ہیں، میرے نام جو دعوت نامہ آیا تھا اس پر پتہ میں ”موخام مادخامی دول لاکھ“ لکھا ہوا تھا۔

پیٹراچیک نے برائسلواوا (واقع چکوسلواکیا) کے مخطوطات عربی پر ایک مقالہ میں بتایا ہے کہ اس میں بوسینا (یوگوسلاویا) کے مسلمانوں کی تاریخ پر بعض اہم و مفید کتابیں اور دستاویز موجود ہیں اور ان مخطوطات کی ایک توضیحی فہرست تیار کر لی گئی ہے، اس مضمون میں اس کے علاوہ جن مخطوطوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ ہیں: روضات الجنات فی اصول الاعتقادات، ازبار الروضات، نور الیقین، عقیدۃ اہل السنۃ، مفتاح العلوم للبحرانی، کافیۃ لابن حاجب، مرقاۃ الوصول لملاخسر، آداب البحث للابھری، الذکر فی زیارۃ اہل المقابر، تبشیر الغزوات فی سبیل اللہ۔

تیرہ صفحے کے ایک طویل مقالے میں جرمن شاعر گوئے کے ”مغربی مشرقی دیوان“ کے اقتباسات دے کر ان کی نئی (اشتراکی) تعبیر کی گئی ہے، اس دیوان سے سراقبال مرحوم بہت متاثر تھے، اور بجا طور پر تھے اس میں شاعر نے مسلمانوں اور خاص کر رسول اکرم کی بڑی توصیف کی ہے، وہ ایک پورا دیوان ہی حضور اکرم پر لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن حالات نے موقع نہ دیا، اس نے ایسی بہت سی نظمیں اور تشریحی یادداشتیں اپنی زندگی ہی میں شائع کیں، ایک نظم کو اس نے چھپائے رکھا تھا جو اس کے مرنے کے بعد اس کے کاغذوں میں ملی، اسے بھی اس کے ورثہ نے شائع کیا، اس میں رسول اکرم کی پیروی کی اہمیت و افادیت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بھی نظر رہے کہ گوئے اس زمانہ (۱۷۳۹ء تا ۱۸۳۲ء) کا شخص ہے، جب یورپی زبانوں میں اسلام اور سیرت پاک پر صحیح اور اچھی کتابیں گویا لکھی ہی نہیں گئی تھیں۔ اس لئے اس کو اس کے خیالات و رجحانات کے باعث اس کے

عبدالوراپنے ماحول کا باغی سمجھا جاتا تھا۔

بونگارولویون نے مشہور سنسکرت کتاب ارتھاشاستر مؤلفہ کادیٹلیا کے تازہ شائع شدہ روسی ترجمے پر سولہ صفحے کی تنقید کی ہے۔ یہ کتاب اصول حکمرانی اور محصول اور ٹیکس کے مسائل پر ہے، اس کا انگریزی اور جرمن ترجمہ بھی ہو چکا ہے، اس کتاب کا مصنف اور ماکیا ویلی اطالوی مصنف ”پرنس“ اخلاق و انصاف پر حکمراں کے ذاتی مفاد کو مرجع سمجھتے ہیں، کنفوشس نے بھی چینی میں اس موضوع پر جو کتاب لکھی ہے اس کے ترجمے موجود ہیں، امام ماوردی کی احکام السلطانیہ اور ان کے ہم عصر حنبلی امام ابو یعلیٰ الفراء کی اسی نام کی کتاب احکام سلطانیہ چھپ چکی ہیں، اول الذکر کا تو جامعہ عثمانیہ نے اردو ترجمہ بھی چھاپا تھا، کاش کوئی علوم سیاسیہ کا ماہر (مثلاً پروفیسر ہارون خاں شروانی) ان کتابوں کا تقابلی مطالعہ کر ڈالتے، فالحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ ابو یعلیٰ نے مصارف زکوٰۃ پر جو بحث کی ہے اس پر عیش عیش کرنا پڑتا ہے۔

بعض مہمان بھی کارگزاری دکھانے میں پیچھے نہ رہے، مثلاً چکوسلوا کیا کی طرف سے مہمانوں میں دو کتابیں تقسیم کی گئیں ایک انگریزی کا پندرہ روزہ اخبار ”نیو اورینٹ“ اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، دوسری فرانسیسی میں ”مستشرقیت چکوسلوا کیا میں“ اس میں عربیات، ایرانیات، مصریات، چینیات، ہندیات وغیرہ وغیرہ پر مستقل باب ہے، اس کے علاوہ چکوسلوا کی کتابوں اور عالموں کے حالات اور تعلیم گاہوں کی موجودہ حالت کا ذکر ہے، عربیات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ۱۶۱۲ء میں یہاں ”تردید قرآن“ کے نام سے ایک کتاب چھپی تھی جس میں ضمناً قرآنی آیات کا چکوسلوا کی زبان میں ترجمہ تھا، یہ قدیم ترین چکوسلوا کی ترجمہ قرآن ہے۔

**نظم و نسق** | موتمر کا افتتاح نائب وزیر اعظم میکویان نے کیا جو علمی سے زیادہ سیاسی نقطہ نظر کا حامل تھا، لیکن موتمر کی صدارت روس کے ممتاز عالم اور بلند مرتبہ عہدہ دار باوا جان غفوروف نے کی (جن کے ایک مضمون کا اوپر ذکر آیا ہے) ان کی مادری زبان فارسی ہے۔ تین سال قبل موتمر میونخ میں جو روسی وفد آیا تھا اس کے نگران اور صدر بھی یہی تھے۔

اگرچہ دو ہزار مرد اور غورتیں موتمر میں شریک ہوئے لیکن مقالوں کا اعلان صرف (۷۶۶) افراد کے متعلق تھا، اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ماسکونہ جاسکے۔ مثلاً یہ ناچیز، ایسے لوگوں کی تعداد کافی تھی، لیکن جو مقالے پیش ہوئے ان کی تعداد بھی کئی سو تھی، جن کو انیس شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ان کی تفصیل یہ ہے:



- (۱) مصریات  
(۲) اشوریات و بابلیات  
(۳) سامی السنہ، عبرانی، بابلی  
(۴) خطبات  
(۵) بیزنطیات  
(۶) عرب ممالک (صدر نشین زاہدوف، ۴۳ مقالے)  
(۷) عربی زبان (۲۵) مقالے  
(۸) ایرانیات (صدر نشین علی زاوہ)  
(۹) الف۔ افغانیات  
(۱۰) وسط ایشیا (صدر نشین مومنوف)  
(۱۱) ترکیات و منگولیات (صدر نشین عظیموف) (۱۲) تاریخ ترکی  
(۱۳) قفقازیات (صدر نشین محمدوف) (۱۴) ہندیات  
(۱۵) جنوب مشرقی ایشیا (اندونیشیا وغیرہ) (۱۶) چینیات (مگر خود چین سے کوئی شخص نہ آیا کیونکہ چینی اپنے کو عالمگیر قوم سمجھتے ہیں، محض مشرقی نہیں)

(۱۷) کوریا (۱۸) منگولیا (۱۹) سیاہ افریقا  
اس تقسیم میں بابلی کے لئے تو ایک شعبہ رکھا گیا تھا، لیکن اسلام کے لئے نہیں، یہ مقالے عربی، روسی، جرمن، فرانسیسی یا انگریزی میں تھے، ان سات آٹھ سو مقالوں میں سے صرف ان چند کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے معارف کو دلچسپی ہو سکتی ہے، لیکن مجھے یہ علم نہیں کہ ان میں سے کتنے واقعی پڑھے گئے۔

مقالے | ۱-۱ اے ملامت (اسرائیل) حضرت سلیمان کے تعلقات مصر سے۔  
۲-۱ اے آلت مان (امریکہ) یہودی اسلامی مباحثے کا ذکر الباقلائی کے ہاں۔  
۳- ایریل بارسبا (امریکہ) یہودی خاندان میں میمون کی طبابت اور ان کا طب عربی کو یورپ پہنچانا۔

- ۴- محمد احمد حسین (قاہرہ) حروب صلیبیہ میں استعماری عنصر۔  
۵- امین الخولی (قاہرہ) دریائے نیل اور دریائے والگا (روس) کے تعلقات۔  
۶- محمد الفاسی امیر جامعہ رباط (مراکش) مراکشی مخطوطات۔  
۷- لوی ماسین یوں (فرانس) عرب شہروں کی تشکیل۔  
۸- تی لیوٹسکی (پولینڈ) شمالی افریقہ کے باضی (خوارق) تاجر قرونِ توحہ کے سوڈان میں  
۹- کلود کاہن (فرانس) وقف کی حقیقت و آغاز۔  
۱۰- ڈیوڈ نیوٹن باربور (برطانیہ) انگلستان کے بادشاہ جان کی سفارت مراکش کے

”میرالویمن“ (امیرالمومنین) کے نام۔

۱۱- سلیمان مصطفیٰ زین (تونس) مغرب اقصیٰ کی اسلامی معماری میں مخراب۔

۱۲- اولیگ گرابر (امریکہ) مقامات حریری کا با تصویر نسخہ۔

۱۳- ڈی ایس ایس (برطانیہ) خران میں جولائی تا اگست ۱۹۵۹ء میں اثریاتی کھدائی۔

۱۴- جارج وکنیس (کنیڈا) نصیر الدین طوسی کا تذکرہ سقوط بغداد۔

۱۵- جے کرامرس (جرمنی) ابو عبیدہ، ابن درید اور غلام ثعلب کے بعض نو دریافت شدہ

مخطوطے۔

۱۶- جارج اسکالون (قاہرہ) قرون متوسطہ کے اسلامی فن حرب کے ماخذ ہائے معلومات

۱۷- تابیہ ایبوٹ (امریکہ) عربی بردی (پاپیروس) اور ابتدائے اسلام کی کتب حدیث

۱۸- محمد حمید اللہ (فرانس) تقویم ہجری (اس میں امام بیہقی کے ایک مخطوطے کی اساس پر

بتایا گیا ہے کہ ابتدائے اسلام کے مولفوں کے ہاں اس تقویم کا شمار بیعت عقبہ یعنی ۱۰ قبل ہجرت

سے یکم محرم ۱۰ ہجری سے نیز رجب الاول ۱۰ ہجری کے بعد کے آغاز ۱۰ یعنی محرم ۱۰

ہجری سے غرض تین مختلف سنہ پائے جاتے تھے۔ روایتوں میں سنین کے اختلاف کا اصل باعث

یہی معلوم ہوتا ہے، مثلاً غزوہ بنی المصطلق کی تاریخ موسیٰ بن عقبہ کے ہاں شعبان ۱۰ ہے تو ابن

اسحاق کے ہاں شعبان ۹ھ اور اقدی کے ہاں شعبان ۱۰ھ۔ نہ کہیں جھوٹ ہے نہ سہو بلکہ

طریق شمار کا فرق ہے اور بس۔ ایسی اور بھی مثالیں دی گئی ہیں اور زمانہ جاہلیت کے سال کیسے اور

نسبی پر بھی بعض نام معروف و نظر انداز حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے۔)

۱۹- مجید خذوری (عیسائی ہیں، امریکہ) الرسالة مؤلفہ امام شافعی۔

۲۰- مادام کراچ کو فسکی (روس) سولہویں صدی کے بعض نادر مخطوطات قرآن۔

۲۱- ڈی ایم دلاپ (برطانیہ) لڑبن کی اکیڈمی علوم (پرتگال) کے عربی مخطوطات۔

۲۲- آر ارنالڈیز (فرانس) عربی صرف و نحو اور اس کا اثر تفسیر قرآن پر۔

۲۳- ٹی شو مو فسکی (روس) پندرہویں صدی عیسوی کا ایک عربی دائرۃ المعارف بحریہ

(غالباً ابن ماجد اسد البحر کے رسائل کے متعلق۔)

۲۴- سید مہدی روحانی (ایرانی مقیم فرانس) کیا فلسفے کا آغاز ایران سے نہیں ہوا؟

۲۵- محمد عبد اللہ شعبان (امریکہ) الفتوح لابن اعثم میں خراسان کا ذکر۔

۲۶- احمد علی کوہ زاد (افغانستان) تاریخ افغانستان پر انیسویں صدی عیسوی کے بعض

مخطوطات۔

۲۷- آیسو بومباچی (اٹلی) غزنوی حکمران مسعود اول کا تخت۔

۲۸- عبدالغنی مرزا ایف (روس) صفوی دور کے فارسی ادبیات کا نیا ماخذ (اس میں محمد بدیع

ابن محمد شریف ملینا المتولد ۱۰۵۳ھ کی مذکورہ اصحاب کے روس میں سمات نسخے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے)

۲۹- یوزیف ایلغباین (برطانیہ) برٹش میوزیم میں بلوچی مخطوطے۔

۳۰- محمد نظام الدین (حیدرآباد، دکن) امیرونی کے کارنامے سائنس میں۔

۳۱- ہیرولڈ لامب (برطانیہ) سمرقند میں تیموری عہد کے اواخر کے تبدیل پذیر ثقافتی اثرات

۳۲- اے مختاروف (روس) زرفشاں دریا کے بالائی حصے میں ہمارے نام کا ایک لہجہ۔

۳۳- اومیا کوف (روس) پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز پر وسطی ایشیا کے مغربی

درپ سے تعلقات۔

۳۴- جواہر الماس۔ قصہ یوسف مؤلف علی، ہانغاری تا ۱۳۱۰ء کا ایک علمی کارنامہ۔

۳۵- عمر لطفی بارکان (ترکی) مسجد سلیمانیا استنبول اور اس کے اوقاف کی تعمیر کا مطالعہ۔

۳۶- بی بیشک (جرمنی) اتاترک نے جمہوریت کا منصوبہ کب تیار کیا؟

۳۷- عزیز احمد (تیمم لندن) سیداتہ خاں، جمال الدین افغانی کا اثر جدید ہندی مسلمانوں

کے تصورات سے کیا ہے۔

۳۸- شیخ عنایت اللہ (پاکستان) عربوں کا نسل و نسل افراقتیں۔

(معارف جلد ۸۶، شمارہ ۵، اپریل ۱۹۶۰ء)

# مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس

## کا

### چھبیسواں جلسہ

از

سید صباح الدین عبدالرحمن

اس سال مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا چھبیسواں جلسہ ۴ جنوری ۱۹۶۴ء سے ۱۰ جنوری ۱۹۶۴ء تک دہلی میں منعقد ہوا، اب تک اس کے جلسے برابر یورپ میں ہوتے رہے، ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہوا کہ ایشیا میں اس کا جو اجلاس پہلی دفعہ کیا گیا، اس کے لئے نظر انتخاب ہندوستان کے دارالسلطنت پر پڑی، خود حکومت ہند میزبان تھی، اور اس کانگریس کے صدر حکومت ہند کے لایق اور فاضل وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر تھے، جنہوں نے اس کانگریس میں نہ صرف اپنی قابلیت اور لیاقت کا سکہ جمایا بلکہ ہندوستان کے علمی وقار کو بھی بلند کیا۔

کانگریس میں امریکہ، کینیڈا، میکسیکو، برطانیہ، روس، فرانس، رومانیہ، پولینڈ، ہالینڈ، اسٹریا، ترکی، آسٹریلیا، تھائی لینڈ، مصر، عراق، شام، لبنان، اسرائیل، کوریا، جاپان، ایران، پاکستان اور ہندوستان کے بارہ سو نمائندے شریک تھے، اکثریت ہندوستان کے نمائندوں کی تھی، جنہوں نے مختلف یونیورسٹیوں اور اداروں کی نمائندگی کی۔

کانگریس کے جلسہ کا انتظام ہر لحاظ سے قابل تعریف تھا، اور اس کے لئے حکومت ہند مبارکباد کی مستحق ہے، نمائندوں کو ہر طرح کی سہولت پہنچائی گئی، ان کے اعزاز میں چائے اور کھانے کی بڑی بڑی دعوتیں ہوئیں، بیرونی مہمانوں کے لئے ہندوستان کے تاریخی مقامات کی

سیر و سیاحت کا بھی انتظام تھا، علمی ضیافت کا بھی پورا سامان تھا، کانگریس کا اجلاس دہلی کی مشہور عمارت و گیان بھون میں ہوا، اس کے افتتاح سے پہلے ہر نمائندہ کے ہاتھ میں حسب ذیل کتابیں تھیں جو منتظمین کی طرف سے مفت تقسیم ہوئیں۔

(۱) ہندوستان میں مشرقی علوم (Oriental Studies in India) (۲) ہندوستان

کے آثار قدیمہ، تاریخی یادگاریں اور میوزیم حصہ اول و دوم (۳) دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے (۴) ہندوستان کے اہم مخطوطات (۵) کانگریس میں پڑھے جانے والے مقالات کے خلاصے دو جلد (۶) ”ہندوستان میں مشرقی علوم“ اس کے اسلامی علوم و فنون کے باب میں دارالمصنفین کی علمی سرگرمیوں کا بھی ذکر تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

”دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ہندوستان کے اہم ترین اداروں میں سے ہے،

یہاں سے اب تک اردو زبان میں تقریباً سو کتابیں سیرت، خلفائے

راشدین، اسلامی ممالک کی تاریخ، عرب و ہند کے تعلقات، ہندوستان میں

تصوف اور ہندوستان کی تمدنی تاریخ وغیرہ پر شائع ہو چکی ہیں، اس علمی ادارہ

کی بنیاد مولانا شبلی اور ان کے لائق شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈالی،

اور انھوں نے جو علمی روایت بنائی اس کو استوار کر کے ان کے جانشین مولانا

مسعود علی ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، سید صباح الدین عبدالرحمن اور

دوسرے نوجوان اہل علم کی جماعت قائم کئے ہوئے ہے، فی الحال اس کی

اہم علمی سرگرمیوں میں ۲۵ جلدوں میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ

بھی شائع کرنا ہے، جن میں اس عہد کے ہندوستان کے معاشرتی، مذہبی اور

تہذیبی پہلوؤں پر تحقیقات ہوں گی، حال ہی میں مولانا ابوالحسن ندوی کی

تاریخ دعوت و عزیت دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے، بزم صوفیہ، اقبال کامل،

اسلام اور عربی تمدن، حکمائے اسلام، تبع تابعین، ہندوستان کے مسلمان

حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے

عہد کے تمدنی کارنامے، گجرات کی تمدنی تاریخ بھی قابل ذکر ہیں، معارف

اسلامی علوم و فنون کا بڑا معیاری ماہانہ رسالہ ہے، اسلامی ممالک میں جتنی

کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ ان پر اس میں تنقیدیں اور تبصرے بھی شائع ہوا

کرتے ہیں، اس میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر جو ناقدا نہ مضامین ہوتے ہیں، ان کے اعلیٰ معیار کو شاہ معین الدین احمد ندوی اور ان کے رفقاء کے کار قائم رکھے ہوئے ہیں، اس کے لئے وہ تعریف و ستائش کے مستحق ہیں۔“

اسی کتاب میں عربی اور فارسی علوم کے باب میں دارالمصنفین کا ذکر ان الفاظ میں ہے: ”دارالمصنفین جو شبلی اکیڈمی کے نام سے بھی مشہور ہے، ۱۹۱۵ء میں مولانا شبلی کے علمی مشن کو پورا کرنے کے لئے قائم ہوا، اس کی مطبوعات کے ترجمے مصر، ترکی، ایران اور افغانستان میں ہوئے ہیں، یہاں سے معارف شائع ہونا ہے، جو اردو کا قدیم ترین معیاری ماہانہ رسالہ ہے، عربی اور فارسی ماخذوں سے جو کتابیں یہاں لکھی گئیں ہیں ان میں کچھ یہ ہیں: تاریخ سندھ از ابو ظفر ندوی، بزم تیموریہ از سید صباح الدین عبدالرحمن، تاریخ اسلام از مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ الدلس از سید ریاست علی ندوی، حکمائے اسلام از مولانا عبدالسلام ندوی اور بزم سنوکیہ از سید صباح الدین عبدالرحمن۔“

کانگریس کے اجلاس کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے اس کے گذشتہ اجلاس کے صدر روسی مستشرق ڈاکٹر بی گیفرو نے اپنا الوداعی خطبہ پڑھا، انھوں نے تین سال پہلے کانگریس کے اجلاس کی صدارت ماسکو میں کی تھی، اس خطبہ میں روس میں مشرقی علوم کے متعلق جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا بھی ذکر تھا، جس سے معلوم ہوا کہ منوشاستر، دھمید، جتکا مالا کے علاوہ کلام پاک، فردوسی کے شاہ نامہ سعدی کی گلستاں، نظامی کے خمہ، عمر خیام کے رسائل، امیر خسرو کی شیریں خسرو کے ترجمے روسی زبان میں ہوئے ہیں، پھر ہندوستانی فلسفیوں میں رادھا کرشنن، رائے، چنوپادھیاء، ماہرین معاشیات میں مہال نودس، واڈیا، مرچنٹ، نرائن، بالجیت سنگھ، مورنجین میں سے ہمایوں کبیر، بھرجی اور سنگھ، ماہر لسانیات میں کامتا پرشاد گرو اور دوسرے مصنفوں کی تصانیف روس کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئیں، وہاں ہندوستان کی تاریخ بھی چار جلدوں میں لکھی جا رہی ہے، جن میں موجودہ دور کی تاریخ دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، آخر میں روسی مستشرق نے امن، آشتی، مساوات اور انسدادِ ظلم پر زور دیتے ہوئے اپنا خطبہ حافظ کے اس شعر پر ختم کیا۔

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل بہ بار آرد      نہال دشمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد

اس کے بعد جناب ہمایوں کبیر کا خطبہ ہوا جو بڑی خاموشی اور توجہ سے سنا گیا، یہ طویل

ہونے کے بجائے مختصر تھا، لیکن اس کے ایجاز میں بھی اطناب اور اجمال میں بھی تفصیل تھی، جو ان کے انداز تحریر اور طرز ادا کی پختگی کی دلیل ہے، اس میں مستشرقین کے کارناموں پر پر مغز تبصرہ تھا، اور ہندوستان پر بیرونی اثرات کے ذکر میں صدر محترم نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس کا اعتراف کیا کہ عہد وسطیٰ سے اسلام اور گزشتہ تین سو برس سے یورپ کی وجہ سے ہندوستان کی زندگی اور طرز فکر میں ایسی بنیادی تبدیلیاں ہوئیں ہیں جن کے نتائج دور رس اور صریحی ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ علوم مشرقی ہی کے مطالعہ سے مغربی ممالک میں تاریخ نویسی کا ایک نیا انداز پیدا ہوا، انگریز ہندوستان آئے تو ان کو تاریخ نویسی کے اسلامی طرز سے سابقہ پڑا، جو عیسائیوں کے مذہبی اور کراماتی انداز بیان سے بالکل پاک تھا، یہ صحیح ہے کہ مسلمان مورخوں نے معاشرہ کے ارتقاء یا تاریخی محرکات سے بحث نہیں کی ہے، لیکن انھوں نے صحیح واقعات قلمبند اور ان کے لئے دیانتداری کے ساتھ ماخذوں اور شہادتوں کو فراہم کرنے میں بڑا اونچا معیار قائم کیا، مسلمانوں کی تاریخ میں شخصیات، حربی تفصیلات اور درباری سازشوں کے واقعات ضرورت سے زیادہ ہیں، لیکن مارکس سے پہلے یورپ کے مورخین بھی انھی واقعات پر زور دیتے تھے، جو بادشاہوں، فوجی سرداروں اور سیاسی مدبروں کی سازشوں اور سرگرمیوں سے ظہور پذیر ہوتے تھے، مرزا ابوطالب (انتوفی ۱۸۰۶ء) پہلے ہندوستانی اہل قلم ہیں جنھوں نے تاریخی واقعات کے ظہور پذیر میں معاشرتی اور اقتصادی رجحانات کی اہمیت کا اندازہ لگایا۔

اس کے بعد جمہوریہ ہند کے صدر ڈاکٹر سرو پلی رادھا کرشنن کا افتتاحیہ خطبہ پڑھا گیا جو اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے، اس لئے ان کا خطبہ بھی جناب ہمایوں کبیر صاحب ہی نے پڑھا، جس میں ان کی عام تحریروں کی طرح مذہبی اور فلسفیانہ رنگ غالب تھا، مشرقی فضا پیدا کرنے کے خاطر سنسکرت کے اشعار بھی نقل کئے گئے تھے۔

اسی روز ساڑھے چار بجے شام کو راتھریتی بھون میں تمام مندو بین صدر جمہوریہ کی طرف سے چائے پر مدعو تھے، صدر کے بجائے نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے مہمانوں کا استقبال کیا، اور مہمان نوازی کے پورے مشرقی آداب کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے مہمانوں سے ملتے رہے۔

اسی دن ساڑھے چھ بجے شام کو وگیاں بھون میں پنڈت جواہر لال نے مندو بین کو مخاطب کیا، اس میں انھوں نے بتایا کہ قدیم وجد رنگ میں کیسے ہم آہنگی ہو سکتی ہے۔

۱۵ جنوری کو نو بجے سے ۱۲ بجے دوپہر اور پھر ڈھائی بجے سے ۱۵ بجے شام تک مختلف شعبوں کے جلسے مختلف صدارتوں کے ماتحت علاحدہ علاحدہ کمروں میں شروع ہوئے۔ شعبوں کی تقسیم یہ تھی:

(مصریات) (Egyptology) صدر پروفیسر اے ابو بکر (۲) سامیات (Semitic Studies) صدر ڈاکٹر اے فالکنسٹین (۳) ہٹیات اور کوشینین اسٹڈیز (Hitite & Caucasian Studies) صدر پروفیسر بورس پی اوٹ رودسکی (۴) الٹیک اسٹڈیز اور ترکولوجی (Altaic Studies Turcology) صدر پروفیسر ذکی بی توگان (۵) ایرانیات (Iranian Studies) صدر پروفیسر پورداؤد (۶) انڈولوجی اینڈ انڈس سٹڈیزیشن:

(۱) ویدک اسٹڈیز۔ صدر پروفیسر پال تھیے (۲) کاسیکل سنکرت۔ صدر پروفیسر ال اسٹرن پاش (۳) مذہب اور فلسفہ۔ صدر پروفیسر اولی ویرلاؤمب (۴) تاریخ اور کلچر۔ صدر پروفیسر اے ال بشام (۵) جدید ہندوستانی زبانیں۔ صدر پروفیسر ہرمن برجر۔

(۷) ساؤتھ ایسٹ ایشین اسٹڈیز۔ صدر پروفیسر بی۔ بی۔ زویٹ ملڈر (۸) مشرقی ایشیائی مطالعات۔ صدر پروفیسر کے اینوک (۹) اسلامیت۔ صدر ولفرڈ کیفول اسمتھ (۱۰) افریقیات۔ (افریکن اسٹڈیز) صدر پروفیسر اے ڈبلیو، بی پی

سب سے زیادہ مقالات انڈولوجی کے شعبے میں تھے۔ اس کے بعد اسلامیات کا نمبر تھا۔ اس میں جو مقالات پیش ہوئے اور پڑھے گئے، ان کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) جمہورۃ الاسلام شایز اری مختار الدین احمد علی گڑھ (۲) اسلام کے تہتر فرقے عبد العظیم علی گڑھ (۳) عربی زبان کے کچھ مسائل، اے ال الہندی ال آباد (۴) مرزا ابوطالب خاں انگلستان کا ایک ہندوستانی سیاح (۱۸۰۳-۱۷۹۹) ثروت علی، نئی دہلی (۵) ذوالقرنین ایس۔ اے علی دہلی (۶) مسلمانوں کے فلسفہ میں مسرت کا تخیل، عبدالحق انصاری، علی گڑھ (۷) موسوی خاں فطرت۔ محمد اظہر انصاری، ال آباد (۸) سلاطین دہلی کے عہد کے مشائخ کے ملفوظات کی تاریخی اہمیت۔ سید حسن عسکری، پٹنہ (۹) خلیفہ المعتمد کی فوجی اصلاحیں۔ ڈی ایالون، اسرائیل (۱۰) عیسائیوں کی تصانیف کے ذریعہ وٹلی عربی زبان کا مطالعہ ہے۔ بلاؤ، اسرائیل (۱۱) عہد وٹلی میں جلد سازی۔ گلنار کے بوش، امریکہ (۱۲) لاہور میں مسلمانوں کی قدیم ترین اثری یادگاریں۔ عبد اللہ چغتائی، لاہور (۱۳) عرب و ہند کے تمدنی تعلقات۔ پی، این چوپڑا، نئی دہلی



(۱۴) ماوہ کی ایک معاصر تاریخ مآثر محمود شاہی یوان ڈے، دہلی (۱۵) تھیوڈور میس: ڈی ایم۔  
 وٹلوپ، امریکہ (۱۶) جنگ صلیبی کے عہد کے عربی دینار۔ انڈریو ایس، اہرن کروٹیز، امریکہ  
 (۱۷) ہندوستان اور بحر روم کے درمیان تجارتی تعلقات کی عربی دستاویزات۔ ایس ڈی کوٹن،  
 امریکہ (۱۸) عربی کیمیا کی ہندوستانی اصل۔ محمد یحییٰ ہاشمی، شام (۱۹) معرفت الہی اور خواجہ بندہ نواز  
 احمد حسین خان، حیدرآباد (۲۰) لفظ اسلام اور مسلمان کے متعلق غلط فہمیاں، محمد اجمل خاں، دہلی  
 (۲۱) کتاب التاجی مؤلفہ ابو اسحق ابراہیم الصابی۔ محمد صابر خاں، جھارگراہم (۲۲) شاہ محبت اللہ  
 الہ آبادی اور تصوف۔ یوسف حسین خان، علی گڑھ (۲۳) حافظ احمد خاں۔ محمد یوسف کوکن، مدراس  
 (۲۴) یہ الہ اور عربی زبان کی خدمت۔ اے۔ پی۔ ابراہیم شیو، فیروک (۲۵) ابو علی الحجری اور اس کی  
 تصنیف کتاب التعلیقات و النوادر۔ ابو محفوظ الکریم معصومی، کلکتہ (۲۶) سیرت کے ماخذ کی حیثیت  
 سے مہد نبوی کی شاعرانہ ناقدانہ مطالعہ، ام۔ اے۔ معید خاں، حیدرآباد (۲۷) مغل حکمرانوں کی  
 سیاست پر نقشبندی اثرات۔ خلیق احمد نظامی علی گڑھ (۲۸) سلمان اور ایصال کا قصہ۔ ایس پائمن،  
 اسرائیل (۲۹) مسلمان اور مغرب کی لڑائیوں کے جغرافیائی اور سیاسی اثرات از ابراہیم ان پالی  
 اک، اسرائیل (۳۰) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ولادت اور وفات کی تاریخ کا  
 ناقدانہ مطالعہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن اعظم گڑھ (۳۱) غرۃ الکمال۔ غلام دستگیر، حیدرآباد  
 (۳۲) شاہ ولی اللہ اور مذہبی خیالات کی نئی تشکیل۔ غلام دستگیر رشید، حیدرآباد (۳۳) سولہویں اور  
 سترہویں صدی کے ہندوستانی مسلمانوں کی تحریک جدید۔ ایس۔ اے۔ اے۔ رضوی، الہ آباد (۳۴)  
 سندھ میں عربوں کے کارنامے۔ ایس۔ بی۔ بھدی، لکھنؤ (۳۵) مرہٹوں کے نظام عدل پر اسلام کے  
 اثرات ڈی۔ ان ساتھی پونہ (۳۶) مرزا سلیمان کے سیاسی قتل کی اہمیت۔ آر۔ ام۔ ساوری۔ کنیڈا  
 (۳۷) عربی زبان کے ضرب الامثال۔ سلیم، فنکفورٹ (۳۸) صحاح ستہ اور المعزی۔ عبدالصمد  
 شرف الدین بیہونڈی (۳۹) مولانا آزاد کی تفسیر کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات۔ ام۔ اے۔  
 صدیقی حیدرآباد (۴۰) حمی بن یقظان کی تالیف میں ابن طفیل کا مقصد۔ زڈا۔ اے۔ صدیقی، علی گڑھ  
 (۴۱) عربی زبان کی اہم کتابوں میں اقتصادی نظریے جوزف ڈی سوموگنی، کیمبرج (۴۲) جدید  
 عربی ادب میں سیف الیازتی کے مقام سے متعلق نئی روشنی۔ اے۔ ال۔ طباطبائی، ایشر، انڈیا  
 (۴۳) صغریٰ قزوینی کے سفر نامہ حج کا ایک نادر مصور قلمی نسخہ۔ پروفیسر سید نجیب الشرف ندوی، ممبئی  
 (۴۴) قرآن میں اسلام اور ایمان کا تخیل۔ ام۔ اے۔ روف کوالا پور، ملایا (۴۵) مرزا ابوبکر۔

ام۔ اے۔ صدیقی علی گڑھ (۴۶) عرب اور اس امید۔ مقبول احمد علی گڑھ (۴۷) ملایا میں اسلام۔  
ام۔ اے۔ رؤف، کوالا لپور، ملایا۔

معارف کے ناظرین کی دلچسپی کے لئے اور دوسرے مقالے جو مختلف شعبوں میں پیش کئے گئے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

الف۔ (۱) مصر کی قومی پارٹی میں محمد فرید کی قیادت کا جائزہ: مصطفیٰ کامل، بنو لولو، ہوائی  
(۲) مشرق قریب میں اطالوی فن تعمیرات: سباتینو مو۔ کاتی، اٹلی

ب۔ ٹرکولوجی (۱) ترک اور منگول سلاطین کے عہد کی نمائندگی: ایمل اسین، استنبول  
(۲) عبدالکریم پانسین کی ایک تصنیف: نورمن اٹزوویز، امریکہ (۳) اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز کا ایک عثمانی قانون نامہ: مصطفیٰ محمد، رومانیہ (۴) سترہویں صدی کی ترکی شاعری میں حافظ کے اثرات: نعیم الدین، ناگپور

ج۔ ایرانیات (۱) ایرانیات کے مطالعہ میں تبدیلی کی ضرورت: سہراب باٹلی والا، بمبئی  
(۲) فارسی کی لوک کہانیوں میں درویش کا حصہ: ال۔ ای۔ ویل۔ سنن، اڈنبرا (۳) اسلام سے پہلے کا ایران ابن خلدون کی نظر میں: والٹر جے فٹشل، برکلی، امریکہ (۴) بلوچی زبان کے جدید رجحانات: علی اکبر جعفری، طہران (۵) ہمایوں ایوان میں: معصوم رضا کاظمی، پٹنہ (۶) ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء کے درمیان ایران میں برطانیہ کی پالیسی: نیگی ارکڈی، سیمبرج (۷) تاجک اور فارسی زبانوں کی امتیازی خصوصیات: منیر ڈلورنر، برلن (۸) اردو شاعری پر رومی کے اثرات: اسد نعیم الدین ناگپور (۹) جدید فارسی میں افعال: ہربرٹ ایچ پیپر، امریکہ (۱۰) عمر خیام ایک فلسفی اور ماہر لسانیات کی حیثیت سے: ایچ۔ بی۔ پول۔ کرشن نگر (۱۱) فارسی ادب میں شعر و شاعری کی تنقیدات: فیض الرحمن علی گڑھ (۱۲) مشرقی روح کی بلندی: ایران کا ایک مطالعہ: میگل انزورومبر، میکسیکو (۱۳) ہرات کے سوال پر برطانیہ اور ایران کے تعلقات: بی۔ ان۔ ہنڈن، لکھنؤ (۱۴) مکران پر کچھ تاریخی روشنی: نذیر احمد، علی گڑھ (۱۵) ہندوستان کے مغل حکمرانوں کے عہد کا ایک فارسی شاعر: سید حسن، پٹنہ (۱۶) فارسی زبان میں ہندوستان کا ادب العالیہ: ہیرالال چوپڑا، کلکتہ (۱۷) شیخ عراقی ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے: وائی ڈی اہوجہ دہلی (۱۸) شمس تبریزی: بی۔ زیڈ فاروسفر، ایران (۱۹) فارسی لغت: ام میناوی، ایران (۲۰) ایرانی کھانے اے۔ ایچ۔ زرین کوب ایران

د۔ انڈولوجی (ہندوستانیات) (۱) دسویں صدی کے ایک ایرانی جغرافیہ نویس کی نظر میں

ہندوستان؛ بودھ پرکاش، چندی گڑھ (۲) پانچجلی یوگ سوتر اور البیرونی کا ترجمہ: لی کب لم اور اس  
پاکیز، اسرائیل (۳) گجرات کے عہد وسطی کی تاریخ نویسی کا پس منظر؛ سید اکبر علی ترمذی؛ نئی دہلی  
(۴) ماسٹر رام چندر؛ خواجہ احمد فاروقی، دہلی

۵ جنوری کو ساڑھے چھ بجے شام کو مندوین کی تفریح کے لئے ایک سنسکرت ڈرامہ اور  
رقص و سرود کا بھی سامان کیا گیا تھا، جن لوگوں کو اس سے دلچسپی تھی، وہ اس میں شریک ہوئے،  
۶ جنوری کو چھ بجے شام کو "انسانیت کی فلاح میں علوم مشرقی کا حصہ" کے عنوان پر ایک مذاکرہ تھا،  
۹ جنوری کو "مسلمانوں کے پرسنل لاء میں تبدیلیاں" پر بھی ایک مباحثہ تھا، جس میں (۱) مولانا سعید  
احمد اکبر آبادی، علی گڑھ (۲) جناب سیف اللہ اسین سفیر ترکی (۳) جناب احمد حسن الفیلی سفیر متحدہ  
عرب جمہوریہ (۴) پروفیسر سید حسین نصر، ایران (۵) پروفیسر سببان ڈی اینڈرسن (۶)  
میر اقبال حسین (۷) مولانا فضل الرحمن (۸) پروفیسر محمد اجمل خاں (۹) اور خواجہ محمد احمد نے حصہ  
لیا، مذاکرہ کی بحث سے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں قرآن اور حدیث کی  
رو سے صرف علماء ہی کے ذریعہ سے تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس اجلاس کو ساڑھے بارہ بجے  
جناب ہمایوں کبیر صاحب کی طرف سے الوداعی دعوت تھی، پھر ڈھائی بجے سے پانچ بجے تک مختلف  
کمیٹیوں کی رودادیں پیش کی گئیں۔

کانگریس کی طرف سے اہم اور نادر دستخطات کی نمائش بھی تھی، عربی میں حسب ذیل  
کتابیں قابل ذکر ہیں:

- (۱) کلاس پاک کا آٹھویں صدی عیسوی کا ایک نسخہ، مخزنہ و کتابخانہ روزنامہ نئی دہلی (۱۰۱۱)
- الکافی (فقہ حنفی) مصنف ابوالفضل محمد بن محمد، کاتب احمد بن محمد بن احمد الدرامغانی الانصاری ۱۷۱ھ  
(۱۰۲۷ء) مخزنہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد (۳) النکتہ والعیون (تفسیر) مصنف ابوالحسن علی  
ابن محمد بن حبیب البصری (۳۵۰ھ - ۱۰۵۸ء) کاتب جعفر بن علی بن ابی محمد - مخزنہ رضا لائبریری  
راپور (۴) معونۃ المعین المختصر من سیاست الدنیا والدین (سیاست اسلامی) مصنف یوسف بن  
محمد بن اسحاق الخراسانی، مخزنہ سالار جنگ میہ زیم، حیدرآباد، اس پر شاہنشاہ اور مغل امراء کی تہریں  
بھی ہیں (۵) کتاب الفصول (طب یونانی) مصنف ابو عبد اللہ ۶۰۱ھ - ۱۲۰۳ء) کاتب یوسف  
بن عبد اللہ مخزنہ رضا لائبریری، رام پور (۶) کتاب المختصر فی فنون من الصنائع (صنعت) مصنف  
محمد بن قوامی بن صفی بن محمد نیا ترک ناگوری عرف قاضی خاں (۸۷۷ھ - ۱۲۷۲ء) مخزنہ اسٹیٹ

سنٹرل لائبریری، حیدرآباد (۷) فتاویٰ البیرانیہ (فتاویٰ) مصنف عبدالوہاب بن یزید بن ابی سعید البیرونی، مخزنہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (۸) الاختصار والتجريد (حدیث) مصنف ابو عبد اللہ محمد بن عثمان بن عمر الشافعی، مخزنہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ

فارسی مخطوطات میں دیوان حافظ، گلستاں، بوستاں، دیوان شمس تبریزی، دیوان رانی خسروخان (ازایہ خسرو) آئین اکبری، شاہ جہاں نامہ، پادشاہ نامہ، طب شفا، محمود شاہی کے نادر نسخے تھے، مصور نسخوں میں انوار سہلی، بابر نامہ اور تاریخ خانہ ان تیموریہ قابل ذکر ہیں، جن میں اکبری عہد اور جہانگیری عہد کے مصوروں کی تصویریں تھیں، ان مخطوطات میں تزک جہانگیری کا وہ قلمی نسخہ بھی تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خود جہانگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

دہلی میں انڈین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کا ایک اہم ادارہ قائم ہوا ہے جس کے سرپرست اور روح رواں حکیم عبدالحمید صاحب مالک ہمدرد و احسانہ ہیں، اس کی طرف سے بھی ایک نمائش تھی، جس میں ان عمارتوں کا خاکہ دکھایا گیا تھا جو اس ادارہ کے لئے آئندہ بننے والی ہیں، پھر بہت سے قلمی نسخے بھی خوبصورتی سے سجے ہوئے رکھے تھے، ان میں ترجمہ تفسیر طبری از ابو بکر محمد بن فضل الامام کا ایک قدیم نسخہ چوتھی صدی ہجری کا تھا، احیاء العلوم کا ایک نسخہ ۵۳۲ھ کا مخطوط تھا اور آج جامی کے ایک قلمی نسخہ پر شاہ جہاں اور اس کے جانشینوں کی شاہی مہریں تھیں، مرزا صاحب کے شاگرد قاسم نامی کی رباعیوں کا ایک مجموعہ بہت ہی خوشخط لکھا ہوا تھا، ہری سکھ رائے بن دیون داس کی تاریخ مجموعہ الاخبار کی تین جلدیں بھی تھیں جس میں ہندوستان کے مغل حکمرانوں کے حالات ہیں۔

(معارف جلد ۹۳ شمارہ ۲ بابت ماہ فروری ۱۹۶۳ء)

# مؤتمر مستشرقین عالم امریکہ میں

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

**تمہید** مجھے خیال پڑتا ہے کہ معارف نے سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۲ء میں ”اٹھارہویں مؤتمر مستشرقین عالم، ترجمہ از فرینچ شکیب ارسلان“ کے عنوان سے اس ادارے کی سرگرمیوں سے اپنے ناظرین کو روشناس کرایا تھا، یہ میری طالب علمی اور نوجوانی کا زمانہ تھا، اس کے بعد سے بارہا اس مؤتمر کے اجلاسوں کی کاروائی پیش کی جاتی رہی، گزشتہ اجلاس تو دہلی میں ہونے کی وجہ سے اہل ہند اب اس سے خوب واقف ہو چکے ہیں۔

اب کی دفعہ سٹامیسواں اجلاس امریکہ کی دعوت پر چیکن یونیورسٹی میں ہوا ہے جو آن آر بور نامی شہر میں ممالک متحدہ اور کنیڈا کی سرحد پر واقع ہے، اس بلد الجامعہ کا مطار بس میں ایک گھنٹے کے سفر پر شہر ڈیٹرائٹ میں واقع ہے جو موٹر سازی کا مرکز اور ابھی چند روز قبل گورے کالے بنگالے میں اس بری طرح تباہ ہوا ہے کہ اربوں روپے کی جائداد آتشزدگی کے جنون کے نذر ہوئی ہے۔

مجھے اس سب سے ”مہذب“ ملک کا انتظام پسند نہ آیا، اگر شخصی مسئلے کو نظر انداز بھی کر دوں کہ جامعہ چیکن کا دعوتی ہونے کے باوجود مجھے ویزا ملنے میں چھ ہفتے کا انتظار کرنا پڑا (اور سفر سے اڑتالیس گھنٹے پہلے تک خبر نہ تھی کہ اجازت ملے گی یا نہیں) یہ امر قابل ذکر ہے کہ مؤتمر کا افتتاحی اجلاس ۱۳ اگست کو ہو گیا، اور ہمیں دعوت دہندہ جامعہ کی طرف سے مہیا کئے ہوئے خصوصی طیارے میں اس اجلاس کے ختم ہونے کے بعد آدھی رات کو پہنچایا گیا، (حالانکہ ابتدائی اطلاع یہ تھی کہ ہم اجلاس سے قبل کی رات کو پہنچیں گے، پھر بلا اطلاع ہوائی کمپنی نے تاریخ بدل دی) اسی طرح پارلیس سے دو خصوصی طیارے مقرر کئے گئے، پھر بکثرت لوگوں کو یہ اطلاع دی گئی کہ جگہ نہ ہونے کے باعث ان کو طیارے میں نشست نہیں مل سکتی اور بالآخر روانہ صرف ایک طیارہ ہوا

یہ ہے شتہ نمونہ از خروارے، خیر۔

ہمارے پان امریکن کمپنی کے طیارے میں ایک سوسائٹھ مسافر تھے، یہ طیارہ پارلیس سے شام کے ساڑھے پانچ بجے اڑا، (پارلیس میں ان دنوں آٹھ بجے غروب آفتاب ہوتا ہے) چونکہ مغرب کی سمت میں جا رہے تھے اور طیارے کی رفتار چھ سو میل فی گھنٹہ اور بلندی ماؤنٹ ایوریسٹ سے بھی اونچی تینتیس ہزار فٹ پر تھی، نتیجہ یہ ہے کہ آفتاب نے ڈوبنے کا گویا نام ہی نہ لیا، جب ہماری گھڑیوں میں ”آدھی رات کے بعد دو بجے تھے کہ طیارے میں سے سورج ڈوبتا نظر آیا، اگر کوئی شخص روزہ ہوتا تو عری کے بعد افطار تک چوبیس گھنٹے ہو جاتے، (اگر افطار مقامی غروب کے حساب سے کیا جائے) حزیق آدھ گھنٹہ بعد مطار پر اترے تو معلوم ہوا کہ مقامی وقت مغرب کے ساڑھے نو بجے ہیں، واپسی میں مشرق کی طرف پرواز کرنی ہے، اس لئے رات کے دس بجے اڑنے پر دو تین گھنٹے بعد آفتاب طلوع ہو جاتا ہے، اور کل دس گھنٹوں کی پرواز کے بعد امریکا کے حساب سے تو رات ہی کو، لیکن پارلیس میں دوپہر سے کچھ پہلے پہنچتے ہیں، نماز اور روزے کے اوقات کا کوئی حل ہمارے فقہا کو نکالنا ہوگا۔

جاتے وقت مختلف جزیروں وغیرہ کے علاوہ ایک مرتبہ ہماری توجہ اس پر منعطف کرائی گئی کہ ہمارے نیچے سمندر میں چار چار آنسرگ (برف کے پہاڑ) تیر رہے ہیں کوئی چھ سو میل کی بلندی پر سے یہ ایک متوسط قد و قامت کے جہاز کی طرح نظر آ رہے تھے، اور سفید چمک رہے تھے۔ سفر اگرچہ پارلیس سے شروع ہوا، لیکن سارے مسافر فرانس کے باشندے نہ تھے، ان میں مختلف ملکوں کے فرنگیوں کے علاوہ متعدد ہندوستانی (جن میں ایک گیروے لباس میں بدھ مت کے لاما بھی تھے) مصری، لبنانی، مراکشی وغیرہ بھی سوار تھے۔

**جامعہ چکیکن** | جامعہ چکیکن جو شہران آربور میں واقع ہے، ممالک متحدہ امریکہ کی قدیم اور بڑی جامعات میں سے ایک ہے، اور موثر مستشرقین عالم کے اجلاس کے لئے اس کا انتخاب بتاتا ہے کہ ملک میں اس کا کیا پایہ ہے، یہاں کچھ نہیں تو سو سال سے علوم مشرقیہ سے دلچسپی لی جا رہی ہے، وہاں کے ذیل کے شعبے اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔

(۱) مشرق قریبہ کی زبانیں اور ادبیات، جو عملاً عربی اسلام کے متعلق ہے اور مراکش سے

بغداد تک کے رقبہ کی قدامت و معاشرت پر حاوی ہے۔ (۲) جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے

مسائل کا مرکز، ایران، افغانستان، براعظم ہند، ملایا اور انڈونیشیا کے ذریعہ سے عجمی اسلام سے

اختصاص رکھتا ہے۔ (۳) روسی اور مشرقی یورپ کے مسائل کا مرکز ضمناً ہی سہی ترکی اسلام سے متعلق ہے، ان کے علاوہ قانون، موسیقی، جغرافیہ و خراط (نقشہ ہائے ممالک) حتیٰ کہ نباتات اور آبی وسائل (مچھلی، پٹرول) وغیرہ کے شعبوں میں بھی مسلمانوں کے وطن سے بڑی بحث ہوتی ہے، مثال کے طور پر ڈاکٹر اسٹیورات نے چالیس سال تک راویلینڈی کے گورڈون کالج میں نباتات کا پروفیسر رہنے کے بعد اپنی آخری زندگی چیکین ہی میں شعبہ نباتات میں لٹریچر، اور وہاں کے ذخیرہ نباتات کو ہمالیہ اور ہمالیہ تلے کے بے شمار پودوں کے اضافے سے ترقی دی۔

یہاں کا شعبہ تعلیمات و تقابلی طریقہ تدریس بھی قابل ذکر ہے، اس کی بہ کثرت سرگرمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بمبئی اور بزودہ کے اساتذہ تعلیمات چیکین بلائے گئے اور ان کی جگہ چیکین کے اساتذہ بمبئی اور بزودہ میں کام کرنے لگے، اس طرح کا کام لبنان اور ازبکستان جیسے اسلامی علاقوں میں بھی ہوا، ازبکستان کے متعلق شائع شدہ رپورٹوں سے واضح ہے کہ روسیوں نے وہاں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے اور اہل ملک وہاں بیسویں صدی کی صنعت اور آلات وغیرہ اور نیز زراعت میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ اسے انقلاب انگیز کہا جاسکتا ہے اس شعبے کی سرگرمیوں کا منشا زیادہ تر بیرونی ممالک کے متعلق معلومات جمع کرنا ہے، جسے کوئی چاہے تو جاسوسی کہہ سکتا ہے۔

یہاں کے عجائب خانوں اور کتب خانوں میں بھی اسلامیات کا کافی ذخیرہ ہے، اگرچہ مخطوطات میں کوئی خاص نوادر نہیں ملتے ہیں، یہاں کی انجمن شرقیات (ایسوسی ایشن فار ایشین اسٹڈیز) بھی قابل ذکر ہے جو خود بھی کتب و رسائل چھاپتی ہے اور تنگدست علما کو تالیفیں چھاپنے میں مانی مدد بھی کرتی ہے اور آخر میں یہاں کے مسلمان طلبہ کی ایک بڑی انجمن ہے، اس کے پاس ایک بڑی عمارت ہے، جس میں ایک مسجد بھی ہے۔

**شرکاءے موتمر** تقریباً پچاس ملکوں سے کوئی ڈھائی ہزار عورت مرد اہل علم نے شرکت کی اطلاع دی، لیکن یہ کہنا مشکل ہے کتنے لوگ حقیقت میں آئے، مثلاً فہرست میں لبنان سے صلاح الدین المسجد کا ذکر تھا، مگر وہ نظر نہ آئے، دارالمصنفین کے فاضل و عزیز محترم مولوی صباح الدین (۱) کا اور میرا مقالہ دونوں ایک ہی وقت میں تھے میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ تشریف لائے یا نہیں، جم غفیر میں وہ نظر تو نہ آئے، ممالک متحدہ امریکہ اور کینیڈا میں متوطن یا ملازم مسلمانوں میں اب کافی اہل علم

(۱) - معارف: اپنا مقالہ بھیج دیا تھا خود نہیں گئے تھے۔

نظر آتے ہیں، مثلاً کنیڈا سے آنے والوں میں عزیز احمد، محمد انوار الحق اور ایک احمقانہ نام والے "عبدل ایس سیرت" (شاید عبدالسلام کی خرابی ہے) فہرست میں نظر آئے، انوار الحق صاحب مدراس کے مشہور ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کے فرزند ہیں، جب ولایت میں تعلیم پارہے تھے تو بڑی دائرہ کیساتھ باپ کے موہوتے، کنیڈا میں ان کی بیوی پروفیسر ہیں اور یہ خود تعلیم پارہے ہیں، افغانستان سے آنے والوں کی فہرست میں میان محمد سعید کا ذکر ملا، فرانس سے کچھ نہیں تو نصف درجن مسلمان آئے، لیکن ان سارے فرنگستانی مسلمانوں میں نو مسلم میرے علم میں نہ آئے، صرف ایک جرمن کے متعلق نجی اطلاع ہے کہ وہ کبھی کبھی جمعہ اور عیدین میں نماز میں شرکت کے لئے آجاتے ہیں، اگرچہ اپنے اسلام کا انہوں نے کبھی زبان سے اقرار نہیں کیا ہے، البتہ ایک فرانسیسی خاتون نے اقرار کیا کہ وہ مسلمان ہو چکی ہیں۔

پاکستان سے تو خیر مسلمان ہی آسکتے ہیں، لیکن ہندوستان سے دلی اور علی گڑھ وغیرہ سے کئی مسلمان آئے تھے اور ملاقات بھی ہوئی، بمبئی کے ڈاکٹر حسین ہمدانی مرحوم کے فرزند عباس ہمدانی بھی اپنی بیوی کے ساتھ آئے تھے، موروثی شغف فاطمیات کے متعلق جاری ہے۔

حیرت اس پر ہوئی کہ مالیزیا سے آنے والوں کی کافی اچھی فہرست میں سب کے سب چینی تھے، ایک بھی مسلمان کا نام نظر نہ آیا، اور اس پوچھ حیرت تو نہیں دل کی سوزش ضرور ہوئی کہ حالیہ ہنگاموں سے قبل کے اسرائیل میں لاکھوں ہی مسلمان تھے، لیکن ان میں سے کوئی علما کی صف میں نظر نہیں آتا کہ موتمر مستشرقین کے لئے آئے، ان بیچاروں کا روزگار تو خاکروبی اور جمالی رہ گیا ہے، اللہ ان پر رحم فرمائے۔

روس کی سیاست میں بھی کافی انقلاب ہو گیا ہے اور وہاں کے بڑے سرکاری وفد میں بہ کثرت اسلامی نام ملے، اور ان کے القاب میں "روسی اکادمی علوم کارکن" بتاتا ہے کہ بڑے پائے کے لوگ ہیں، البتہ اکثر کے مقالوں میں عصر جدید کا عنصر زیادہ تھا، گویا "علم کی خاطر علم" سے کہیں زیادہ سیاست اور ملکی پالیسی کی خدمت پیش نظر معلوم ہوئی، مگر دم آخر روس نے حالیہ فلسطینی بینک کے باعث موتمر کا مقاطعہ کیا اور روس سے کوئی نہیں آیا۔

یہ بات اتنی بری نہیں جتنی کانفرنس کے سربر آوردہ اور کرتا دھرتا "برادران یوسف" کا یہ روتخان کہ سمنانوں کو تاریخ میں ظالم ہونا عربوں اور ترکوں کے جھگڑے کو تازہ اور تیز کرنا اور یہ سب باد مقدسہ کی تازہ تھیس کی اداست کی کوشش میں۔



**مہمان نوازی کا انتظام** | امریکی مہمان نوازی واقعی یورپ کے مقابل بہت بہتر رہی، جامعہ کے طلبہ کے گھر میں جتنے لوگ سما سکتے تھے، (اور کئی سو لوگ وہاں رہ سکتے ہیں) ان کو رہائش اور خوراک مفت رہی، اور ٹیچنگ سے واشنگٹن اور نیویارک نہ صرف مفت لے جایا اور وہاں پھرایا گیا بلکہ وہاں کا ہفتہ بھر کا قیام بہت اچھے ہوٹلوں میں مفت ہی رہا (بجز خوراک کے) حسب معمول ضیافتیں، ریسپشن، ٹیچنگ کے گورنر کی آمد اور خیر مقدمی تقریر، اقوام متحدہ کی طرف سے بھی خیر مقدم عمل میں آئے۔

لیکن شروع میں کہا گیا تھا کہ موتمر کے انعقاد کے وقت سارے مقالوں کے خلاصے، ایک ایک صفحے پر، کتابی صورت میں چھاپ کر مفت بانٹے جائیں گے، تاکہ ارکان ان کا سرسری مطالعہ کر کے جس مقالے کو چاہیں اپنی شرکت کے لئے منتخب کر سکیں، اور یہ کہ کامل مقالے بعد میں چھاپے جائیں گے، اور موتمر کے ارکان کو حسب عادت مفت مہیا کئے جائیں گے، پھر جب اجلاس شروع ہوا تو اطلاع دی گئی کہ بیچارہ امریکہ اتنا غریب ہے کہ مقالوں کے خلاصے چھاپ نہ سکا، اور سارے مقالوں کو بھی چھاپنے سے قاصر ہے، صرف ایک ایک صفحے کے خلاصے آئندہ اجلاس تک چھاپ کر شائع کئے جائیں گے، اور اگر کوئی صاحب اپنا مقالہ یا اس کا ملخص کہیں اور چھاپ لیں، تو پھر "بخوشی" اس کا خلاصہ بھی اس رونداد کی جلد سے حذف کر کے وہاں صرف حوالہ دے دیا جائے گا کہ فلاں جگہ چھپا ہے۔ وجہ؟ بتایا گیا کہ مصارف طباعت زیادہ ہیں، اور یہ امریکہ کی استطاعت سے باہر ہے۔

قبل اس کے کہ موتمر کے مقالوں کا ذکر کروں، امریکہ میں اسلام کے متعلق کچھ مشاہدات عرض کروں گا۔

**امریکہ میں اسلام** | ممالک متحدہ امریکہ میں کہتے ہیں کہ دو ہزار جامعات ہیں، سرکاری بھی، نجی لوگوں کی بھی، مجھے شروع میں یقین نہ آیا، لیکن جب یہ دیکھا ایک شہر واشنگٹن میں جس کی آبادی آٹھ لاکھ سے بھی کم ہے، پانچ یونیورسٹیاں ہیں، تو دو ہزار کی تعداد کو قریب قیاس ماننا پڑا، امریکہ میں یہ قانون ہے کہ طلبہ کے ہر گروہ کو دینی اور ثقافتی سہولتیں بہم پہنچانی جائیں، چنانچہ جس جامعہ میں مسلمان طلبہ ہوں وہاں انجمن طلبہ کے مکان میں ایک گروہ مسلمانوں کو بھی ملتا ہے جسے وہ عام طور پر نماز گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، آن آر بور کی جامعہ ٹیچنگ میں سات آٹھ مسلمان طلبہ معلوم ہوئے، یہ اپنی "مسجد" میں جمعہ کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور باری باری سے ہر طالب علم

خطیب و امام بنتا ہے، یہاں اور کنیڈا میں بہ کثرت جامعات میں مسلمان اساتذہ بھی نظر آتے ہیں۔ مسلمان طلبہ کی تعداد کم ہے اور سارے ملک میں منتشر ہیں، اس کا درماں یہ کیا گیا ہے کہ ”وفاق مسلم طلبہ ممالک متحدہ و کنیڈا“ کے نام سے ایک مرکزی انجمن بنائی گئی ہے اور ہر سال اس کا کسی نہ کسی جامعہ میں اجلاس ہوتا ہے، امریکہ کی آب و ہوا میں عملیت و حرکت ہے، الحمد للہ یہ انجمن بھی کافی کار گزار ہے، مالی وسائل بھی ہیں، کتابیں رسالے بھی چھپتے ہیں، ان انجمنوں کے سربراہ یا تو عرب طلبہ ہوتے ہیں (زیادہ تر شامی) یا پھر ہمالیہ تہ کے براعظم کے دیگر ممالک کے مسلمان طلبہ، خاص کر سیاہ فام طلبہ ابھی کم نظر آتے ہیں۔

امریکہ میں گوری ماؤں کو بچے کم ہوتے ہیں، کالی رعیت کی تعداد قدرتی طور پر بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے، چھ سات بچے، اوسط تعداد ہیں، گوروں کالوں کی کشمکش کی تہ میں ایک راز یہ بھی ہے، اسی لئے حکومت سارے وسائل سے کوشش کر رہی ہے کہ باہر سے آنے والے سف گورے ہوں اور بہ کثرت ہوں جب انسان صریحاً نا انصافی کرتا ہے تو قدرت بالواسطہ کوئی اور تدبیر کر لیتی ہے۔

ہر فرنگی ملک کی طرح امریکہ میں بھی اسلام اب کافی تیزی سے پھیل رہا ہے، صوبہ چیکین میں پانچ مسجدیں ہیں، خاص کر شہر ڈیٹرائٹ کی مسجد میں کچھ نہیں تو دو ہزار کی جماعت ہو سکتی ہے۔ گوروں کالوں کی کشمکش دو دھاری تلوار ہے، اس سے کالوں کو عیسائیت سے نفرت اور اسلام کی طرف کشش بڑھ رہی ہے، امریکہ میں کچھ نہیں تو پندرہ فی صد آبادی سیاہ فام ہے، (بعض صوبوں میں ان کی اکثریت بھی ہے، چیکین میں وہ تہائی تک پہنچ گئے ہیں) ان سیاہ فاموں کو ایک زمانے میں جبراً عیسائی بنالیا گیا تھا، اب ان میں سے دو تہائی دو بارہ مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن نسلی جھگڑوں کے باعث بارہا کالے مسلمانوں کی انجمنوں بلکہ مسجدوں میں بھی گورے مسلمانوں کا داخلہ بند ہے، گورے مسلمانوں میں بھی مماثل برائی نظر آتی ہے، اور اس کا حل اس وقت تک مشکل ہے، جب تک کہ نسلی کشمکش کا سیاسی حل نہ نکل آئے، اس حل میں اسلام بیشک ہاتھ بٹا رہا ہے، لیکن نسلی کشمکش صحیح اسلام کے پھیلنے میں ایک رکاوٹ بھی بن گئی ہے۔

امریکہ بڑا کٹر دین پرست عیسائی ملک ہے، عیسائیت کی تبلیغ پر جتنی دولت وہ صرف کرتا ہے، وہ سہق آموز ہے۔ اپنے قیام کے زمانہ میں واشنگٹن اور نیویارک میں نے دیکھا کہ ٹولوں کے ہر ہر کمرے میں میز کے خانے میں جہاں کچھ اسٹیشنری کا غذائے اور اشتہار ہوتے

ہیں، وہیں بائبل کا ایک نسخہ بھی ہوتا ہے کہ مسافر اس کا مطالعہ کرے، عموماً امریکی بائبلوں کے شروع میں ایک انڈکس (اشاریہ) بھی ہوتا ہے کہ عیسائیت کی اچھی تعلیمات کن کن صفحات میں ہیں، مہتمر مستشرقین کے ارکان کو ایک رات ایک فلم دکھائی گئی "یمن، حضرت موت اور مستقط و عمان کے آثار قدیمہ" ان کھنڈروں کو کھودنے والوں کے ساتھ بتایا گیا کہ ہمیشہ مشنری ڈاکٹر بھی ہونے میں امریکا مقامی آبادی کا مفت علاج بھی کرتے ہیں اور ان کو باور کراتے ہیں کہ یہ طبیعتی علم و حکمت کی عیسائی مذہب کی وجہ سے ہے، (اور غالباً انفرادی تبلیغ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ بیماری مسلمان ہو کر نہ کی جاتی ہے)۔

نیویارک میں مسلمانوں کے متعدد بلکہ بہ کثرت ادارے ہیں، "اسلامک سینٹر" جزیرہ ماہرائن میں دریا کنارے پر فضا ستقام پر ہے اور اس کا امام ازہر (مصر) کی طرف سے آتا ہے، ڈاکٹر محمد عبدالرؤف ازہر کے بھی تعلیم یافتہ ہیں، اور کیمبرج ولینڈن کے بھی سندھیانت، وہ ہر دلعزیز ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ آج کل عید کی نماز کسی ہوٹل کے بڑے ہال میں پڑھی جاتی ہے، لیکن اب ایک مسجد کے لئے زمین خریدنے کا انتظام ہو گیا ہے، "اسلامک مشن" بروکلین کے محلہ میں ہے، جسے ایک مغربی مہاجر (بظاہر طرابلس الغرب والے) اپنے مصارف پر چلا رہے ہیں، کئی منزلہ مکان ہے، جن میں ایک بڑی مسجد بھی ہے، ایک ماہوار رسالہ بھی نکالتے ہیں کہ رہے تھے کہ پچھن سال سے مقیم ہوں جب یہاں آیا تو نسلی کشمکش اتنی شدید تھی کہ ایک دن برسراہ میری ہر چیز لوٹ لی گئی اور ننگ دھڑنگ ایک میل پیدل چل کر گھر واپس آیا اور پولیس نے دخل دہی غیر ضروری خیال کی، کوئی پچاسی سالہ یہ شیخ اب بھی تو مند اور سرگرمی سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔

فرانس میں اسلام زیادہ تر تصوف کی راہ سے پھیل رہا ہے، تو امریکہ میں میرے ملاحظوں کے بیان کے مطابق عقل کی راہ سے۔ لیکن ہر جگہ ناصح بے عمل سے زیادہ مہتمر کوئی مسلح نہیں پایا گیا۔ امریکہ میں عجائب خانوں اور کتب خانوں میں اسلامی چیزوں کی کمی نہیں اور وہ ہر جگہ بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے، واشنگٹن میں "لابریری آف دی کانگریس" کہتے کہ تو پارلیمنٹ کا جز اور ارکان پارلیمنٹ کے استفادہ کے لئے ہے، لیکن وہ ہر شخص کے لئے کھلی ہوئی ہے وہاں اب کتابوں رسالوں وغیرہ کی تعداد چون بلین سے پہنچا ہوا ساڑھے پانچ کروڑ ہو گئی ہے، اور وسیع عمارتیں ناکافی ثابت ہو گئی ہیں، اب ایک تیسری بڑی عمارت بن رہی ہے، اس میں اردو کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، میں نے تراجم قرآن مجید کے سلسلے میں یہاں کچھ تلاش کی تو انڈونیشیا، بنگال

وغیرہ کے متعدد تازہ ترین تراجم کا پتہ چلا، جن سے میں واقف نہ تھا، واشنگٹن کی مسجد جسے مسلمان ممالک کے سفیر چلاتے ہیں، بہت خوبصورت ہے، ساتھ ہی ایک مختصر دارالمطالعہ بھی ہے، پاریس کی طرح یہاں بھی مسلمانوں سے زیادہ سیاح تفریح کے لئے آتے ہیں۔

امریکہ میں یہودیوں سے نفرت بڑی شدید ہے (لیکن وہ تجارت، صنعت، صحافت وغیرہ پر چھائے ہوئے ہیں) اور امریکہ ان کی تائید بہ ظاہر اس لئے کر رہا ہے کہ وہ امریکہ چھوڑ کر فلسطین یا کہیں اور جا بسیں اور ان سے پیچھا چھوٹے۔

ایک عجیب و غریب معاملہ یہ مشاہدے میں آیا کہ امریکہ والوں کو یا تو سیاست و دفتریت سے دلچسپی ہے یا تجارت سے، کم ہی لوگ اعلیٰ تعلیم پاتے ہیں، اساتذہ اور بڑے انجینئرز بہ کثرت باہر کے مستعار یا تازہ وارد لوگ ہیں، بیرونی زبانوں ہی کے لئے نہیں عام علوم کے لئے بھی مختلف ممالک کے مسلمانوں اساتذہ جا بجا جامعات میں ملتے ہیں (بندوبھی ہیں) یہ چیز ممالک متحدہ امریکہ میں بھی ہے، کنیڈا میں بھی، جنوبی امریکہ میں بھی آزاد پیشوں میں ڈاکٹروں کی بھی بڑی مانگ ہے، اور ان میں بھی بہت سے مسلمان نظر آتے ہیں۔

موتمر مستشرقین کی علمی کارکردگی | ستائیسویں بین الممالک موتمر مستشرقین اگست

۱۹۶۷ء کی (۱۳) سے (۱۹) تک شہر آن اور بور میں منعقد ہوئی، چونکہ کوئی ڈھائی ہزار اہل علم کا مجمع ہو گیا تھا، اس لئے تقسیم کار کی ضرورت تھی، یہ تقسیم کچھ زیادہ علمی نہ تھی بلکہ بے تکی سی معلوم ہوتی تھی، چنانچہ

شعبہ (۱) مشرقی قریبہ (۲) مشرق قریبہ اور عالم اسلامی (۳) جنوبی ایشیا قدیم زمانے میں (۴) جنوبی ایشیا جدید زمانے میں (۵) جنوب مشرقی ایشیا (۶) چین قدیم (۷) چین جدید (۸) جاپان (۹) کوریا (۱۰) وسطی ایشیا اور آلتائی (ترکی) امور (۱۱) اجتماعی مباحث (آبادی، فنون لطیفہ، دفتریت، مغربی تہذیب کا اثر مشرقی قوموں پر، موسیقی، قدیم امریکہ کا تعلق مشرق سے، کتب خانے، زراعت کی اصلاح مشرق میں، ادبیات میں انقلابی رجحانات، مشرقی علوم کے مطالعے کے ادارے مختلف ممالک میں وغیرہ)۔

ان میں سے نمبر ۱۲ اور نمبر ۱۰ کو غالباً سیاسی مصلحت سے جدا کیا گیا تھا، حتیٰ کہ ان کے اجلاس بھی الگ الگ عمارتوں میں رکھے گئے، جن میں باہم میل بھر کا فاصلہ تھا، نمبر ۳ میں بندوبہتان اور نمبر ۴ میں انڈونیشیا، مالا یا سے بھی اسلام کو گہرا تعلق ہے مگر انہیں الگ کیا گیا تھا، اسلام کی اہمیت

گھٹانے کی اس کوشش میں اس کی اہمیت بڑھ ہی گئی کہ ایک کی جگہ کئی شعبوں میں زیادہ تر اسلام ہی کا ذکر تھا۔

یہی نہیں ہر شعبے کے ذیلی شعبے بھی تھے اور سب بہ یک وقت جمع ہوتے تھے، مثلاً شعبہ دوم کو بتیس ذیلی شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم لوگوں کے مقالے کوئی شخص سن سکتا تھا۔

اسلامیات پر مقالے مسلمانوں ہی نے نہیں غیر مسلم اہل علم نے بھی پڑھے، ایک ہزار نہیں تو کئی سو مقالے اسلامی دلچسپی کے تھے، سب کی تفصیل افسوس ہے کہ ممکن نہیں، کچھ مقالے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر تھے، تو کچھ مسلمانوں کی تاریخ و تمدن کے متعلق، اسی طرح مسلمانوں کی بستیوں اور ملکوں کی پرانی تاریخ پر حتیٰ کہ جس چیز کو مثلاً خالص یہودی تصور کیا جاتا ہے، اس سے بھی مسلمانوں کو گہرا تعلق ہے، مثلاً ”حضرت سلیمان کے نظم و نسق کی بعض تفصیلیں“۔

نمونہ از خروارے چند، مقالوں کے عنوانوں کا ذکر کرتا ہوں، خدا ہی بہتر جانتا ہے یہ کب اور کہاں چھپیں گے۔

شعبہ اول: (۱) معزز جیگ (ترکی): استانبول کے عجائب خانوں میں مسامری کتبوں کا ذخیرہ (۲) مائکل روٹن (امریکہ): دریاؤں کا اثر عراقی تمدن پر (۳) ماری لویز بول (ڈانمارک) خرپہ سیلون میں ڈانمارکی آثار قدیمہ کی کھدائیاں (۴) ماری لویز شوموں (فرانس): ساسانی دور کے ماتحت بادشاہ و حکمراں حیرہ وغیرہ میں (۵) صبری تبریزی: شیطان اور شریرانی خرافات میں (۶) نیڈلر (کینیڈا): وادی حلفاء کے قریب جبل شیخ سلیمان کی چٹانوں پر چند قدیم کندہ تصویریں (۷) فرکوٹر (فرانس): نوبیہ میں فرانسیسیوں کی آثار قدیمہ کی کھدائیاں (۸) پرائز (انگلستان): عربوں کی تاریخ نویسی قبل اسلام میں (۹) رابرٹ اسمتھ (امریکہ) فخل (اردن) میں آثار قدیمہ کی کھدائیاں (۱۰) شیشمان (فرانس): حضرت عزیر اور قرآنی آیت قالت الیہود عزیر ابن اللہ

شعبہ دوم: (۱) سید حسین نصر (ایران) شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کی کتابیں (۲) برمان (امریکہ) ارسطو کی کتاب اخلاق کا اثر قدیم عربی کتب فلسفہ پر (۳) اینڈریس (جرمنی) یونانی سے عربی میں ترجمہ اور عربی اصطلاحات فلسفہ (۴) تخمین یازبچی (ترکی) عبداللہ انصاری کی ایک گنام تالیف (۵) محمد باقر (پاکستان) قدیم زمانے میں فارسی کی ترقی، ہمایہ تلے کے براعظم میں (۶) احمد برکات (سوئزر لینڈ) ہندوؤں کا حصہ فارسی نثر نگاری میں (۷) ٹائفل (بلجیم) عربی

معاهدات لسانیاتی نقطہ نظر سے (۸) نہاد چیتن (ترکی) زوزنی کی حماسۃ النظر فاء (۹) ہائزیکس (جرمنی) ثعلب کی کتاب قواعد الشعر (۱۰) صلاح الدین الجیری (مصر) الناصر داؤد کے خطوط (۱۱) لوئی گاردے (فرانس) وحی کا اثر اخلاق اور سیاست پر (۱۲) لبون (انگلستان) مسلمانوں کے شہر ساتویں سے سے بارہویں صدی ہجری تک (۱۳) کیڈی (امریکہ) جمال الدین افغانی کا اثر حالیہ اسلامی بیداری پر (۱۴) سعید رمضان (سوئزرلینڈ) اسلام اور عربوں کی (جاہلانہ) قوم پرستی (۱۵)؟ (چکوسلواکیا) صدر الدین عینی کی تالیفیں (۱۶) محمد خلف اللہ احمد (مصر) فنیج عربی کا اثر جدید عربوں کی زندگی اور فکر پر (۱۷) ام ملکوف (فرانس) ترکی کی پیشہ وارانہ انجمنیں (آئی) (۱۸) فاروق سومر (ترکی) نیمینچی قبیلے کے سردار کی یادداشت (۱۹) مرزا قدیر بیگ (کینیڈا) ابن عربی پر مجدد الف ثانی کی تنقید (۲۰) سلمان تمیمی (عراق) خلافت کا اسلامی تصور (۲۱) عمر لطفی برکان (ترکی) ترکی میں سولہویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں کچھ معاشی و سماجی بحران (۲۲) کاہن (فرانس) قرون متوسطہ کے اختتام پر اسلامی معاشیات کی برتری یورپی معاشیات پر (۲۳) سامی مکارم (امریکہ) الحاکم بامر اللہ (۲۴) ایس اے علی (ہندوستان) ابوالفیض فیضی کی ایک کم معروف فارسی لغت (۲۵) عبدالقادر قرہ خان (ترکی) سلطان سلیمان کے زمانہ کی ترکی شاعری (۲۶) ہاند (اسرائیل) ترکی کے فتاویٰ (۲۷) روبوفسکی (ہنگری) لطافت نامہ بخندی (۲۸) نہاد کیسکلک (ترکی) ابن عربی کی تازہ دریافت تالیف بلغۃ الحکمۃ (۲۹) جارج مقدسی (امریکہ) حبلی مذہب اور تصوف (۳۰) احمد بن محمد ابراہیم (سنگاپور) سنگاپور میں مسلمانوں کے قانون شخصی میں تبدیلیاں (۳۱) محمود الحسن صدیقی (مکسیکو) قدیم اسماعیلی تبلیغی سرگرمی سندھ میں (۳۲) نبی بخش قاضی (پاکستان) احمد رومی کی دقائق الطریق (۳۳) ہانس کروڑے (جامعہ عثمانیہ) جھنڈا اسلامی فوج میں (اواء اور رایہ میں فرق) (۳۴) ناچیز محمد حمید اللہ (فرانس) نسبی، ہجری سنہ اور ہجری و عیسوی تاریخوں کے تطابق پر ایک نئی جنتری کی تالیف کی ضرورت۔ اس کی تائید میں کانگریس نے بالاتفاق ایک قرارداد منظور کی اور تسلیم کیا کہ موجودہ جنتریاں ناقابل اعتماد ہیں۔

شعبہ چہارم: (۱) ڈاکٹر برنٹروف (جرمنی) ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں حیدرآباد دکن کا ایک شہر دائرہ انتخاب (۲) سی ام نعیم (امریکہ) ہندوستانی پاکستانی کشمکش کا اثر دوزبان اور ادب پر (۳) رفیق الرحمن (امریکہ) بنیادی حکومت عوام کا پاکستانی نظام اور پنچایتی راج کا ہندی

شعبہ دہم: (۱) زکی ولیدی طوغان (ترکی) برملکیوں کی اصل (۲) ایل خانم (ترکی) وسط ایشیا کی قدیم ترین ترکی مسجد میں فن معماری کی خصوصیتیں (۳) مانتران (فرانس) الجزائر میں ترکی دور کے نظم و نسق کی خصوصیتیں۔

**اختتامی جملہ** | اس ختم نہ ہونے والی فہرست کو ختم کر کے صرف یہ عرض کروں گا کہ آئندہ اجلاس کے لئے جو تین سال بعد ہوگا کوئی مقام طے نہ ہوا، اور جنٹلمن کی دعوت آئی تھی۔ مسئلہ مجلس انتظامی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

(معارف جلد ۱۰۰ شمارہ ۵ بابت ماہ نومبر ۱۹۶۷ء)

